مکاتیبِ اقبال

بنام گرامی

محمد عبداللہ قریشی

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰ میکلوڈ روڈ لاہور

مکاتیب اقبال

بنام

گرامی

مکاتیب اقبال

بنام گرامی

مقدمہ و تعلیقات

از

محمد عبداللہ قریشی

تمہید و تعارف

از

جناب غلام رسول مہر

پیش لفظ

از

جناب ممتاز حسن

اقبال اکادمی پاکستان

۱۱۶ میکلوڈ روڈ ۔ لاہور

جملہ حقوق بحق اقبال اکادمی پاکستان محفوظ ہیں ۔

طبع اول : اپریل ۱۹۶۹
طبع دوم : جون ۱۹۸۱
مطبع : زرین آرٹ پریس ، لاہور
تعداد : ۱۰۰۰
قیمت : ۲۰ روپے

ناشر :
ڈاکٹر محمد معزالدین ، ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان
۱۱۶ میکلوڈ روڈ ، لاہور

فہرست مطالب

پیش لفظ از جناب ممتاز حسن	ک
عرض حال از مرتب	۱
تمہید و تعارف از جناب غلام رسول مہر	۳
مقدمہ از محمد عبداللہ قریشی	۱۱
متاع گرامی	۱۳
مولانا گرامی کے حالات زندگی	۱۳
ولادت اور نام و نسب	۱۴
تعلیم و تربیت	۱۵
ملازمت	۲۱
دربار دکن میں باریابی	۲۵
گرامی کا پیش رو	۲۵
حیدر آباد کا قیام	۲۷
بخت کی رسائی	۲۷
شادی اور متاہل زندگی	۲۹
دکن سے واپسی	۳۱
بزم گرامی	۳۲
اقبال سے اخلاص و محبت	۳۳
شکوہ و شکایت	۴۰
مرض الموت	۴۳
وفات	۴۳
مراثیے	۴۵

تلامذہ - - - - - - - - ۵۱

شخصیت و کردار - - - - - - - ۵۲

حافظے کے کرشمے - - - - - - - ۵۳

مذہب اور عقیدہ - - - - - - - ۵۵

کلام کی جمع و ترتیب - - - - - - ۵۶

راہ فردا - - - - - - - - ۵۷

اُردو اشعار - - - - - - - - ۶۱

رنگ شاعری - - - - - - - - ۶۱

محاسن کلام - - - - - - - - ۶۲

(۲)

خطوط کی اہمیت - - - - - - - - ۶۶

خطوط کی تعداد - - - - - - - - ۶۷

خطوط کی نوعیت - - - - - - - - ۶۹

اشعار کی باریکیوں پر بحث - - - - - - ۷۱

لطیف چھیڑ چھاڑ - - - - - - - ۸۱

اقبال کے عزائم - - - - - - - - ۸۳

اسلوب نگارش - - - - - - - - ۸۵

مکاتیب اقبال بنام گرامی

۱- ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ء - - - - - - ۹۱

۲- بے تاریخ - - - - - - - ۹۲

۳- ۳ ستمبر ۱۹۱۲ء - - - - - - ۹۶

۴- ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء - - - - - - ۹۷

۵- ۱۳ جولائی ۱۹۱۴ء - - - - - ۹۷

۶- ۱۸ جنوری ۱۹۱۵ء - - - - - ۹۸

۷- ۲۸ جنوری ۱۹۱۵ء - - - - - ۱۰۱

۸- ۵ مئی ۱۹۱۵ء - - - - - - ۱۰۳
۹- ۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ء - - - - - - ۱۰۶
۱۰- ۸ فروری ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۰۹
۱۱- ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۱
۱۲- ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء - - - - - ۱۱۳
۱۳- ۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۵
۱۴- ۱۷ اپریل ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۷
۱۵- یکم مئی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۸
۱۶- ۳ مئی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۸
۱۷- ۷ مئی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۱۹
۱۸- ۲۱ مئی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۲۱
۱۹- ۲۸ جون ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۲۲
۲۰- یکم جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - ۱۲۴
۲۱- ۳ جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۲۷
۲۲- ۶ جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۲۸
۲۳- ۱۰ جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۲۹
۲۴- ۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۰
۲۵- ۱۹ جولائی ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۱
۲۶- ۷ اگست ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۲
۲۷- ۱۸ اگست ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۳
۲۸- ۲۲ اگست ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۴
۲۹- ۳ ستمبر ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۶
۳۰- ۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۸
۳۱- ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۷ء - - - - - - ۱۳۹
۳۲- ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۷ء - - - - - ۱۴۰
۳۳- بے تاریخ (۱۹۱۷ء) - - - - - - ۱۴۰
۳۴- ۱۲ دسمبر ۱۹۱۷ء - - - - - ۱۴۱

۳۵- ۲۷ دسمبر ۱۹۱۷ء	۱۳۲
۳۶- بے تاریخ (۱۹۱۷ء)	۱۳۳
۳۷- ۱۰ جون ۱۹۱۸ء	۱۳۴
۳۸- ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ء	۱۳۷
۳۹- ۴ نومبر ۱۹۱۸ء	۱۵۱
۴۰- ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء	۱۵۱
۴۱- ۲ دسمبر ۱۹۱۸ء	۱۵۴
۴۲- ۱۶ فروری ۱۹۱۹ء	۱۵۵
۴۳- بے تاریخ (۱۹۱۹ء)	۱۵۶
۴۴- ۱۶ مارچ ۱۹۱۹ء	۱۵۷
۴۵- ۴ جنوری ۱۹۲۰ء	۱۵۸
۴۶- ۱۲ جولائی ۱۹۲۰ء	۱۵۹
۴۷- بے تاریخ (۱۹۲۰ء)	۱۶۲
۴۸- ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ء	۱۶۳
۴۹- ۷ نومبر ۱۹۲۰ء	۱۶۶
۵۰- ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء	۱۷۰
۵۱- ۳۱ مارچ ۱۹۲۱ء	۱۷۴
۵۲- ۱۴ جولائی ۱۹۲۱ء	۱۷۵
۵۳- ۲۰ جولائی ۱۹۲۱ء	۱۷۶
۵۴- ۱۶ ستمبر ۱۹۲۱ء	۱۷۷
۵۵- ۲۵ دسمبر ۱۹۲۱ء	۱۷۹
۵۶- ۲۹ دسمبر ۱۹۲۱ء	۱۸۰
۵۷- ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء	۱۸۳
۵۸- ۵ جنوری ۱۹۲۲ء	۱۸۴
۵۹- ۶ جنوری ۱۹۲۲ء	۱۸۶
۶۰- ۷ جنوری ۱۹۲۲ء	۱۸۷
۶۱- ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ء	۱۸۸

٦٢- بے تاریخ (۱۹۲۲ع) - - - - - - ۱۸۹
٦٣- ۲۵ جنوری ۱۹۲۲ع - - - - - - ۱۹۰
٦۴- ٦ فروری ۱۹۲۲ع - - - - - - ۱۹۲
٦۵- ۹ فروری ۱۹۲۲ع - - - - - - ۱۹۳
٦٦- ۱۰ فروری ۱۹۲۲ع - - - - - - ۱۹٦
٦۷- ۱۷ فروری ۱۹۲۲ع - - - - - - ۱۹۸
٦۸- ۲۳ مارچ ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۰۰
٦۹- ۱۲ اپریل ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۰۱
۷۰- ۲۴ اپریل ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۰۳
۷۱- ۱۴ مئی ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۰۴
۷۲- ۱٦ مئی ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۰۵
۷۳- ۲۴ مئی ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۱۵
۷۴- ۲۴ جون ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۱٦
۷۵- ۲٦ جون ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۱۸
۷٦- ۴ اکتوبر ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۲۱
۷۷- ۱۰ دسمبر ۱۹۲۲ع - - - - - - ۲۲۳
۷۸- ۲۳ فروری ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۲۵
۷۹- ۸ مارچ ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۲٦
۸۰- ۲۲ اگست ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۲۷
۸۱- ۲۷ اگست ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۲۸
۸۲- ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۳۰
۸۳- ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۳۲
۸۴- ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۳ع - - - - - - ۲۳۵
۸۵- ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ع - - - - - - ۲۳٦
۸٦- ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۴ع - - - - - - ۲۳۷
۸۷- بے تاریخ (۱۹۲۵ع) - - - - - - ۲۳۸
۸۸- ۱٦ جنوری ۱۹۲٦ع - - - - - - ۲۳۹
۸۹- ۱۳ جنوری ۱۹۲۷ع - - - - - - ۲۴۰
۹۰- ۳۱ جنوری ۱۹۲۷ع - - - - - - ۲۴۱
اشاریہ - - - - - - - ۲۴۳

اضافہ طبع دوم

۹۱- ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء - - - - - - - ۲۵۰
۹۲- ۱۳ ستمبر ۱۹۲۷ء - - - - - - - ۲۵۱
۹۳- ۲۰ اپریل ۱۹۳۰ء - - - - - - - ۲۵۲
۹۴- ۲۱ اپریل ۱۹۳۰ء - - - - - - - ۲۵۲
۹۵- ۱۸ مئی ۱۹۳۰ء - - - - - - - ۲۵۳
۹۶- بے تاریخ - - - - - - - ۲۵۳
۹۷- یکم جولائی ۱۹۳۰ء - - - - - - - ۲۵۴
۹۸- ۱۰ اگست ۱۹۳۰ء - - - - - - - ۲۵۴
۹۹- بے تاریخ - - - - - - - ۲۵۵

پیش لفظ

گرامی ، اقبال کے خاص اور دیرینہ دوستوں میں سے تھے ۔ جب بھی لاہور آتے اقبال کے یہاں ٹھہرتے ۔ ان صحبتوں کی کیفیت ہم عبدالمجید سالک مرحوم اور دوسرے اہل علم اور اہل قلم کی زبانی سن چکے ہیں ۔ اقبال نے اپنے کلام کے متعلق گرامی سے مشورہ بھی کیا ہے مگر اسی طرح جیسے مولانا سلیمان ندوی سے یا اور دوستوں سے ۔ ابتدا میں اقبال کا معمول تھا کہ اپنا کلام وقتاً فوقتاً چند مخصوص اور منتخب احباب کو دکھایا کرتے اور ان کی رائے سننے کے بعد جہاں جہاں مناسب سمجھتے ترمیم کر لیتے ۔ اصلاح زیادہ تر ان کی اپنی ہوتی تھی دوسروں کی تنقید انہیں اپنے کلام پر نظر ثانی کا موقع فراہم کرتی تھی اور اسی لیے وہ تعریف کی بجائے تنقید کے خواہاں تھے ۔ البتہ جب کسی تجویز کردہ اصلاح کو صحیح اور موزوں سمجھتے تو اسے من و عن بھی قبول کر لیتے تھے ۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں ایک مختصر سے عرصے تک اپنا جو کلام داغ مرحوم کو بھیجا اس کا معاملہ اور ہے ۔ اقبال داغ کے شاگرد تھے اور اس پر انہیں فخر بھی تھا ، شاعری میں انہوں نے کسی اور کی شاگردی نہیں کی ۔

گرامی ، اقبال کے مداحوں اور قدردانوں میں سے تھے ۔ ان کا یہ مشہور شعر ان کی اقبال شناسی کا پتہ دیتا ہے :

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

گرامی کا انتقال ۱۹۲۷ع میں ہوا ۔ اس زمانے میں حفیظ ہوشیار پوری کا ایک شعر بہت مشہور رہا ، جسے غلطی سے گرامی کا سمجھ لیا گیا تھا :

صبا بہ حضرت اقبال ایں پیامم
کہ رفت جانِ گرامی و تو ہنوز خموش

اقبال کی خط و کتابت ان کے سیرت نگاروں کے لیے ایک مستقل موضوع ہے ۔ انھیں خط لکھنے والے بے شمار تھے ۔ دنیا کے ہر حصے سے ان کے پاس خط آتے اور وہ بڑی پابندی سے ہر خط کا جواب خود اپنے ہاتھ سے لکھتے ۔ ان کی زندگی کے صرف آخری ایک دو سال ایسے گزرے ہیں جب وہ ضعف بصارت کی وجہ سے کسی اور سے خط لکھوا کر خود دستخط کر دیا کرتے تھے ۔ ان کے خطوط ان کی شخصیت کا آئینہ ہیں ۔ جس طرح ان کی زندگی اور ان کا کلام خلوص سے پر ہے ، ان کے خطوط بھی تصنع سے پاک ہیں ۔

گرامی سے اقبال کی خط و کتابت زیادہ تر علمی اور ادبی نوعیت کی ہے اور اکثر ان کے اپنے کلام کے فنی پہلوؤں کے متعلق ہے ۔ حُسنِ فن ہی اقبال اور گرامی میں ایک قدرِ مشترک ہے ورنہ خیالات اور موضوعات کے اعتبار سے دونوں کی دنیا الگ الگ ہے ۔ گرامی روایتی حسن و عشق کے استادانہ شاعر ہیں اور اقبال کا پیغام یہ ہے کہ انسان :

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

اقبال اکادمی کو ایک عرصے سے گرامی کے نام اقبال کے خطوط کی تلاش تھی ۔ ہم جناب شیخ سردار محمد کے ممنون ہیں کہ ان کی وساطت سے یہ نادر خطوط اکادمی تک پہنچے ۔ شیخ صاحب نے نہ صرف یہ خطوط مہیا کیے بلکہ گرامی کے چند جوابی خطوط کی نقلیں بھی فراہم کیں جو خود گرامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں ۔ اب یہ ذخیرہ جو اقبالیات میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے ، آپ کے سامنے ہے ۔ ان خطوط کو جناب عبداللہ قریشی نے مرتب کیا ہے ، انھوں نے ایک مقدمہ بھی لکھا ہے اور مختلف خطوط پر جابجا حواشی اور تعلیقات بھی تحریر کیے ہیں ۔ جس

محنت اور تحقیق سے انھوں نے یہ کام سرانجام دیا ہے وہ قابل قدر ہے ۔ ان سے علاوہ اکادمی کے ڈائرکٹر جناب بشیر احمد ڈار نے بھی اس کتاب کی اشاعت میں خاص طور پر محنت کی ہے ۔ میں ان دونوں حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔

ممتاز حسن

کراچی ، ٦ اپریل ١٩٦٨ع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض حال

مکاتیب اقبال کا یہ مجموعہ اب سے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا مگر ان کی ترتیب و تسوید میں تاخیر ہو گئی۔ آخر قرعہ فال میرے نام پڑا۔ میں اس عزت افزائی کے لیے جناب ممتاز حسن صاحب نائب صدر اقبال اکادمی کا سپاس گزار ہوں۔

میں نے ان خطوں کو تاریخ وار ترتیب دینے اور متن کو اصل کے مطابق صحت سے پیش کرنے میں جو محنت کی ہے وہ اپنی جگہ اہم سہی مگر میرے نزدیک یہ کوئی بڑا کارنامہ نہیں۔ اصل کام یہ ہے کہ ان خطوں کو سیاق و سباق اور پیش منظر و پس منظر کے ساتھ ایسے طریقے سے قاری کے سامنے لایا جائے کہ کوئی ضروری امر اس سے مخفی نہ رہے۔ اگر خط میں کسی واقعہ کا ذکر ہے تو یہ واقعہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے؛ اگر کسی شخصیت کا نام آ گیا ہے تو اس شخصیت سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور اگر کوئی اشارہ مبہم ہے تو اسے واضح کر دیا جائے۔ یہ کام ذرا مشکل تھا لیکن خدا نے آسان کر دیا۔

میں بزرگ محترم مولانا غلام رسول صاحب مہر کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے سارے کام چھوڑ کر میرے کام کو ترجیح دی، میں نے جو کچھ بھی لکھا، اس پر اول سے آخر تک نظر ڈالی، کور کسر نکالی اور مس خام کو کندن بنا دیا۔

برادر مکرم پروفیسر محمد علم الدین سالک ، جناب حفیظ ہوشیار پوری اور حکیم محمد موسیٰ صاحب بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کے مفید مشوروں سے مجھے بے حد فائدہ پہنچا ۔

اب یہ قیمتی ذخیرہ آپ کے سامنے ہے ۔ آپ دیکھیں کہ بقول اقبال :

آں حرف دل فروز کہ راز است و راز نیست
من فاش گویمت کہ شنید ؟ از کجا شنید ؟
دزدید ز آسماں و بہ گل گفت شبنمش
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

لاہور ۔ اپریل ۱۹۶۹ع — محمد عبداللہ قریشی

طبع دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس وقت میرے دوست بشیر احمد ڈار اقبال اکادمی کے ڈائرکٹر اور جناب ممتاز حسن وائس چیئرمین تھے ۔ اب یہ دونوں اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور میں ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتا ہوں ۔

میں نے حضرت علامہ کے یہ لتانوے غیر مطبوعہ خطوط جس اسلوب سے مرتب کیے تھے ، اس کو سب نے پسند کیا ۔ یہاں تک کہ اس کے بعد خطوط کا جو مجموعہ بھی شائع ہوا اس کے مرتب نے میری ہی روش کی پیروی کی ۔

یہ کتاب مدت سے ختم ہو چکی تھی مگر دوبارہ طبع ہونے کی نوبت اب آئی ہے ۔ اس کے لیے میں ڈاکٹر معزالدین صاحب کا شکر گزار ہوں ۔ اس دوران میں مولانا گرامی اور بیگم گرامی کے نام حضرت علامہ کے جو خطوط اور دستیاب ہوئے ، وہ بھی اس مجموعے میں شامل کر لیے گئے ہیں ۔ خدا تعالیٰ اس طبع ثانی کو بھی پہلا سا شرف قبول عطا فرمائے ۔

لاہور ۔ مئی ۱۹۸۱ء — محمد عبداللہ قریشی

تمہید و تعارف

از

جناب غلام رسول مہر

مولانا گرامی مرحوم کے نام مکاتیب اقبال کا یہ مجموعہ اس اعتبار سے تو بیش بہا نعمت ہے ہی کہ یہ اقبال کی تحریرات ہیں ، جن کا ایک ایک حرف چشمِ بصیرت کے لیے کحل الجواہر ہے ، لیکن ان کی بیش بہائی کا ایک خاص پہلو بھی ہے - یعنی یہ مکاتیب اُس خوش ذوق و خوش فکر شاعر کے نام ہیں ، جو اپنے دور میں کلاسیکی فارسی شاعری کے کامل الفن ادا شناسوں میں سے بلند مرتبے پر فائز تھا اور ان مکاتیب میں اقبال کی شاعرانہ حیثیت کے جو گوشے بے نقاب ہوئے ہیں وہ غالباً کسی دوسرے مکتوب الیہ کے ساتھ مکاتبت میں واضح نہیں ہوئے اور نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ دوسرے مکتوب الیھم میں سے بیشتر تو شاعر تھے ہی نہیں اور جو تھے ، ان کا ذوق شعر گرامی کے برابر نہ تھا -

گرامی سے اقبال کے دوستانہ روابط بظاہر اسی زمانے میں قائم ہو گئے تھے ، جب اقبال کی شاعری ہلالِ عید کی طرح انجمن حمایت اسلام اور مخزن کے اُفق پر جلوہ آرا ہوئی تھی - ابتدا ہی سے اس کی شان بھی بالکل نرالی تھی اور خدا داد تاثیر و پذیرائی کی جو غیر معمولی دولت اس کے حصے میں آئی وہ بھی بے مثال تھی - حالانکہ وہ اقبال کی شاعری کی صبح اول تھی اور وہ شاعری ارتقا کی اس منزل پر نہیں پہنچی تھی ، جہاں سے

اس نے ایک مستقل دعوت اور ایک معین پیغام کا قدوسی خلعت پہنا ۔ پھر قدرت نے اقبال کو اس منصب عالی کی مسند پر بٹھا دیا ، جو صدیوں کے بعد کسی ''کلیم یا حکیم نے نواز'' سے زیب و زینت پاتی ہے ۔

اس وقت تک اقبال صرف اردو میں شعر کہتے تھے اور فارسی کی ایک نظم کے سوا کوئی چیز منظر عام پر نہیں آئی تھی ۔ گرامی محض فارسی کے شاعر تھے اور ان کا رنگ وہی تھا ، جو اکبری عہد کے مشہور اساتذہ کے لیے طغرائے امتیاز تھا ۔ اقبال اور گرامی میں قدرِ مشترک اس وقت تک صرف یہ تھی کہ دونوں نے مشاہیر اساتذۂ فارسی کا مطالعہ گہری نظر سے کیا تھا اور دونوں کا ذوقِ شعر بہت بلند تھا ۔

اس ربط و تعلق سے قریباً آٹھ دس سال بعد اقبال کی توجہ فارسی کی طرف منعطف ہوئی ۔ اس کے خاص اسباب تھے ۔ سب سے بڑا اور اہم سبب یہ تھا کہ اقبال کے نزدیک ہوش مندی کے کسی بھی دور میں شاعری محض دماغی تفریح یا خالی انجمن آرائی کا ذریعہ نہ تھی ۔ وہ بے مقصد شاعری کو ضیاع قوت و وقت سمجھتے تھے ۔ خاص قومی مقصد و نصب العین تو پہلے سے ان کے سامنے تھے لیکن جو کچھ وہ کہنا چاہتے تھے رفتہ رفتہ ہی ان کے قلب صاف پر منشرح ہوا ۔ انشراحِ کامل کے بعد انھیں اندازہ ہو گیا کہ اردو زبان ان کے پیغام کے لیے ضرورت کے مطابق سازگار نہیں ہو سکے گی ۔ لہٰذا انھیں فارسی اختیار کرنی پڑی ، جو دقیق و بلند افکار کے اظہار کے لیے اردو سے زیادہ ثروت مند تھی ۔ نیز کئی اکابر اس زبان سے حکمت ، فلسفے ، تصوف ، اخلاق ، سیاسیات اور رزم و پیکار کے دائروں میں کام لے چکے تھے ۔ اقبال خود فرماتے ہیں :

گر چہ ہندی در عذوبت شکر است　　طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است
فکرِ من از جلوہ اش مسحور گشت　　خامۂ من شاخِ نخلِ طور گشت
پارسی از رفعتِ اندیشہ ام　　در خورد با فطرتِ اندیشہ ام

علاوہ بریں فارسی نے کم از کم اسلامی ممالک میں فی الجملہ بین الملی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ نیز فضلاء مغرب کا بھی خاصا بڑا طبقہ اس سے شناسا تھا یا کہہ لیجیے کہ بالکل ناآشنا نہ تھا ۔ گویا فارسی کے

ذریعے سے اقبال کا پیغام براہِ راست وسیع تر طبقوں تک پہنچایا جا سکتا تھا۔

اس فیصلے کے بعد نیز دعوت کے ابتدائی مراحل میں اقبال کو جن ذہنی کاوشوں اور دماغی مشقتوں سے سابقہ پڑا ہوگا ان کی اصل داستان تو خود ان کے سوا کوئی نہیں سنا سکتا تھا۔ ایسا ہی مرحلہ میرزا غالب کو بھی پیش آ گیا تھا۔ وہ خود کہتے ہیں:

طریق وادیِ غم را کسے نبودہ رفیق
خود از صعوبتِ این راہ پُر خطر گویم

ممکن ہے ان اصحاب سے ''طریق وادیِ غم'' کی کچھ کیفیت معلوم ہو سکے، جنھوں نے اصلاح و ارشاد کی دعوتوں کے نقشے تیار کیے اور انھیں مختلف دائروں اور خطوں میں عزم و ہمت کے ساتھ عملی شکل دینے کے لیے اپنی جانوں پر محنتوں اور مشقتوں کے پہاڑوں کا بار صابرانہ برداشت کر لیا۔

اقبال کے لیے یہ صعوبتیں اور مشقتیں دو گونہ تھیں۔ اول اصل دعوت کی حکیمانہ ترتیبات، جو انتہائی غور و فکر اور حقیقۃً دماغ سوزی کی طلب گار تھیں۔ دوم ایک نئی زبان میں اظہار و ابلاغ کے لیے مہارت کاملہ پیدا کر لینا، جس کا مطالعہ بے شائبۂ ریب بہت وسیع پیمانے پر کر چکے تھے۔ تاہم اس میں شعر گوئی کی مشق نہ تھی اور پیغام کو پہنچانے کا حق ادا کرنے کے لیے انتہائی مشاقی درکار تھی۔

صعوبت کشی اور مشقت طلبی کے اس صبر آزما دور میں اقبال کو طبعاً فارسی شاعری کے کسی بالغ نظر رمز شناس کے ساتھ مذاکرات کی ضرورت پیش آئی، فکر و نظر کے اعتبار سے نہیں — کیونکہ ''بے خانۂ توفیق'' سے فکر و نظر کے جن رشحات کا رخ قدرت نے اقبال کے پیمانۂ دل و دماغ کی طرف پھیر دیا تھا، ان میں سے کوئی دوسری شخصیت جزواً بھی شریک و سہیم نہیں ہو سکتی تھی — صرف اسلوب بیان اور انداز اظہار کے اعتبار سے بعض نازک امور میں مذاکرات ناگزیر تھے۔ ان مذاکرات کے لیے گرامی نہایت موزوں تھے۔ اس لیے کہ اول فارسی اساتذہ کے کلام پر انھیں عبور حاصل تھا۔ دوم وہ تیس پینتیس برس سے ان اساتذہ کے انداز میں پورے انہماک کے ساتھ شعر کہتے رہے تھے۔ پاک و ہند میں

ایسی دوسری مثال خواجہ عزیزالدین عزیز لکھنوی کی تھی جو بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ایک مکتوب میں خرہ اقبال نے ان کا ذکر کیا ہے - ۱۹۱۵ء میں ان کا انتقال ہو گیا -

غرض پیش نظر مجموعہ مکاتیب اسی عہد رفاقت و مذاکرات کا ایک مرقع ہے ، جس کی بیش بہائی کسی تشریح کی محتاج نہیں - علامہ اقبال نے انھی مذاکرات کی یاد تازہ کرتے ہوئے گرامی کی وفات کے قطعے میں فرمایا تھا :

یاد ایامے کہ با او گفتگو با داشتیم
اے خوشا حرفے کہ گوید آشنا با آشنای

خود گرامی نے اقبال کی فکری معجز نمائیوں سے مسحور ہو کر مذاکرات کا حق ایسے انداز میں ادا کیا گویا خود اپنی بقائے شہرت کو بھی انھی مذاکرات پر موقوف و مبنی قرار دے لیا - گرامی فطرۃً کاہل اور حرکت سے بدرجہ غایت نفور تھے - جہاں بیٹھ جاتے وہاں سے ان کے لیے اٹھنا تو خیر خارج از بحث تھا ہی ، انھیں اٹھانا بھی بہت مشکل تھا - تاہم ماحول میں خفیف سی بھی ناسازگاری محسوس کرتے تو چند لمحے بھی وہاں گزارنے ان کے لیے ہزاروں مشقتوں کے مقابلے میں زیادہ ناخوشگوار ہو جاتے - بہ ایں ہمہ جب وہ اقبال کے پاس پہنچ جاتے تو انھیں اٹھانے کے لیے عزیزوں کو بھی عجیب و غریب تدبیریں اختیار کرنی پڑتیں - حضرت اقبال کی زبان مبارک سے مولانا گرامی کے جو واقعات بارہا سنے ، انھیں بیان کیا جائے تو ایک کتاب تیار ہو جائے ، تاہم چند کہانیاں ضرور لکھی دینی چاہئیں جن سے گرامی کی طبیعت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ کہانیاں اس مجموعہ مکاتیب میں بیان نہ ہوں گی تو اور کہاں لکھی جائیں گی ؟

ایک مرتبہ مولانا گرامی کو حضرت اقبال کے پاس آئے ہوئے خاصا عرصہ گزر گیا ، یہاں تک کہ بلانے کی غرض سے بیگم گرامی کو اپنی شدید علالت کا تار دینا پڑا - تار کا مضمون سن کر گرامی بہت پریشان ہوئے اور کہا کہ مجھے ابھی اسٹیشن پر پہنچا دیا جائے - حضرت علامہ اقبال فرماتے تھے کہ مجھے یقین تھا علالت کا ذکر محض اس لیے کیا گیا کہ

مولانا گرامی فوراً چلے آئیں ۔ چنانچہ میں نے (اقبال نے) مولانا سے کہا کہ تشویش نہ کریں ، بیگم بحمداللہ بالکل بہ خیریت ہیں اور ہم ابھی جوابی تار بھیج کر ان کی خیریت کی اطلاع منگا لیتے ہیں ، لیکن مولانا کو جانے پر اصرار تھا ۔ حضرت علامہ فرماتے تھے کہ سردی کا موسم تھا ۔ رات کے نو بج رہے تھے اور کوئی ٹرین اس وقت جالندھر کی طرف جانے والی نہ تھی ۔ آخر میں نے کہہ دیا کہ بہتر ، ابھی آپ کو بھجوا دیتے ہیں ، ساتھ ہی کہا کہ ایک رباعی کہی تھی ، تین مصرعے تو ہو گئے ، چوتھا مصرع حسب دل خواہ نہیں ہو سکا ۔ مولانا گرامی نے فرمایا ذرا مجھے بھی سنائیے ۔ تین مصرعے سنتے ہی وہ حسب عادت فکر میں منہمک ہو گئے اور تار سے جو تشویشات پیدا ہوئی تھیں وہ سب بظاہر بھول گئے ۔ کسی قدر غور و فکر کے بعد ایک مصرع سنایا ۔ میں نے (حضرت علامہ نے) کہہ دیا کہ مولانا اس کا فلاں حصہ مزید توجہ کا محتاج ہے ۔ غرض اسی طرح گھنٹے بھر میں چند مصرعے کہے ، لیکن میں ان میں کوئی نہ کوئی نقص نکالتا رہا ۔ پھر میں اوپر کی منزل میں جا کر سو گیا ۔ رات کے تین بجے علی بخش (حضرت علامہ کا ملازم) نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ مولانا یاد کر رہے ہیں ۔ حضرت علامہ آئے اور پوچھا کہ مولانا خیریت ہے ؟ بولے ، ہاں خیریت ہے ۔ میں نے مصرع کہہ لیا تھا اور سوچا کہ صبح کا انتظار نہ کروں اور ابھی سنا لوں ۔ حضرت علامہ فرماتے تھے کہ مصرع بڑا ہی نادر تھا ۔ میں نے اسے بہت سراہا ۔ بولے ! اب میرا جی سنگترے کھانے کو چاہتا ہے ۔ سردی کا موسم ، رات کے تین چار بجے کا عمل ؛ تاہم حضرت علامہ نے علی بخش کو بھیج کر کسی میوہ فروش کو اٹھایا اور سنگترے منگائے ۔ چائے تیار کی اور یہ چیزیں مولانا کے سامنے رکھیں تو خوش ہوئے ۔ اس اثنا میں تار کا واقعہ یاد سے بالکل محو ہو چکا تھا ۔

مولانا گرامی بے حد نازک مزاج بھی تھے اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ دل کی بات ہر فرد کے سامنے بے تکلف کہہ دیتے تھے ، اگرچہ وہ کتنی ہی ناخوشگوار ہو ۔

یہ موجودہ صدی کے عشرۂ ثانی کے واقعات ہیں ، جب ایکسٹرا اسسٹنٹ

کمشنر کا عہدہ ملکیوں کے لیے انگریزی حکومت میں بہت بڑا عہدہ تھا۔ ایسے عہدیداروں کو ڈپٹی کہتے تھے۔ حضرت علامہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امرتسر کا ایک ڈپٹی مولانا گرامی کے پاس پہنچا اور مختلف ترغیبات سے انہیں چند روز کے لیے اپنے ساتھ امرتسر جانے پر راضی کر لیا۔ اس ڈپٹی کو فارسی کا بھی اچھا ذوق تھا۔ مولانا راضی ہو گئے۔ تاریخ مقرر کر لی گئی۔ جب ڈپٹی صاحب مقررہ تاریخ پر لینے کے لیے آئے تو مولانا حرکت و جنبش سے نفرت کے باعث جانے پر آمادہ نہ تھے۔ مگر وعدہ کر چکے تھے، اس لیے علی بخش کو حکم دے دیا کہ سامان باندھ دو۔ اس زمانے میں موٹریں بہت کم تھیں اور سواری کے لیے زیادہ تر بگھیاں استعمال ہوتی تھیں۔ علی بخش نے مولانا کا سامان بگھی کی چھت پر رکھ دیا اور مولانا حقے کے چند کش لگانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اس اثناء میں ڈپٹی صاحب کی جو شامت آئے تو اپنے شعر سنانا شروع کر دیے۔ چند شعر مولانا سن چکے تو ٹھیٹھ پنجابی زبان میں فرمایا:

> ''چھڈ یار میں نہیں جاندا۔ اوتھے مینوں ایہو جیہے ڈھیکے شعر سناویں گا (چھوڑ یار میں نہیں جاتا۔ مجھے وہاں ایسے ہی لغو شعر سناؤ گے)۔''

چنانچہ علی بخش کو حکم دے دیا گیا کہ سامان واپس لے آؤ۔ ڈپٹی صاحب کی کوئی منت و سماجت مولانا کو امرتسر جانے پر راضی نہ کر سکی۔

تاہم یہی گرامی بے در بے کئی کئی ہفتے اقبال کے ہاں ٹھہرے رہتے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی بد مزہ نہیں ہوتے تھے۔

میں ان تمہیدی یا تعارفی کلمات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ مقصود حقیقی محض یہ تھا کہ اول اس دور کا سرسری نقشہ سامنے آ جائے، جس کا ایک مرقع یہ مکاتیب پیش کر رہے ہیں۔ نیز معلوم ہو جائے کہ اقبال کو اس وقت کیوں گرامی سے مذاکرات کی ضرورت پیش آتی تھی اور ان مذاکرات کے حدود کیا تھے؟ افسوس کہ تمام مکاتیب محفوظ نہ رہ سکے اور ان کا ایک حصہ یقیناً ضائع ہو گیا، جیسا کہ آپ ہر مکاتیب کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا۔ اگر وہ مکاتیب بھی مل جاتے تو ایسی کئی اور دل آویز

صحبتوں اور مذاکروں سے تمتع کا موقع مل جاتا۔

ان مکاتیب کی ترتیب و تہذیب میرے عزیز دوست اور دیرینہ رفیق مولوی محمد عبداللہ صاحب قریشی نے پایۂ تکمیل کو پہنچائی۔ اس سلسلے میں انھیں جتنی محنت اٹھانی پڑی اس کا کسی قدر اندازہ مقدمے نیز مکاتیب کے حواشی سے ہو سکے گا۔

یہ مکاتیب جس وقت لکھے گئے تھے اس وقت فریقین (اقبال و گرامی) کو خیال بھی نہ ہوگا کہ یہ محفوظ رہیں گے اور کبھی ایک مرتب کتاب کی شکل میں منظر عام پر آئیں گے۔ پھر انھیں دو بلند منزلت شخصیتوں کے درمیان ایک علمی مذاکرے کی حیثیت حاصل تھی اور صرف وہی باتیں معرض تحریر میں آئیں جو اصل معاملات ایک دوسرے تک پہنچانے کے لیے ناگزیر تھیں۔ لیکن فاضل مرتب نے مکاتیب کے ایک ایک حصے کی توضیح کے لیے بیسیوں کتابوں، رسالوں، مقالوں اور تحریروں سے معلومات کے جواہر پارے فراہم کر کے نگینوں کی طرح جڑ دیے تاکہ کوئی مطلب و مفہوم غیر واضح نہ رہے۔ ان میں جن جن افراد و وقائع کا ذکر اشارۃً آیا ہے، قریشی صاحب نے ان کے متعلق ضروری تفصیل اس حد تک مہیا کر دی کہ حرف مطلب کے ذہن نشین کر لینے میں خوانندگان کرام کو سہولت رہے اور کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ہر تشریح کے لیے مستند حوالے دیے۔ اقبال یا گرامی کے جس شعر یا جن اشعار کی طرف مکاتیب میں اشارہ کیا گیا ہے، ان کا سراغ لگایا اور انھیں درج کر دیا۔ جس جس معاملے کے متعلق گرامی کے مکاتیب سے کچھ معلومات مل سکتی تھیں، وہ مکاتیب کے حواشی میں درج کر دیے۔ قطعاً شبہ نہیں کہ ان کی یہ دیدہ ریزی اور دماغ کاوی ہر اعتبار سے قابل قدر اور مستحق ستایش ہے۔ مکاتیب کا ہر مجموعہ ایسی ہی سعی و کاوش کے بعد پڑھنے والوں کے لیے حقیقۃً نافع اور سود مند ہو سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مکاتیب کا یہ مجموعہ ''اقبالیات'' کے سلسلے کا ایک قابل قدر مرقع بن گیا ہے۔ یقین ہے کہ یہ میرے عزیز دوست قریشی صاحب کی بھی اہم علمی یادگاروں میں شمار ہوگا۔

مقدمہ

علامہ اقبال ہمارے دور کے ایسے شاعر اور مفکر تھے ، جن کو زندگی میں محبوبیت کا بلند ترین مقام نصیب ہوا ۔ انھوں نے اس شمع فروزاں کی مانند ، جو اپنے گرد و پیش کی دنیا میں اجالا کر دیتی ہے ، دل کی روشنی اور بصیرت کے نور سے لوگوں کے دلوں کی تاریک بستیوں کو منور کیا ۔ وہ خود تو گوشہ نشین تھے ۔ بہت کم زاویۂ عزلت سے باہر آتے تھے مگر دنیا کی بڑی بڑی شخصیتیں اور ہر فکر و خیال کے لوگ حاضر خدمت ہو کر ان کی صحبت سے خورسند ہوتے ، باتیں سنتے اور خط لکھ لکھ کر بھی مبادلۂ خیالات کرتے تھے ۔ علامہ ہر شخص کے خط کا جواب نہایت مستعدی سے دیتے اور کسی کو مایوس نہ فرماتے تھے ۔

اس طرح انھوں نے زندگی میں بے شمار خطوط لکھے ۔ بیماری یا بعض استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر عموماً خط اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ، مضمون مختصر ہوتا تھا ، صرف کام کی باتوں پر اکتفا کرتے تھے ۔ خط نہایت پختہ اور پاکیزہ تھا ، جس میں پرانے منشیوں کے سواد خط کی جھلک نظر آتی ہے ۔ لوگ آپ کی تحریروں کو سنبھال کر رکھتے تھے ۔ آج یہی پسماندہ نشانیاں تسکین و قرار کا باعث بنی ہوئی ہیں اور قابل قدر یادگار خیال کی جاتی ہیں ۔

حضرت علامہ کے انتقال کے فوراً بعد ان کے خطوں کی جمع و ترتیب کا کام شروع ہو گیا تھا ۔ سب سے اول شیخ عطاء اللہ صاحب پروفیسر

معاشیات علی گڑھ یونیورسٹی (وفات لاہور ۲۷ دسمبر ۱۹۶۸ء) نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور بہت سے متفرق و منتشر خطوط یک جا کر کے دو جلدوں میں شائع کیے ۔ اس کتاب کو "اقبال نامہ" کہتے ہیں ۔

اس کے بعد اقبال کے خطوط قائداعظم کے نام شائع ہوئے جن کے مطالعہ سے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ آزاد مملکت کے قیام کے بارے میں ان کی کوششوں اور آرزوؤں کا پتہ چلتا ہے ۔ اصل خط انگریزی میں ہیں جن کا اُردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے ۔

پھر مہاراجہ کشن پرشاد مدارالمہام حیدرآباد دکن کے ساتھ اقبال کی مراسلت "شاد اقبال" کے نام سے طبع ہوئی ۔ مہاراجہ کے نام اقبال کے بہت سے خطوط اور بھی دستیاب ہوئے ہیں ، جو عنقریب اقبال اکیڈمی کراچی کی طرف سے شائع ہوں گے ۔

ایک مجموعہ ان خطوط کا بھی شائع ہوا جو حضرت علامہ نے مرحومہ عطیہ فیضی کے نام لکھے تھے ۔ ان میں زیادہ تر خطوط انگریزی کے تھے جن کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے ۔ دونوں مجموعے نہایت آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں ۔

ادھر بزم اقبال لاہور نے خان نیازالدین خان (بستی دانشمنداں ، جالندھر) کے نام اقبال کے مکاتیب کا ایک مختصر سا مجموعہ شائع کیا ۔ ادھر اقبال اکیڈمی کراچی نے دو مجموعے شائع کیے ۔ ایک مجموعہ میں تو صرف سید نذیر نیازی کے نام خطوط ہیں اور دوسرے میں اقبال کے متفرق خطوط اور نادر تحریریں ہیں ۔ آخر الذکر کتاب کا نام "انوار اقبال" ہے ۔ ابھی کئی خط دوستوں کے پاس محفوظ ہیں جو وقتاً فوقتاً منظر عام پر آتے رہتے ہیں ۔

زیر نظر کتاب ان خطوں کا مجموعہ ہے جو اقبال نے مولانا شیخ غلام قادر گرامی کے نام وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے ۔ یہ اپنے مواد کے لحاظ سے شاعر اقبال کو سمجھنے کے لیے بے حد اہم اور اپنی نوعیت میں بالکل منفرد ہیں ۔ پاک و ہند کی تقسیم کے ہنگاموں میں ان کا محفوظ رہنا اور آبادیوں کے زبردستی تبادلے کے بعد ہوشیار پور سے شیخ سردار محمد صاحب کے ہاتھوں پاکستان پہنچ جانا حقیقتہً ایک نہایت غیر معمولی واقعہ ہے ۔

متاع گرامی

یہ مکتوبات مولانا گرامی اور علامہ اقبال کے مخلصانہ تعلقات کی لازوال یادگار ہیں اور ان دونوں بزرگوں کی زندگی ، وظیفہ حیات ، ذاتی اوصاف اور عقلی و ذہنی صلاحیتوں کے بعض ایسے گوشوں پر نئی روشنی ڈالتے ہیں جو اب تک پوری طرح آشکارا نہ تھے ۔ ہزاروں دیگر آثار و نوادر کی طرح اگر یہ قیمتی متاع بھی ضائع ہوگئی ہوتی تو ہم ایک نہات بے بہا دولت سرمدی سے محروم رہ جاتے جو اب وقف عام ہے :

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

مولانا گرامی کے حالات زندگی

ان مکتوبات کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کاتب اور مکتوب الیہ کے تعلقات کا حال بیان کیا جائے اور مکتوب الیہ کی شخصیت کے بارے میں خاص طور پر واقفیت بہم پہنچائی جائے تاکہ ان مکتوبات کی اہمیت و افادیت دلوں پر نقش ہو سکے ۔ یہ بات اس لیے اور بھی ضروری ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال کے حالات اور فکر و فن پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور وہ آسانی سے مل بھی جاتا ہے ، لیکن مولانا گرامی کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے اور وہ تلاش کے باوجود بھی دستیاب نہیں ہوتا ۔ انھوں نے اول تو اپنے کلام سے خود ہی بے اعتنائی برتی اور اپنی حیات میں اسے مرتب و مدون ہی نہ کیا حالاں کہ اقبال انھیں بار بار اکساتے تھے کہ :

”اگر آپ اپنا کلام مجھے ارسال فرماتے رہیں تو میں تھوڑے عرصے میں آپ کا مجموعہ تیار کرکے دنیا کے سامنے اس بے بہا خزانے کو پیش کر دوں گا ۔ افسوس ہے آپ نے اب تک اس طرف توجہ نہ کی ۔ جو کچھ یاد آتا ہے لکھتے جائیے اور مجھے بھیجتے جائیے ۔ اس

زمانۂ انحطاط میں کسی مسلمان کا ایسا کلام ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی کی قوتیں ابھی باقی ہیں ۔''[1]

اس طرح کتنا ہی کلام گرامی کی بے پروائی سے ضائع ہو گیا ۔ پھر جو کچھ مولانا نے اپنے حالات و سوانح کے بارے میں وقتاً فوقتاً اپنے ملنے والوں کو بتایا وہ بھی باقاعدہ ضبط تحریر میں نہ آیا جس سے ان کی شخصیت اُجاگر ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے احوال و کمالات پر لا علمی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے جوہر علمی بھی دب سے گئے ہیں ۔ حالاں کہ اقبال کے الفاظ ہیں :

''گرامی جہانگیری بہار کا آخری پھول ہے جو ذرا دیر کے بعد شاخ سے پھوٹا ۔ افسوس ! آج خان خاناں نہ ہوئے کہ ان کو معلوم ہوتا خاک پنجاب شیراز اور نیشا پور سے کسی طرح کم نہیں ۔''[2]

ولادت اور نام و نسب

مولانا شیخ غلام قادر گرامی غدر سے چند سال قبل پنجشنبہ کو چار بجے صبح جالندھر میں پیدا ہوئے ۔ بعض تذکرہ نگاروں[3] نے ۱۸۵۶ع سال پیدائش لکھا ہے ۔ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو وفات کے وقت (۱۹۲۷) ان کی عمر اکہتر برس کی تھی ۔ لیکن گرامی جون ۱۹۲۲ع کے ایک خط میں کسی غزل کی داد دیتے ہوئے اقبال کو لکھتے ہیں :

''ملا نظیری نے آپ کو اپنا جانشین انتخاب کیا ہے ۔ گرامی ہفتاد سالہ ہو گیا ہے ، یہ دولت نہ ملی ۔''[4]

۱۔ مکتوب اقبال بنام مولانا گرامی ، ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ع ۔
۲۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ، ۹ فروری ۱۹۲۲ع ۔
۳۔ شعرائے پنجاب ، صفحہ ۲۹ ؛ ماہنامہ مخزن لاہور ، گرامی نمبر اگست ۱۹۲۷ع ، صفحہ ۶ ۔
۴۔ مکتوب گرامی بنام اقبال ۔

اس اعتبار سے گرامی کی عمر کم و بیش پچھتر برس کی ہوئی مگر معلوم ہوا کہ وفات سے قبل گرامی اپنی عمر اسی (۸۰) سے بھی اوپر بتاتے تھے۔

تزک محبوبیہ[1] کے مصنف نے نام عبدالقادر اور وطن بلگرام لکھا ہے مگر یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ گرامی نام اور تخلص کے بارے میں خود کہتے ہیں:

غلام قادرم فرخندہ نامم　　گرامی غوث الاعظمؒ را غلامم

جالندھر میں پیدا ہونے کی سند بھی ان کے کلام سے ملتی ہے:

نظم دل کش بخواں بہ طرز دگر　　مولد تست شہر جالندھر
ذرہ اش بر ستارہ چشمک ریز　　خاک جالندھر است مردم خیز

مولانا گرامی کے والد کا نام شیخ سکندر بخش تھا جنہیں لوگ کندا کندا کہتے تھے۔ وہ ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے اور نیل کی رنگائی کا کام کرتے تھے۔

تعلیم و تربیت

عام رواج کے مطابق گرامی کو پہلے پہل محلے کی مسجد میں قرآن مجید پڑھنے اور مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بٹھایا گیا۔ پھر خلیفہ ابراہیم کے مکتب میں داخل کیا گیا جو بستی دانشمنداں (جالندھر) میں واقع تھا۔ وہاں فارسی کی متداول درسی کتابیں گلستاں، بوستاں اور سکندر نامہ وغیرہ پڑھیں۔

حکیم غلام قادر شاہ اثر قادری (پیدائش ۱۲۷۱ھ مطابق ۱۸۵۴ع، انتقال ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ع) جو بستی شیخ درویش (جالندھر) کے رہنے والے تھے، خلیفہ ابراہیم کے مکتب میں گرامی کے ہم درس تھے۔ انھوں نے طب کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔

خلیفہ ابراہیم ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے ابتدا ہی میں گرامی کا شوق دیکھ کر انتہا کا اندازہ کر لیا تھا۔ گرامی ابھی آٹھ ہی برس

۱- تزک محبوبیہ از غلام صمدانی خاں گوہر، جلد دوم، صفحہ ۱۴۷۔

کے تھے کہ وہ انھیں ''ملک الشعرا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے - گرامی خود کہتے ہیں :

''خلیفہ ابراہیم از اولیاء اللہ و اہل راز بودہ و گرامی را کہ ہشت سال بیشتر عمر نداشت بہ لقب ''ملک الشعراء'' خطاب کردہ مثل این کہ در ہان ابتداء کار انتہاے مقام گرامی را مشاہدہ می کرد -''[١]

تحصیل علم کا شوق گرامی کو کشاں کشاں لاہور لے آیا - چودہ سال کی عمر میں اورنٹیل کالج لاہور میں داخل ہو کر فارسی کے امتحانات منشی عالم اور منشی فاضل پاس کیے ، پھر وکالت کا امتحان دیا اور اس میں بھی کامیابی حاصل کی - مگر وکالت کو نہ پیشہ بنایا ، نہ اس سے اور بھی کوئی فائدہ اٹھایا -

گرامی کو شاعرانہ مزاج قدرت کی طرف سے ملا تھا - شاعری کی طرف فطری میلان کی وجہ سے گلستان ، بوستان اور سکندر نامہ کا مطالعہ ''سمند ناز پہ اک اور تازیانہ'' ہوا اور طبیعت کی مناسبت سے بچپن ہی میں غیر شعوری طور پر فقرے موزوں کرنے لگے -

گرامی کی تربیت کے ضمن میں ترک علی شاہ قلندر کا نام جگہ جگہ آتا ہے - ان کا اصل نام غلام محمد تھا - ابتدا میں غلامی تخلص کرتے تھے - غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے مرید ہو گئے تو ترک علی شاہ نام رکھ لیا اور ترکی تخلص کرنے لگے - نور محل (جالندھر) کے رہنے والے پرگو شاعر تھے - ان کے دادا آباداں ، نادر شاہ کی فوج کے ہمراہ ہرات سے لاہور آئے اور یہاں سے ترکی کے والد باج خاں ، رنجیت سنگھ کے عہد میں نور محل منتقل ہو گئے - ترکی ١٢٤٢ھ/١٨٢٦ع میں پیدا ہوئے - وہ اپنا سلسلۂ نسب فردوسی طوسی تک پہنچاتے تھے - مادری زبان فارسی تھی - گل محمد خاں ناطق مکرانی ، مولوی شہاب الدین واثق ہراتی ، مفتی رکن الدین

١- ماہنامہ ہلال کراچی - دسمبر ١٩٥٨ع مضمون ڈاکٹر محمد جہانگیر خاں ، صفحہ ٢٩ -

مکمل نور مجلی ، مولوی امام بخش صہبائی دہلوی ، میر علی اوسط رشک سے تلمذ تھا ۔ عالم جوانی میں مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی ، مغربی ہند کی بعض ریاستوں میں بھی رہے ، پھر حیدر آباد دکن پہنچے اور وہیں کے ہو رہے ۔ حیدر آباد کے امرا اور اہل علم نے ان کی قدر و منزلت کی ، معقول منصب ملا ۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت سے بھی گہرے مراسم تھے ۔ حیدر آباد کے اکثر شعرا ان کو اپنا کلام بغرض اصلاح دکھایا کرتے تھے ۔[1] مندرجہ ذیل اشعار میں فخریہ فرماتے ہیں :

منم منم کہ امیر سخن خطاب من است
منم منم کہ علم را بر آسماں دارم
منم کہ فیض گرفتم ز ناطق مکراں
منم نسب کہ ز طوسی دریں جہاں دارم

تقریباً پنتیس برس حیدر آباد میں گزار کر پچانوے برس کی عمر میں وہیں انتقال کیا ۔ سید تسکین عابدی نے تذکرہ سخنوران دکن میں ان کی تاریخ وفات ۱۳۲۸ فصلی/۱۹۱۸ع لکھی ہے[2] ترکی کے سنگ مزار پر جو بلدۂ حیدر آباد کے لال دروازے کے باہر احاطہ درگاہ حضرت شاہ مخفی الحسینی چشتی میں واقع ہے تاریخ وفات ۲۵ ۔ شہر جمادی الثانی ۱۳۳۷ھ روز پنجشنبہ عمر ۹۵ سال درج ہے ۔[3] اس کی عیسوی تاریخ ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ع بنتی ہے ۔ ان کا بہت سا اردو فارسی کلام اور دیگر تصانیف تو ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئی تھیں جن میں دیوان سرمایہ پیری (فارسی) دیوان سرمایہ حیات (اردو) رسالہ نثر گلبانگ ترکی ، تذکرہ سخنوران چشمدیدہ ، مثنوی صوت سرمد (طبع ۱۳۲۳ھ) مثنوی سرخاب عشق یعنی پنجابی قصہ

۱۔ روپ کاسنی از ترک علی شاہ قلندر ، مطبوعہ ۱۳۵۸ھ ۔
۲۔ سخنوران دکن ، صفحہ ۱۳۸ ۔
۳۔ ماہنامہ سب رس : حیدر آباد ، اپریل ۱۹۶۸ع مضمون امیر الشعرا ترکی نور مجلی ۔

سوہنی مہینوال فضل شاہ کا فارسی ترجمہ (طبع ۱۳۳۳ھ) بہت مشہور ہیں ، پنجابی مثنوی ''روپ کامنی'' رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ع کی تصنیف ہے ۔ یہ مثنوی ترکی کی صاحب زادی بسم اللہ بیگم عصمت نے رجب المرجب ۱۳۵۸ھ/اگست ۱۹۳۹ع میں طبع کرائی ۔ اس کے شروع میں باپ کا تعارف کراتے ہوئے بسم اللہ بیگم نے مولانا گرامی کو اپنا ماموں ظاہر کیا ہے مگر ہماری تحقیق یہ ہے کہ گرامی اس کے حقیقی ماموں نہ تھے ۔ دور کے رشتے کے ماموں ہو سکتے ہیں کیونکہ گرامی کی ایک ہی سگی بہن فضل بی بی تھیں جن کی شادی شیخ نصیر الدین سے ہوئی تھی ۔

عزیز ملک صاحب کا خیال ہے کہ ''گرامی جالندھری کو ترکی ہی نے شاعر بنایا ۔ گرامی رشتے میں ان کے سالے لگتے تھے ۔ اس لیے ترکی نے گرامی کی پرورش و پرداخت کی ، لکھایا پڑھایا اور شاعر بنا کر چھوڑ ا۔ چونکہ نہایت کمزور طبیعت کے مالک تھے اور حددرجہ زود رنج ، اس لیے گرامی نے تنگ آ کر ساتھ چھوڑ دیا ۔''[1]

پرورش و پرداخت کے متعلق تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ بزرگ رشتہ دار ہونے کی بنا پر ممکن ہے کچھ سکھایا پڑھایا بھی ہو ۔ البتہ جہاں تک شاعر بنانے کا تعلق ہے ہمیں اس میں کلام ہے ۔ شاعر بنائے نہیں جاتے ، پیدا ہوتے ہیں ۔ شاعری اکتسابی نہیں وہبی شے ہے ۔ گرامی پیدائشی شاعر تھے ۔ ان میں یہ جوہر قدرتی طور پر موجود تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری نے اوائل عمر ہی میں پر پرزے نکالنے شروع کر دیے تھے ، بعد میں علم و مطالعہ نے پرواز بخش دی ۔

سید تمکین کاظمی حیدر آبادی مرحوم نے ترکی نور محلی کے ذکر میں ایک جداگانہ داستان سنائی ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

> ''گرامی بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے ۔ ترکی ہی نے تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا ۔ انھوں نے گرامی کو شعر و سخن کے رموز سکھائے ، پھر دونوں کے تعلقات بگڑ گئے ،

۱۔ نقوش شخصیات نمبر حصہ اول ۔

ترکی نے گرامی پر الزام لگائے ۔ مثلاً یہ کہ میرے اشعار اپنے نام سے مشہور کر دیے اور میری شاگردی سے انکار کیا ۔''[۱]

تمکین کاظمی نے ''گلزار صدیقی'' دیوان اول سے جو ترکی نے قیام مانگرول کے زمانے میں مکمل کیا تھا اور والیٔ مانگرول کے حکم سے ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ع) میں چھپا تھا، یہ شعر بھی گرامی کے متعلق نقل کیے ہیں :[۲]

غزل نہ گفتہ ترکی قسم بہ تارک شاہ — سر غرور گرامی بریدہ گویا
گرامی ز شاگردیم شد گراں — وگرنہ یہاں مست دیوانہ بود

اس شعر پر یہ حاشیہ دیا ہے کہ ''قبل از شاگردیم مست تخلص می کرد'' ۔

برد مضمونم از گرامی لیک — ہست در بانگ زاغ و طوطی فرق

زادۂ سگ گویم آں ناپاک مادر زاد را
آنکہ بعد از کسب فن عف عف کند استاد را
ہندی و ترکی بود یکساں بچشم ناشناس
روز و شب ہمرنگ باشد کور مادر زاد را
قدرش شود البتہ گرامی چو گرامی
ہرکس کہ بیاضم ہمہ یکبار بہ دزدد

شعر چرانے کا الزام یوں غلط ہے کہ گرامی اور ترکی کے کلام میں زمین آسمان کا فرق ہے ، ایک کا رنگ دوسرے سے نہیں ملتا ۔ گرامی کا کلام ترکی سے بدرجہا بہتر اور ارفع ہے ، اس میں لطافت بھی ہے اور پاکیزگی بھی ، حلاوت بھی ہے اور شیرینی بھی ۔ علامہ اقبال کی رائے ہے :

''گرامی کا کلام بحیثیت مجموعی بالخصوص غزل میں نظیری کے کلام سے ایک نسبت رکھتا ہے ۔''[۳]

۱۔ رسالہ آج کل دہلی ، مارچ ۱۹۶۰ع ، صفحہ ۱۹ ۔
۲۔ الحمرا مئی ۱۹۵۳ع ، جلد ۶ ، نمبر ۵ ، صفحہ ۲۱۹ ۔
۳۔ مخزن لاہور ، جون ۱۹۲۷ع ۔

ترکی دراصل گرامی جیسے ہونہار نوجوان کو اپنا شاگرد ظاہر کر کے اپنے احساس کمتری کی تسکین کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کا سر فخر سے اونچا ہو سکے - گرامی اس بات کو خوب سمجھتے تھے - انھوں نے اپنی بھتری اسی میں دیکھی کہ ترکی سے علیحدہ رہ کر اپنے آپ کو منوائیں - چنانچہ ایسا ہی ہوا - گرامی کا جسم اس جہان سے رخصت ہو گیا مگر وہ شاعر کی حیثیت سے اب بھی موجود ہیں اور زندہ جاوید ہیں - ان کے کلام کو فنا نہیں -

بعضوں کا خیال ہے کہ ۱۸۸۸ء میں جب گرامی حیدرآباد گئے تو ترکی کا دل صاف ہو چکا تھا - اس زمانے میں یہ شعر بھی کہا :

اول از داغ و گرامی پرسشْ ترکی خبر
چون نسیم آن کس کہ از باغ دکن آید برون[1]

پھر ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) میں جب ترکی نے تذکرہ "سخنوران چشم دیدہ" لکھا تو گرامی کا ذکر ان الفاظ میں کیا :

"گرامی تخلص ، غلام قادر نام ، جالندھری از ملازمان سلطان دکن است بہ زمرۂ شعراء تنخواہ می یابند - در عربی و پارسی مستند و از قرابت داران این فقیر است - شاعریست نازک خیال ، جدت پسند و بلند پرواز - دیوان پارسی مکمل کردہ مگر ہنوز مطبوع نشدہ - عمر شریفش از پنجاہ سال تجاوز کردہ . . ."[2]

سید تمکین کاظمی کا بیان ہے کہ گرامی ان سے ہمیشہ دور دور ہی رہے :

"گرامی چونکہ ترکی کے سالے تھے اور ترکی روزانہ ہمارے گھر آیا کرتے تھے ، اس لیے جب میں ملتا گرامی مجھ سے ترکی اور ان کے خاندان کی خیر و عافیت پوچھا

۱- رسالہ آجکل دہلی مارچ ۱۹۶۰ء ، ص ۱۹ -

۲- تذکرہ سخنوران چشم دیدہ ، ص ۱۰۰ -

کرتے تھے ۔ اس طرح میں گرامی سے نہ صرف مانوس بلکہ بے تکلف تھا ۔ ایک آدھ مرتبہ میں نے گرامی سے پوچھا بھی کہ حضرت آپ استاد (یعنی ترکی) کے پاس کیوں نہیں جاتے ؟ تو گرامی نے کہا : ''ارے میاں ! وہ آدمی تھوڑا ہی ہے'' ۔ بہر حال حیدر آباد میں رہنے تک ترکی اور گرامی میں مصالحت نہ ہو سکی اور ایک دوسرے سے دور دور رہے ۔ البتہ ترکی کا زنانہ گرامی کے گھر برابر آتا جاتا تھا''[۱] ۔

ملازمت

تعلیم سے فارغ ہو کر گرامی نے معلمی کا پیشہ اختیار کیا ۔ کچھ عرصہ امرت سر کے ایم ۔ اے ۔ او ہائی سکول میں فارسی پڑھائی ۔ پھر وہاں کی ملازمت ترک کرکے کپور تھلہ کے کسی مدرسے میں چلے گئے ۔ وہاں بھی دل نہ لگا تو لدھیانہ کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی کے مدرس ہو گئے ۔ آپ اس زمانے میں سمعی بصری طریقے سے پڑھایا کرتے تھے ، جب کوئی اس کا نام بھی نہیں جانتا تھا ۔ آپ کے شاگرد بڑی روانی سے فارسی میں بات چیت کرتے اور اساتذہ کے شعر سناتے تھے ۔ چنانچہ جب انسپکٹر مدارس نے اسکول کا معائنہ کیا تو وہ بچوں کی فارسی استعداد دیکھ کر بہت حیران ہوا ۔ مگر اس نے لاگ بک میں لکھ دیا کہ ''فارسی کا اُستاد یوں تو بہت لائق ہے اور اس نے طالبعلموں میں فارسی کا مذاق بھی خوب پیدا کر دیا ہے ، مگر وہ سررشتۂ تعلیم کے مقرر کردہ نصاب کی طرف بہت کم توجہ دیتا ہے'' ۔ انسپکٹر کی یہ رائے اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے گرامی کو ملاحظہ کرائی ، جسے دیکھ کر وہ بہت برہم ہوئے اور ان کا دل ملازمت سے اُچاٹ ہوگیا ۔

انھی دنوں لدھیانہ میں واربرٹن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے ۔ ان

۱۔ الحمرا مئی ۱۹۵۴ء جلد ۶ ، نمبر ۵ ، ص ۲۱۸ ۔

کو فارسی سیکھنے کا بہت شوق تھا ۔ وہ اکثر گرامی کو بلا کر ان سے فارسی میں گفتگو کیا کرتے اور ان سے فارسی اشعار سنا کرتے تھے ۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ مولانا گرامی اسکول کی ملازمت سے دل برداشتہ ہو گئے ہیں ، تو انھوں نے مشورہ دیا کہ مولانا پولیس میں بھرتی ہو جائیں ۔ گرامی کو اگرچہ پولیس کی ملازمت پسند نہیں تھی پھر بھی واربرٹن صاحب کا دل رکھنے کے لیے انھوں نے سارجنٹ بننا قبول کر لیا ۔ لیکن جلد ہی اس سے پیچھا چھڑا لیا ۔ اس کے بعد معاش کی تلاش میں کبھی لاہور ، کبھی پٹیالہ ، کبھی رام پور اور کبھی مالیرکوٹلہ پھرتے پھراتے رہے مگر نہ کہیں ڈھب کی ملازمت ملی ، نہ دل ہی لگا ۔ لاہور میں آپ چار سال نواب فتح علی خاں قزلباش کے معلم و اتالیق رہے ۔ پٹیالہ گئے تو وہاں کے وزیراعظم خلیفہ محمد حسین نے آپ کا کلام سن کر کہا کہ اس جنس کی قدر یہاں نہیں ہوگی ، بہتر یہ ہے آپ حیدرآباد دکن چلے جائیں ۔

ابھی آپ جانے یا نہ جانے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ کئی اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن سے اس تحریک کو تقویت پہنچی ۔ حضرت گرامی خود فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت تک میں پیروں فقیروں کا چنداں قائل نہ تھا بلکہ اولیاء اللہ کے مزارات سے فیض اور استمداد حاصل کرنے والوں کا بھی مضحکہ اڑایا کرتا تھا ، مگر اس پریشانی اور پراگندہ روزی کے عالم میں ایک رات حضرت گنج بخش رح کے مزار پر چلا گیا اور دیر تک وہاں بیٹھا دعا درود پڑھتا رہا ۔ رات کے دو بجے کے قریب مزار کے پائیں بیٹھ کر ایک منقبت کہی اور نماز فجر کے بعد واپس آیا ۔ اس منقبت کے چند بند یہ ہیں :

السلام اے راز دار نکتۂ تکمیل جود
السلام اے معنی آگاہِ رموز ہست و بود
السلام اے عاشق تسبیح خلاقِ وجود
حمد گویاں در قیام و در رکوع و در سجود

گنج بخشِ فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے کعبۂ امید دل ہا را خلیل
السلام اے عبد مقبولِ خداوند جلیل
رہ بمنزل کے تواں بردن گرامی بے دلیل
موسیٰ را خضر باید تشنۂ را سلسبیل

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یک نظر در کارِ ما اے سید عالی جناب
کشف محجوب است دل ہا را نگاہِ انتخاب
خفتہ در یک پیرہن نامت بنام بو تراب
وہ چہ خوش فرمود شاہنشاہ ہند آں آفتاب

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آسماں از آستانش قصہ با پروین بخواند
روضہ اش را عقل اول آسماں دین بخواند
بر دعاے مستجابش خود اثر آمین بخواند
من چہ خوانم مدحت پاکش معین الدین بخواند

گنج بخشِ فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت نے چند روز بعد خواب میں آ کر فرمایا کہ منقبت پسند ہے۔ حیدر آباد دکن چلے جاؤ، پذیرائی ہوگی۔ اس خواب کو گرامی نے مجذوب کی بڑ سمجھا، اور چنداں اہمیت نہ دی۔ پھر ایسا ہؤا کہ مولوی محبوب عالم کے پیسہ اخبار میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں نظموں کا ایک سلسلہ شروع ہؤا۔ گرامی سے اس میں حصہ لینے کی فرمائش ہوئی۔ آپ نے ایک منقبت لکھی جو پیسہ اخبار لاہور اور وکیل امرت سر میں شائع ہوئی۔ اس کی ایک نقل دیوان صاحب کے نام اجمیر شریف بھیجی گئی

اور دعا کی درخواست کی گئی - جب منقبت حضرت خواجۂ بزرگ میں گزرانی گئی تو دیگر قصائد نگار شعرائے ہند کے ناموں کے ساتھ گرامی کا نام بھی لکھ کر مٹی کے ایک برتن میں ڈال حضرت کے مزار کے اندر رکھ دیا گیا - صبح ایک نہایت صغیر سن بچے سے پرچیاں نکلوائی گئیں تو تین مرتبہ گرامی گرامی بر آمد ہؤا - اس شرف قبول کے بعد اس نظم کو وہاں بہت مقبولیت نصیب ہوئی - دیوان صاحب نے ایک طلائی تمغہ اور پٹکا ارسال فرمایا جس کے ساتھ یہ اشارہ بھی تھا کہ حیدر آباد دکن جانا مفید رہے گا - مگر گرامی کے پاس اتنا سرمایہ کہاں تھا کہ سفر کے مصارف برداشت کر سکتے - پر تول کر رہ گئے -

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ گرامی نے حیدر آباد دکن جانے کے لیے میجر سید حسن بلگرامی اور خلیفہ سید محمد حسین وزیر اعظم پٹیالہ کو وسیلہ بنایا - میجر صاحب ان دنوں امرت سر میں تھے - وہ حضور نظام کے اتالیق نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے چھوٹے بھائی تھے - نواب عماد الملک علماء اور ادباء کی سرپرستی کے لیے بہت مشہور تھے - مولوی سید احمد دھلوی فرہنگ آصفیہ والے ، مولانا شبلی نعمانی ، مولوی عبدالحلیم شرر ، نواب میرزا داغ دھلوی اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ انھی کے ذریعے وہاں پہنچے تھے - میجر سید حسن بلگرامی نے سفارشی خط لکھنے سے پیشتر مولوی محمد حسین آزاد سے دریافت کیا کہ گرامی کی نسبت ان کی رائے کیا ہے ؟ مولانا آزاد نے یکم ستمبر ۱۸۸۸ع کو اپنے مکتوب میں میجر سید حسن بلگرامی کو لکھا :

> ''گرامی کو میں خوب جانتا ہوں ، یونی ورسٹی پنجاب میں پڑھتا رہا ہے ، وہاں سے نکل کر بھی کئی سال مجھ سے ملتا رہا - بارہ برس کا مسلسل مشاق ہے اور جس رنگ میں وہ لکھتا ہے ، اس میں آج اول درجہ کا شاعر ہے - اس کی طبیعت خیال بند ہے - جلال اسیر ، قاسم مشہدی ، ظہوری وغیرہ ہند میں اسی طرز میں کہتے تھے - افسوس کہ سخن دان فارس مشتہر نہیں ہوا جو

میرے اس مختصر فقرے کا مفصل مزا آ جاتا ۔''[۱]

غرض سفر کی تیاری ہوتی رہی ، راستے کی رکاوٹیں ایک ایک کر کے دور ہوتی گئیں اور گرامی اللہ کا نام لے کر حیدر آباد دکن پہنچ گئے ۔

پٹیالہ کے وزیر اعظم خلیفہ محمد حسین نے بھی دکن کے ریزیڈنٹ کے ایک دوست سے تعارفی خط گرامی کو لکھوا دیا تھا ۔ اس کا بہت ہی اچھا اثر ہوا ، مہینوں کا سفر دنوں میں طے ہو گیا ۔ ریزیڈنٹ نے گرامی کی تکریم کی ، اور فوراً ہی ان کو میر محبوب علی خاں کے دربار میں پہنچا دیا ۔

دربار دکن میں باریابی

بہرحال جیسے ہی گرامی حیدر آباد پہنچے ، وہاں بظاہر ان کے اعزاز میں لیکن در پردہ امتحان کے لیے ایک مشاعرہ ترتیب دیا گیا ، جس میں دیگر شعراء کے ساتھ گرامی نے بھی ایک قصیدہ پڑھا ۔ سخن سنجوں نے متفقہ طور پر اس قصیدے کو بہترین قرار دیا ۔ گرامی امتحان میں پورے اترے ، چنانچہ آپ کو سید غلام حسنین قدر بلگرامی مرحوم کی جگہ شاعر خاص مقرر کر دیا گیا ۔ چند سال بعد ملک الشعراء کا خطاب بھی عطا کیا گیا ۔ ''گرامی بہ حضور آید'' (۱۳۰۷ھ) اسی موقع پر انھوں نے تاریخ کہی تھی ۔ داغ دھلوی بھی تقریباً اسی زمانے میں دکن پہنچے تھے اور انھوں نے یہ تاریخ کہی تھی ۔ ''یہ کہہ دو ملے داغ سلطان سے'' (۱۳۰۵ھ) ۔ مولانا گرامی صحیح معنی میں ''شاعر خاص'' تھے ۔ بلکہ فناق الشعر ہونے کے معاملہ میں تو اپنے پیش رو قدر بلگرامی سے بھی بہت بڑھے ہوئے تھے ۔ اُن کو قدر کی نسبت اپنے جوہر دکھانے کے بھی زیادہ مواقع ملے ، دونوں کے حالات زندگی میں بھی اکثر مماثلتیں پائی جاتی ہیں ۔

گرامی کا پیش رو

میر غلام حسنین قدر بلگرامی زیدی سید تھے ۔ ماہ جمادی الآخر ۱۲۴۹ھ

۱۔ مکتوبات آزاد ، مطبوعہ گیلانی پریس ، لاہور (۱۹۲۷ء) ، ص ۳۶ ۔

(۱۸۳۳ع) میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا شوق ادھر ادھر لیے لیے پھرا۔ مرزا فتح اللہ برق، امداد علی بحر، شیخ امان علی سحر اور میرزا غالب سے عروض اور دیگر علوم حاصل کیے۔ ایک رباعی میں اپنے چاروں استادوں کا ذکر کیا ہے:

سیکھے سحر و برق سے بندش کے بند
پھر غالب و بحر نے بتائے پیوند
مجھ سا بھی زمانے میں نہ ہوگا اے قدر
"بدنام کنندۂ نکو نامے چند"

جب ہر طرف ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد کہیں اور جگہ نہ ملی تو گرامی کی طرح سرکاری محکمۂ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔ پہلے ہردوئی میں مدرس رہے پھر وہاں سے تبدیل ہو کر کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی اور عربی کے اُستاد مقرر ہوئے، جہاں بقیہ عمر مدرسی اور عسرت میں گذار دی۔ ایک مرتبہ بطور تفنن صفیر بلگرامی سے کہا کہ میری قسمت میں صرف مدرسہ پڑھانا لکھا ہے۔ کیوں کہ "مدرس" اور "قدر" کے عدد برابر ہیں۔ ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۳ع) میں نظام دکن کلکتہ کی نمائش دیکھنے آئے تو نواب آغا مرزا سرور الملک بہادر کے ایما پر "قدر" نے ایک قصیدۂ غرا لکھ کر حضور میں گزرانا، جس پر نظام دکن انھیں اپنے ہمراہ حیدر آباد لے گئے۔ چار سو روپیہ ماہ ... ر ہوا۔ لیکن افسوس! "عید ہوئی ذوق ولے شام کو" یہ ... ی راس نہ آئی۔ حیدر آباد پہنچتے ہی سخت بیمار ہو گئے۔ ضیق ... ف معدہ کی پرانی شکایت عود کر آئی۔ جب طبیعت روبراہ نہ ہوئی تو اسی سال کے اواخر میں علاج کے لیے لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں پہنچے تو پہلو میں دنبل نکل آیا۔ اسی تکلیف میں بروز شنبہ ۱۴ ستمبر ۱۸۸۴ع (۲۳ ذی قعدہ ۱۳۰۱ھ) کی سہ پہر کو انتقال کر گئے۔ گرامی ہی کی طرح لاولد فوت ہوئے۔ حضور نظام کو وفات کی خبر ملی تو ریاست کی طرف سے ان کی بیوہ کا دو سو روپیہ ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

کلیات (مفید عام آگرہ ۱۳۰۸ھ) کے علاوہ ایک مثنوی قدر بھی ان کی

یادگار ہے ۔ قواعد العروض (۱۲۸۸ھ) سے علاوہ چند درسی رسالے اور بھی ہیں ۔ مثلاً شرح مجموعۂ سخن ، شرح قصائد عرفی ، نظم الارکان ، ابیات گلستان ، مصطلاحات اور عطر مجموعہ وغیرہ

حیدر آباد کا قیام

گرامی ۱۷ - ۱۹۱۶ء تک حیدر آباد میں رہے اور خوب ٹھاٹھ سے رہے ۔ انھوں نے وہیں کی طرز بود و ماند اختیار کر لی تھی ۔ وہ حیدر آبادی وضع کی شیروانی اور آڑا پاجامہ پہنتے ، سر پر ململ کی دس گز لمبی عنابی یا پیازی رنگ کی دستار باندھتے ، بھری بھری ڈاڑھی پر حنا لگاتے اور درمیان سے مانگ نکالتے ۔ ایک دفعہ ان کے عزیز شیخ سردار محمد نے لاہور سے لاہوری حنا بھیجی تو جواب میں تحریر فرمایا کہ ''لاہوری حنا پہنچی دم خریفی ریش گرامی کو نو عروس گرامی چند روز تک بنا دے گا ۔ امروزو فردا حجام کا منتظر ہوں ۔''

سید تمکین کاظمی کا بیان ہے کہ ''گرامی بازار عیسیٰ میاں اور پھر رام کوٹ ریزیڈنسی کے ان دو محلوں ہی میں رہے ۔ عیسیٰ میاں بازار کے جس مکان میں گرامی رہے تھے وہ تو سڑک میں آ گیا ہے مگر رام کوٹ کے جس مکان میں رہے تھے وہ اب تک موجود ہے ۔''[۲]

بخت کی رسائی

گرامی نے میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں دونوں کا زمانہ دیکھا اور ہر عہد میں محبوب و مقبول رہے ۔ کئی دفعہ انعام و اکرام بھی

۱۔ تذکرہ جلوہ خضر جلد دوم صفحہ ۲۲۶ - ۲۳۶ ؛ تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ہفتم صفحہ ۱۴۲ - ۱۴۳ ؛ مضمون مرتضیٰ حسین بلگرامی مطبوعہ رسالہ آج کل دہلی ۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء ، جلد ۲۲ ، نمبر ۳ ، صفحہ ۶ - ۱۴ ؛ تلامذۂ غالب از مالک رام صفحہ ۲۴۸ - ۲۵۰ ۔

۲۔ الحمرا لاہور مئی ۱۹۵۴ء ، صفحہ ۲۱۸ ۔

حاصل کیے ۔ ایک دفعہ حضور نظام نے سر دربار گرامی کو اپنا کلام سنانے کا حکم دیا ۔ مولانا نے سات شعر سنا کر تسلیمات پیش کیں ۔ دربار کا دستور یہی تھا کہ سات شعر سنا کر تسلیم کرو اور ہٹ جاؤ ۔ اگر حضور مزید فرمائش کریں تو اور سناؤ ورنہ نہیں ۔ نظام نے کہا: ''اور سناؤ'' گرامی نے سات شعر اور سنائے اور تسلیم کی ۔ حکم ہوا ''اور سناؤ''۔ اس پر مولانا نے ایک لمبا قصیدہ پڑھ کر ختم کیا اور تسلیم کی ۔ حضور نظام نے پھر بھی یہی فرمایا کہ ''اور سناؤ''۔ مولانا نے بے ساختہ پنجابی میں کہا:

''چھڈ یار ہن میں تھک گیاں''

نظام خدا جانے کچھ سمجھے یا نہیں لیکن مولانا کی جان چھوٹ گئی ۔ یہ گرامی کے بخت رسا کی دلیل ہے ۔

باجود اس منصب و اعزاز کے ان کا ہاتھ جیسے کھلنا چاہیے تھا ویسے نہ کھلا ۔ وہی تنگی ترشی رہی کیوں کہ جو کچھ انہیں ملتا تھا وہ وضع داری نبھانے میں صرف ہو جاتا تھا ۔ ایک قصیدے میں فرماتے ہیں:

شاعر خاص شہنشاہم و لیکن مفلسم
انہٗ حرفٌ غریبٌ انہٗ شئیٌ عجاب

ایک قطعہ میں اپنی تنگ دستی کی شکایت یوں کرتے ہیں:

اے شہنشاہ آفتاب ضمیر — چہ دہم شرح بے پر و بالی
طبع من پست شد چو ہمت من — از تہی دستی و کہن سالی
چہ تراود ز فکر من کہ مرا — کیسہ و کاسہ ہر دو شد خالی
شاعر شاہم و چنیں مفلس — نقل ہر محفلم ز نقالی
ہر کجا دیدہ ام فلک زدہ را — کار او شاعری و رمّالی

با گرامی دو کم دو صد بدہند
قدر را بودہ چار صد عالی

یعنی اے بادشاہ روشن ضمیر! میں اپنی بے پر و بالی کی کیفیت کیا بیان کروں ۔ میری ہمت کی طرح میری طبیعت بھی بڑھاپے اور تنگ دستی کی وجہ سے پست ہو گئی ہے ۔ فکر و ذہن سے بھلا کیا پیدا ہو جب کہ ''جیب خالی ہے تہی زر سے ہے داماں میرا''۔ میں بادشاہ کا شاعر خاص ہوں

مگر اتنا تہی مایہ کہ ہر محفل میں نکو بنتا ہوں ۔ جہاں کوئی قسمت کا مارا دیکھتا ہوں سمجھ لیتا ہوں کہ وہ شاعر ہے یا رمّال ۔ غضب تو یہ ہے کہ گرامی بے چارے کو دو سو سے بھی دو کم ملیں ، حالاں کہ قدر مرحوم کو چار سو روپے ملتے تھے ۔

شادی اور متاہل زندگی

گرامی جب پہلے پہل دکن پہنچے تو ان کی شادی نہیں ہوئی تھی ۔ ان کی والدہ وہاں جا کر مصر ہوئیں کہ گھر واپس چلو تاکہ شادی کا کوئی بندوبست کیا جائے ۔ گرامی کے پاس کچھ اندوختہ تو تھا نہیں کہ والدہ کی خواہش پوری کر سکتے ، اس لیے احباب نے مشورہ کرکے وزیر اعظم سے گرامی کی تنگ دستی کا ذکر کیا ۔ انھوں نے وعدہ فرمایا کہ موقع پا کر نظام سے انعام و اکرام دلوا دیں گے ۔ چناں چہ ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا اور مولانا گرامی سے کہا گیا کہ وہ صائب کی غزل پر جو اس نے مولانا جامی کی غزل کے جواب میں کہی ہے غزل کہہ کر لائیں ۔ گرامی نے اس زمین میں ایک مرصع غزل کہی ۔ جب مشاعرہ شروع ہوا تو وزیر اعظم نے اُستاد داغ سے کہا کہ وہ مولانا جامی کا شعر پڑھیں ۔ انھوں نے پڑھا :

صبح دم چوں رخ نمودی شد نماز من قضا
سجدہ کے باشد روا چوں آفتاب آید بروں

پھر گرامی سے فرمائش کی ۔ وہ یوں گویا ہوئے :

آں پری گر از چمن گرم عتاب آید بروں
بلبل از گل ، گل ز بو ، بو از گلاب آید بروں

جامی کا شعر تھا :

یار من گر نیم شب مست شراب آید بروں
زاہد صد سالہ از مسجد خراب آید بروں

اس شعر کے جواب میں گرامی نے یہ شعر پڑھا :

یار گر آید بروں نا خوردہ مے از مے کدہ
مہت از مستی و مستی از شراب آید بروں

اسی طرح پوری غزل کہی جس کے چند شعر یہ ہیں :

گنج ہا ، بے رنج ہا ناید بدست اے بوالہوس
نافہ خوں‌ہا می خورد تا مشکناب آید بروں

تو بچشم آمدی من گریہ سر کردم ، بلے
آفتاب آید بہ چشم از دیدہ آب آید بروں

اے گرامی در جواب صائب آتش بیاں
اینک از کلکم جواب لاجواب آید بروں

گر رسد آوازۂ این پارسی در ہند و پارس
خسرو از دہلی ظہیر از فاریاب آید بروں

مطلع اور مقطع پر بے حد داد ملی - نظام دکن نے گرامی کی قادر الکلامی اور بلند پروازی دیکھ کر دو سیر پختہ سونا سرکاری خزانے سے انعام دیے جانے کا حکم صادر فرمایا -

گرامی انعام حاصل کرکے اپنی والدہ کے ہمراہ جالندھر آئے اور شادی کا سلسلہ شروع ہوا - شادی ہوشیار پور کے شیخ قمر الدین کی دختر نوراں بھری سے ہوئی جو بعد میں اقبال بیگم کہلائی - اس شادی کے بعد گرامی نے بھی جالندھر کی بجائے ہوشیار پور ہی کو مستقر بنا لیا - خود کہتے ہیں :

''گرامی از شہر ہوشیار پور زن گرفت و بجای آں کہ زن را بہ شہر خود بیاورد خودش بہ شہرِ زن منتقل شد -''

(یعنی لوگ تو جورو بیاہ کر لاتے ہیں ، گرامی کو جورو بیاہ لے گئی) اقبال بیگم کا ساتھ آخری وقت تک رہا - شاعر کی صحبت میں رہ کر وہ بھی شاعرہ ہو گئی تھی ، ترک تخلص کرتی تھی ، اردو میں خوب شعر کہتی تھی - مؤلف ''سخنورانِ دکن[1]'' کا خیال ہے کہ انہیں ریاست کی طرف سے کچھ وظیفہ بھی ملتا تھا لیکن یہ غلط ہے -

گرامی کو اقبال بیگم سے محبت ہی نہیں ، عشق تھا لیکن اس سے کوئی

۱- سخنورانِ دکن از تسکین عابدی ، صفحہ ۲۱ -

اولاد نہ ہوئی ۔ یہ محرومی کبھی کبھی دل میں چٹکی لیتی تھی اور گرامی حسرت و یاس کے عالم میں فرماتے تھے کہ ''نخلِ بے ثمر ہوں ۔'' چنانچہ ''نالۂ گرامی در حسرتِ جوانی'' کے عنوان سے ایک مثنوی بھی کہہ ڈالی جو دیوانِ گرامی میں موجود ہے ۔ اس اولاد کی خاطر نور محل کی ایک خاتون سے نکاحِ ثانی بھی کر لیا ۔ مگر رخصتی سے پہلے ہی اقبال بیگم کے واویلا کرنے پر کہ اس بڑھوتی کے زمانے میں مجھ پر بلا قصور سوت لا بٹھاؤ گے اور علامہ اقبال کے سمجھانے پر کہ اولاد ہی سے نام نہیں رہتا ، آپ کا کلام مدت دراز تک آپ کو زندہ رکھے گا ، گرامی نے نصف مہر ادا کرکے اسے طلاق دے دی[1] ۔

دکن سے واپسی

گرامی ۱۷ - ۱۹۱۶ء میں دکن سے ذیابیطس کا مرض لے کر پنجاب آ گئے اور آخری دم تک بیماری سے جنگ کرتے رہے ۔ ہوشیار پور میں آپ نے ایک شاندار حویلی تعمیر کرائی جس کی پیشانی پر یہ سجع کندہ تھا :

''سر جلوۂ اقبال گرامی منزل''

ابھی یہ حویلی تعمیر ہو ہی رہی تھی کہ بیگم گرامی کی اپنے بھائی سے دیوار یا پرنالہ پر 'تو 'تو 'میں 'میں ہو گئی ۔ گرامی بہت برہم ہوئے ۔ فرمایا ۔ ہوشیار پور تو جہل خیز خطہ ہے ، اتنا عرصہ حیدر آباد میں رہے کبھی کسی سے تنازعہ نہ ہوا ۔ ایک بزرگ نے کہا : حیدر آباد میں دیواروں سے سر تھوڑا ہی پھوڑنا تھا ۔ یہاں تو اپنے عزیز و اقارب ہیں ، اپنا گوشت پوست ہیں ان سے تو ایسی باتیں ہوتی ہی رہیں گی ۔

گرامی اپنی عمرِ عزیز کا بیشتر حصہ ایسے ماحول میں گزار کر آئے تھے جو اُن کے لیے بالکل اجنبی تھا ، جہاں کے لوگ انہیں غیر ملکی

۱- سرگذشتِ سالک ، صفحہ ۸۰ - ۸۱ ؛ یارانِ کہن از عبدالمجید سالک ، صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹ ۔

سمجھتے تھے ، جہاں چار دیواری بھی اُن کی اپنی نہ تھی ، مگر وہاں انھیں ہر طرح کا آرام اور چین میسر تھا ، آسائش نصیب تھی ، عزت بنی ہوئی تھی ، ہم چشموں میں نظر نیچی نہ ہوتی تھی ، کوئی اُونچی نیچی کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا ۔ وہ جس کی سفارش کرتے تھے اس کا کام بن جاتا تھا ، جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا ۔ نہ زر زمین کے جھگڑے تھے نہ لین دین کے معاملے میں کوئی انھیں تنگ کرتا تھا ، مگر ہوشیار پور میں آ کر انھوں نے دیکھا کہ حالات اس سے بالکل مختلف ہیں ۔ اب یوں تو وہ اپنے وطن میں تھے جس کا سارے کا سارا ماحول ان کا جانا پہچانا تھا ۔ لوگ دور دور تک بھی اجنبی اور بیگانے نہ تھے ۔ قرب و جوار میں تو ان کے بھائی بند ہی رہتے تھے ۔ مگر یہاں اُن کی روح کو وہ آسودگی میسر نہ تھی جس کے وہ عادی ہو چکے تھے ۔ کبھی کوئی خانگی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا ، کبھی ذاتی نزاع اور معمولی سی بات پر اینٹ سے اینٹ کھڑک جاتی ۔ یہ باتیں خیالی دنیا میں بسنے والے شاعر کے لیے سخت اذیت کا باعث تھیں ۔ چنانچہ جب کوئی ایسا موقعہ پیش آتا تو وہ بے اختیار پکار اُٹھتے کہ پنجاب میں گرامی کی کوئی وقعت نہیں ۔ اس کا یہاں آنا حماقت کی دلیل ہے ۔

بزمِ گرامی

گرامی کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ہوشیار پور کے چند پڑھے لکھے نوجوانوں اور بامذاق لوگوں نے ''بزمِ گرامی'' کے نام سے ایک مجلسِ مشاعرہ قائم کی جس کی سرپرستی میں مشاعرے ہوتے تھے اور گرامی بھی اس میں اپنا کلام سناتے تھے ۔ ایک دفعہ مصرع طرح دیا گیا : ع

سخن عشق ہے ، مشکل بھی ہے ، آسان بھی ہے

مشاعرہ شیخ جان محمد رئیس کے مکان پر گرامی کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ بیگم گرامی نے بھی ایک غزل کہہ کر بھیجی جو مولوی عزیز الدین عظامی نے پڑھ کر سنائی ، خوب داد ملی ۔ چند شعر یہ ہیں :

عشق میں یاس بھی ہے یاس میں ارمان بھی ہے
عشق میں کفر بھی ہے کفر میں ایمان بھی ہے
کشمکش میں ہوں کہ وہ بھید کہوں یا نہ کہوں
فتویٰ عشق بھی ہے عقل کا فرمان بھی ہے
حال وارفتگیٔ قیس نہ پوچھ اے لیلےٰ
دامنِ دشت بھی ہے چاک گریبان بھی ہے
میرا ہادی میرا رہبر مرا مرشد مرا پیر
شیخ ہجویرؒ بھی اجمیرؒ بھی جیلانؒ بھی ہے
کیا دلآویز کہی ترکِ گرامی نے غزل
سخن عشق ہے مشکل بھی ہے آسان بھی ہے

یہ اشعار بھی اقبال بیگم ترک ہی کے ہیں:

دل کو رہتی ہے جستجو تیری
عشق تیرا ہے آرزو تیری
گرفتاری کا سودا عاشق دلگیر رکھتے ہیں
کہ گردن میں کمند اور پاؤں میں زنجیر رکھتے ہیں
ہے کیا حاجت بھلا کوس و علم کی ہم فقیروں کو
کہ ہم آہِ سحر اور نالۂ شب گیر رکھتے ہیں

گرامی کی وفات پر ترک نے مرثیہ بھی لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

کہے کوئی انا الحق ہم انا المحبوب کہتے ہیں
سر اپنا شور اپنا شوق اپنا مدعا اپنا

اقبال سے اخلاص و محبت

یقین کے ساتھ یہ بتانا مشکل ہے کہ علامہ اقبال کی ملاقات مولانا گرامی سے اول اول کب اور کیوں کر ہوئی۔ البتہ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے جلسوں میں باہم شناسائی ہوئی۔ اقبال کے ہاں پہلے پہل مولانا گرامی کا ذکر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی مرحوم کے

نام ایک خط میں یوں آیا ہے :

''مولانا گرامی میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں ، پوچھتے ہیں کس کو خط لکھ رہے ہو ، میں کہتا ہوں حبیب کو تو آپ فرماتے ہیں میرا بھی سلام لکھ دو ، آخر شاعر ہیں نا ۔''

افسوس کہ اس خط پر تاریخ درج نہیں لیکن خط کی عبارت اور مولانا شروانی کی ایک تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹۰۳ع میں منعقدہ اجلاس کے متعلق لکھا گیا تھا ، جس میں میر غلام بھیک نیرنگ اور چودھری خوشی محمد ناظر کے ساتھ مولانا گرامی بھی شریک ہوئے تھے ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی طبیعت اور مذاق سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے ۔

اس کے بعد مولانا گرامی کے نام اقبال کا ایک خط مارچ ۱۹۱۰ع کا لکھا ہوا یوں شروع ہوتا ہے ۔'' بابا گرامی ! سلام ''۔ آخر میں اپنے شوق دید کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے :

''آپ رخصت پر کب آتے ہیں ، پنجاب میں کئی لوگ چشم براہ ہیں اور بالخصوص اقبال ۔''

یوں تو گرامی دکن سے کئی بار پنجاب آئے اور علامہ اقبال سے ملے تھے مگر مارچ ۱۹۱۰ع میں جب اقبال حیدر آباد گئے تو یہ ربط ضبط اور بھی بڑھ گیا ۔ ہوشیار پور میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد تو جب بھی لاہور آتے ، اقبال کے سوا کسی اور کے ہاں قیام نہ کرتے ۔ فرمایا کرتے تھے کہ اقبال کے جذبۂ محبت ہی نے گرامی کو حیدر آباد سے کھینچا ہے ۔ ورنہ بہشت سے نکل کر دوزخ میں کون آتا ۔

اقبال کا خادم علی بخش بھی ہوشیار پور ہی کا رہنے والا تھا[1] ، اقبال کبھی کبھی اسے بھیج کر گرامی کو لاہور بلا لیتے اور دنوں نہیں بلکہ ہفتوں باصرار اپنے ہاں مہمان ٹھہراتے ، ان کی ناز برداریاں کرتے ، ان کے آرام و

۱- جنوری ۱۹۶۹ع کے پہلے ہفتے میں علی بخش کا انتقال ہو گیا ۔

آسائش کا ہر طرح خیال رکھتے ، وقت بے وقت جس چیز کی گرامی کو طلب ہوتی مہیا کرتے ۔ شب و روز ان سے علمی گفتگو ہوتی ، اشعار کی باریکیوں پر بحث کی جاتی ، اقبال ان کا کلام سن کر محظوظ ہوتے ، اپنا کلام سنا کر ان کی تنقیدوں سے فائدہ اٹھاتے ۔ بعض اوقات شعری اُلجھنیں پیش کر کے اشکال کے حل میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ۔ یہ سلسلہ آخر تک قائم رہا ۔ انہی صحبتوں کو یاد کر کے اقبال کہتے ہیں :

یاد ایامے کہ با او گفتگوہا داشتیم
اے خوشا حرفے کہ گوید آشنا با آشنای

ایک مرتبہ اقبال نے علی بخش کو ہوشیار پور بھیجا کہ مولانا گرامی کو لوا لائے ۔ علی بخش وہاں کئی روز رہا ۔ مولانا فرماتے آج چلتے ہیں کل چلتے میں ۔ آخر ایک دن رخت سفر باندھ ہی لیا ۔ سامان تانگے میں رکھوایا ، خود باہر آئے ، پھر اندر گئے ، بیگم سے باتیں کیں ۔ کچھ ضروری چیزیں لے کر ٹرنک میں ٹھونسیں ۔ پھر باہر نکلے ۔ گرمی کا موسم تھا دھوپ میں کھڑے کھڑے ٹانگے کی نشست تپ گئی تھی ۔ سوار ہوتے ہی نیچے اتر آئے اور سامان بھی اُتروا لیا ۔ علی بخش سے کہا ۔ "تم جاؤ ۔ ڈاکٹر صاحب سے کہہ دینا تانگہ گرم ہو گیا تھا ۔ اب سردیوں میں آئیں گے ۔"[۱]

لیکن جب ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچ جاتے تو پھر ہلنے کا نام بھی نہ لیتے ۔ بیگم بیماری کا بہانہ کر کے پیغام پر پیغام بھیجتیں ۔ لیکن یہاں کچھ اثر نہ ہوتا ۔ جانے کو تیار ہو جاتے تو ڈاکٹر صاحب فرماتے : "یوں تو آپ جس وقت چاہیں گے میں آپ کو بھجوا دوں گا ۔ لیکن ایک رباعی ذہن میں اڑ گئی ہے ۔ تین مصرعے ہو سکے ہیں ، چوتھا نہیں ہوتا ۔ ذرا غور تو کیجیے شاید چوتھا مصرع ہو جائے "۔ بس مولانا چوتھے مصرعے کی فکر میں مستغرق ہو جاتے اور بیگم کا خیال دھواں بن کر اُڑ جاتا ۔

مصرع نہ سوجھنے کا تو محض ایک بہانہ ہوتا تھا کہ کسی طرح

۱۔ اس قسم کے بے شمار لطیفے مولانا عبدالمجید سالک کی کتاب "یاران کہن" اور "سر گذشت سالک" میں موجود ہیں ۔

مولانا گرامی کچھ دیر کے لیے رُک جائیں اور ان کی صحبت سے اور زیادہ لطف اندوز ہونے کا موقع میسر آ جائے، لیکن بعض اوقات ہنسی ہنسی میں کوئی کام کی بات بھی ہو ہی جاتی تھی -

ایک مرتبہ اقبال نے یہ مصرع موزوں کیا :

کشتۂ انداز ملا جامیم

مولانا نے توجہ فرما کر دوسرا مصرع بہم پہنچا دیا :

نظم و نثر او علاج خامیم

اقبال کو گرامی سے بے حد عقیدت تھی - انھوں نے اپنے خلوص و محبت کا اظہار خان نیاز الدین خاں کے نام ایک خط میں یوں کیا ہے :

''اگر مولانا گرامی دسمبر میں لاہور آ جائیں تو میرے لیے لاہور کی سرد آب و ہوا میں تھوڑی سی حرارت پیدا ہو جائے - ان کی خاطر میں شملہ کی صحبت ترک کر دوں گا ''۔۲

ایک اور خط میں نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں (صفحہ ۳۰) :

''گرامی صاحب یہاں کئی روز رہے اور خوب شعر خوانی ہوتی رہی - مگر وہ کچھ بیمار ہو گئے ، جس میں اُن کے وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا - یہاں ڈاکٹر صاحب کو دکھلایا گیا - اگر وہ ٹھہرتے تو ان کا باقاعدہ علاج کرایا جاتا - جالندھر اور ہشیار پور کی نسبت تو ان کے قدردانوں کی تعداد لاہور میں زیادہ ہے پھر معلوم نہیں وہ کیوں جلد اداس ہو جاتے ہیں - کل ان کا خط آیا تھا ، جس میں انھوں نے ایک شعر نہایت مزے کا لکھا تھا - اس ضیافت روحانی میں آپ کو بھی شریک کرتا ہوں :

۱- اقبالیات کا تنقیدی جائزہ ص ۸۳ - ۸۴ -

۲- مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں ، صفحہ ۲۹ -

سبق از یک ورق لیلیٰ و مجنوں را چہ حال است ایں
یکے دیوانہ می گردد یکے فرزانہ می خیزد

اقبال نے اسی قسم کے جذبات کا اظہار اپنے کئی خطوں میں گرامی سے بھی کیا ہے، لیکن یہ محبت و عقیدت یک طرفہ نہ تھی۔ گرامی بھی اپنے ایک خط میں اقبال کے تکلفات کا ذکر کرتے ہوئے خان نیاز الدین خاں کو تحریر فرماتے ہیں:

"لاہور میں بیمار ہو گیا تھا۔ حضرت ڈاکٹر اقبال کے تکلفات کا درجہ افراط کو پہنچ گیا تھا۔ ناتوان سال خوردہ گرامی ان کی مہربانیوں کی تاب نہ لا سکا اور ہوشیار پور آ گیا۔"[1]

اسی طرح ایک خط میں اقبال کو لکھتے ہیں:

"الحمد للہ جوہر فرد (اقبال) کو آرام ہو گیا۔ گرامی عید پر لاہور آئے گا۔ اوروں کے واسطے ایک عید گرامی کے واسطے دو عیدیں ہیں۔ ایک عید شوال، ایک عید صحبت جوہر فعال۔"

ایک دفعہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے گرامی کو مجبور کر کے لاہور بلایا۔ جب گرامی کے نظم پڑھنے کا وقت آیا تو اقبال نے تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"اگر عرفی و نظیری کے بعد فارسی زبان کا کوئی شاعر ہے تو گرامی ہے۔ آج گرامی کو سن لو، کل فخر کرو گے کہ تم نے گرامی کو سنا اور دیکھا ہے"

مولانا گرامی نے "چیست اسلام" کے عنوان سے ایک مثنوی سنائی جس کے چند شعر یہ ہیں:

چیست اسلام شاہراہِ نجات نکتۂ امتیازِ موت و حیات
چیست اسلام رمز قلب سلیم اثرِ آں دعائے ابراہیم

۱۔ ہفت روزہ "لاہور"۔ ۹ مارچ ۱۹۶۴ع مکاتیب گرامی، صفحہ ۶۔

چیست اسلام فطرت ازلی نقش موج محیط لم یزلی
آں منزہ ز تہمت اب و جد خواندۂ لم یلد و لم یولد
گل توحید پاک بیں چیند چشم احول یکے دو می بیند
چہ مقلد چہ مقتدی چہ امام سفتہ گوش حمایت اسلام

جناب عبدالعزیز کمال صاحب اپنے مضمون ''اقبال اور بابا گرامی'' میں فرماتے ہیں:

''مولانا گرامی حضرت علامہ سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کے اقبال سے انتہائی بے تکلفانہ تعلقات اور غیر رسمی نوعیت کے روابط سے کم از کم اتنا تو ضرور واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں ہستیاں کس قسم کے مذاق اور طبائع کی مالک تھیں۔ ان مراسم سے صاف طور پر گرامی کی بزرگانہ شفقت ، آزادہ روی ، صوفی منشی اور جوہر شناسی کی خصوصیات عیاں ہوتی ہیں اور اقبال کی نیاز کیشی ، بزرگوں سے عقیدت ، ان کی بجا و بے جا دلداری اور دوستانہ تعلقات میں سلامت روی کی صفات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں بے تکلف دوست اپنی عمروں کے محسوس تفاوت کے باوجود جب کبھی آپس میں مل بیٹھتے تھے تو ایک دوسرے کو اپنی ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کے لیے بطور آئینہ استعمال کرتے تھے۔ دونوں ہی کو اس عمل سے فائدہ ہوا۔ ایک نے دوسرے کو ایک لحاظ سے متاثر کیا تو دوسرے نے پہلے کی دوسری سمت میں رہنمائی کی۔ اس اثر پذیری اور اثر اندازی کی مثالیں دونوں کے کلام میں موجود ہیں۔ اقبال چونکہ زیادہ ہمہ گیر و ہمہ دان واقع ہوئے تھے اس لیے وہ گرامی پر کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہوئے۔ گرامی کے تاثرات ان کے دیوان کی اکثر غزلوں

اور ان کی رباعیات میں دیکھے جا سکتے ہیں ۔"[1]

انجمن حمایت اسلام کے ایک اجلاس میں گرامی نے یہ رباعیاں پڑھیں جن سے اقبال کی عظمت ، خداداد قابلیت ، ہمہ گیر شہرت اور بے پناہ جذبۂ اخوت کی نسبت ان کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے :

حکمت آموزِ حال و استقبال — وہ چہ علامہ ایست سر اقبال
می دہد جلوہ حال را در قال — گوئٹے را جواب سر اقبال

الہام بود ہمہ کلام اقبال — شہباز معانی ست بدام اقبال
سر بر خط او نہد گرامی کہ قضا — زد سکۂ خسروی بنام اقبال

اقبال کہ نظم او ادب پیغام است — سر جلوۂ آغاز وفا انجام است
بر خیز کہ جلوہ ریز آن جوہر فرد — در انجمنِ حمایت اسلام است

دیوان گرامی اور رباعیات گرامی میں بھی جگہ جگہ اقبال کی تعریف میں اس قسم کے اشعار ملتے ہیں :

درس ماضی از کتاب حال گیر — ساغر از خمخانۂ اقبال گیر
حضرتِ اقبال آن بالغ نظر — دارد از بود و نبود ما خبر

در دیدہ معنی نگہاں حضرت اقبال — پیغمبریِ کرد و پیمبر نتواں گفت

ما بذوق سوختن کم ساختیم — بے خودی را از خودی نشناختیم
آن نوا پرداز اسرار ازل — شہسوار عرصۂ علم و عمل
بے خودی رادرخودی منزل شناس — در غبار کاروان محمل شناس
از نوایش بزم یورپ در خروش — حکمت امریکہ او را سفتہ گوش
نالہ ہائے آتشینِ آن حکیم — سوخت رخت فتنۂ امید و بیم

رموز بے خودی کے متعلق گرامی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے

۱- الحمرا لاہور ، نومبر ۱۹۵۱ع ، جلد ۱ ، نمبر ۳ ، صفحہ ۱۱۰ -

فرماتے ہیں :

در گلبن عقل گر نچیدیم گلے　　در گلشن دہر زندگانی مرگ است
واللہ رموز بے خودی فکر حکیم　　گر فہم نہ کرد نکتہ دانی مرگ است

گرامی نے جاوید اقبال کی پیدائش پر بھی چند رباعیاں کہی تھیں جو "رباعیات گرامی" میں موجود ہیں ۔ ان سے تعلقات کی خوشگواری کا پتہ چلتا ہے ۔

شکوہ و شکایت

لیکن ایک موقع ایسا بھی آیا جب اقبال کی تصانیف (اسرار و رموز) کی گونج یورپ میں پہنچی اور ڈاکٹر نکلسن نے اسرار خودی کا ترجمہ انگریزی میں کیا ۔ اس وقت اہل یورپ کو اقبال کے علم و فضل کی قدر معلوم ہوئی اور حکومت برطانیہ نے ان کی علمی بلند پائیگی کی بنا پر نائٹ ہڈ یعنی سر کا خطاب عطا کیا ۔ چونکہ یہ خطاب ایک ایسے شخص کو ملا تھا جِسے جاہ و خطاب کی مطلق ہوس نہ تھی بلکہ جو ہمیشہ آزادی و حریت کے نغمے گاتا اور تعلیم دیتا تھا ، پھر یہ اس زمانے میں ملا جب تحریک ترک موالات کمال عروج پر تھی ، اس وجہ سے بعض انتہا پسند اصلی حقیقت کو نظر انداز کرکے اخباروں میں اس قسم کی طبع آزمائیاں کرنے لگے :

لو مدرسۂ علم ہوا قصر حکومت
افسوس کہ علامہ سے سر ہو گئے اقبال
پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو تاج کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

پہلے تو گرامی نے بھی بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی :

کرد اقبال را حکومت سر　　عقل علامہ سوخت سوختہ بہ

لیکن بعد میں نواب سراج الدین خان سائل دہلوی کے توجہ

دلانے پر سنبھل گئے اور کہا : میری طرف سے اقبال کو لکھ دو :

ہر نکتۂ علامہ وفا آہنگ است ہر حرف کلید حکمت و فرہنگ است
اقبال سر اقبال شد از جوہر علم حاسد عو عو کند علاجش سنگ است

پھر خود بھی اقبال کو لکھا :

"اقبال کو سر کا خطاب ملا ایک جہان شور در سر ہے - بےمعنی شور ہے اس شور سے بوئے حسد آ رہی ہے - گویا آپ کے سر نے خیرہ سروں کو سر بہ زانو کر دیا - گرامی اقبال سے بھی زیادہ خوش ہے - مبارک باد عرض کرتا ہے -"

اقبال کو شاید گرامی کی پہلی بات پہنچ چکی اور ناگوار گزری تھی - انھوں نے پتا نہیں کیا جواب دیا ، مگر گرامی نے پھر لکھا :

"پیارے دوست ڈاکٹر اقبال ! آپ کا خط مجھے مل گیا - افسوس ! آپ نے گرامی کی مبارک باد اور عوام الناس کی مبارک باد کو خط وحدانی میں رکھ دیا - گرامی کو خط کی تحریر سے بوئے بیگانگی آ رہی ہے - گرامی کی مبارک باد عین اخلاص ہے :

مجہول بہ جہل پائے بند آمدہ است
علامہ ز علم سربلند آمدہ است
حاسد بوم است سخت منحوس بود
اقبال ہماست ارجمند آمدہ است

گرامی شمشیر برہنہ ایست در دست اقبال ، ہمانا خامہ در زبان گرامی ذوالفقار علی است کہ دشمن را سر قلم کرد -"[۱]

ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ جالندھر میں گرامی کا ایک جدی مکان تھا جس میں ان کی بہن رہتی تھی - وراثت کے معاملے میں ان سے اَن بَن ہو گئی تو گرامی نے ۱۹۱۷ء میں غالباً رواج کی آڑ لے کر ان پر بے دخلی

۱- شیرازہ - لاہور ۸ جون ۱۹۳۸ء -

کا دعویٰ کر دیا ۔ اس سلسلے میں اقبال سے بھی مشورہ طلب کیا ۔ انھوں نے پہلے تو واقعات مقدمہ دریافت کیے کہ مکان پر قبضہ کس کا چلا آتا ہے ، اور اگر یہ کبھی کرایہ پر دیا گیا تو کرایہ نامہ کس کے نام سے لکھا گیا ۔ یوں طریقے طریقے سے گرامی کو اس کارروائی سے باز رکھنے کی کوشش کی ۔ پھر جالندھر کے ایک بیرسٹر پنڈت کیول کرشن سے قانونی مشورہ طلب کرنے کی رائے دی ۔

پنڈت کیول کرشن اقبال کے دوست بھی تھے اور شاگرد بھی ۔ شعر کا ذوق بھی رکھتے تھے ۔ گرامی اس مقدمے کے سلسلے میں اقبال کی شہادت دلوانے کے لیے عدالت کے ذریعے انھیں جالندھر طلب کرنا چاہتے تھے ۔ اقبال فرقہ وارانہ کشیدگی کی وجہ سے لاہور میں بہت مصروف تھے ۔ انھوں نے کمیشن کے ذریعے اپنا بیان داخل کرنے کی تجویز پیش کی ۔ اسے گرامی نے پہلو تہی پر محمول کیا ، مگر اقبال نے انھیں یقین دلایا کہ انھیں گواہی دینے سے انکار نہیں ۔ آخر مقدمہ فریقین کے راضی نامہ پر ختم ہو گیا اور اقبال نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا :

> ”اب شکوہ شکایت کیا ہوگی ؟ آپ نے کام تو وہی کیا جس کے لیے میں ابتدا میں مصر تھا اور یہ اصرار فریق ثانی کی ہمدردی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی عزت و آبرو کے احساس کی وجہ سے ، مجھ سے صدہا لوگوں نے پوچھا اور اس مقدمہ بازی پر استعجاب کیا ۔ گرامی سے پنجاب کے لوگوں کو محبت ہے بلکہ بعض لوگ جن میں میں خود بھی شامل ہوں ، اس کو ولی مانتے ہیں ۔ پھر اس قسم کی مقدمہ بازی کو خلاف توقع جان کر ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ میری دلی کیفیت تو یہ ہے کہ ایسے معاملے میں روپیہ کا نقصان بھی کر جاؤں اور پروا نہ کروں . . . . . مقدمہ میں راضی نامہ ہو گیا تو بہن کے ساتھ صلح (یعنی حقیقی معنوں میں) بھی رکھیے ۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا ۔

ہمشیر دنیا میں ماں کی قائم مقام ہے۔"[1]

مرض الموت

گرامی کو ذیابیطس تو تھا ہی، آخری عمر میں پیشاب کی تکلیف بہت بڑھ گئی تھی۔ شعر کی طرف بھی طبیعت مائل نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ سرشادی لال کی چیف ججی کے زمانے میں جب سر عبدالقادر ہندو مسلم کشیدگی کا شکار ہو کر ہائی کورٹ کی ججی سے ہٹائے گئے تو گرامی نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہشتاد سالہ گرامی اب صرف ایک ہی مصرع کا شاعر رہ گیا ہے اور وہ مصرع یہ ہے:

"در عہدِ فرنگ چیف جسٹس بقال"

رباعیاں بھی زیادہ تر اسی دور میں کہیں۔ عالم بے خودی میں کبھی کبھی یہ شعر ورد زبان رہتے تھے:

اے گرامی بحیرتم چہ کسے | جادو انگیز آتشیں نفسے
نظم دلکش بخواں بہ طرز دگر | مولدِ تست شہر جالندھر

مرض الموت میں اقبال کو بہت یاد کرتے تھے۔ حفیظ ہوشیار پوری کا یہ شعر اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے:

صبا بہ حضرت اقبال ایں پیامم دہ | برفت جان گرامی و تو ہنوز خموش

وفات

آخر ۲۶ مئی کی رات گزار کر ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء کو بروز پنجشنبہ تین بجے صبح داعی اجل کو لبیک کہا اور ہوشیار پور کے قبرستان کندن شاہ بخاری میں دفن کیے گئے۔ یہ قبرستان شہر کے متصل اس سڑک کے کنارے واقع ہے، جس پر آٹھ میل آگے کوہ شوالک میں بمقام سیلزن حضرت شاہ نور جمال صاحب کا مزار ہے، جو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے خلیفۂ مجاز تھے۔ وفات سے کچھ روز پہلے انھوں نے ایک رباعی اور نعت

۱۔ اقبال کا خط گرامی کے نام۔ ۱۰ جون ۱۹۱۸ء

کے چند اشعار ایک پرزہ کاغذ پر لکھے اور وصیت کی کہ یہ دستاویز گرامی کی لحد میں رکھ دی جائے ۔ اس کی برکت سے ان کی مغفرت ہو جائے گی ۔ مگر یہ تحریر صندوقچی ہی میں بند پڑی رہ گئی اور لحد میں نہ رکھی جا سکی ۔ دفن کر چکنے کے بعد مسند کی صندوقچی سے یہ کاغذ برآمد ہوا تو وصیت پوری نہ کر سکنے کا سب کو افسوس ہوا ۔ مگر اس الجھن کو گرامی کی روح نے یوں حل کر دیا کہ دفن ہونے سے کم و بیش ایک ماہ بعد اپنی بیگم کے خواب میں آ کر فرمایا : ''بخشش کا فکر نہ کرو ۔ اب سردار سے کہو کہ یہ رباعی اور نعت دہلی سے کندہ کرا کے مزار کے لوح پر لگا دے ۔'' شیخ سردار محمد مولانا کے عزیز ہیں ۔ آج کل کراچی میں مقیم ہیں ۔ انھی کے ذریعے یہ مکاتیب یہاں تک پہنچے ہیں ۔ وہ ان دنوں مولانا کے انتقال کی خبر سن کر دہلی سے رخصت پر ہوشیار پور آئے ہوئے تھے ۔ انھوں نے مرحوم کے ارشاد کے مطابق یہ رباعی اور نعت سرخ پتھر پر کھدوا کر قبر کے سرہانے لگوا دی اور چبوترے کے گرد جنگلہ بنوا دیا ۔

رباعی

خاور دمد از شبم بایں تیرہ شبی　　کوثر چکد از لبم بایں تشنہ لبی
اے دوست ادب کہ در حریم دل ماست　　شہنشہ انبیاء رسول عربیؐ

نعت

بلا در ہر شکن پیچیدہ زلف نیم تابش را
اجل در یک گریبان ست چشم نیم خوابش را
شبے در خانۂ زیں آں امام انبیاء آمد
قضا گیرد عنانش را قدر گیرد رکابش را
قضا گیرد ، قدر گیرد ، ازل گیرد ، ابد گیرد
رکابش را ، عنانش را ، عنانش را ، رکابش را
سوار برق شد ماہے فلک آمد عناں گیرش
رکابش بوسہ بر پا زد ، ملک بوسد رکابش را

بگیرم دامن آن سید لولاک در محشر
کہ محشر بر نتابد تابِ حسن بے حجابش را
گرامی در قیامت آن نگاہ مغفرت خواہد
کہ در آغوش گیرد جرم ہائے بے حسابش را

اس طرح گرامی کی وصیت پوری ہو گئی ۔

مرثیے

گرامی نے اپنی زندگی میں اپنا مرثیہ بھی لکھا ، جس میں فلسفۂ موت و حیات اس طرح بیان کیا کہ پڑھنے والا اسے اپنے دل کی آواز سمجھتا ہے ۔ اس میں انھوں نے سامانِ عیش و نشاط کی ناپائداری واضح کی ہے اور انسان کو دنیا سے دل لگانے سے منع کیا ہے ۔ چند شعر یہ ہیں :

اے مرگ ہاں و ہاں ز گرامی چہ دیدہٖ
خط بر خط صحیفۂ عمرش کشیدہٖ
رفتی بہ خواب مرگ و بسر خاک می کنم
خواب تو خوش کہ ماتم یاران ندیدہٖ
اے آہ حلقہ حلقہ بر افلاک رفتہٖ
اے اشک دجلہ دجلہ ز مژگں چکیدہٖ
آمد شبے بہ خواب من آں شیخ نکتہ سنج
گفتم چہ فتنہ بود کہ از ما بریدہ
گفت اے ہوس فریب ، فریب طلسم دہر
دیدی ولے بدیدۂ عبرت ندیدہٖ

اقبال کو گرامی کی جدائی سے جو صدمہ ہوا ، اس کا اظہار انھوں نے پہلے تو اس انٹرویو میں کیا جو مولانا گرامی کے انتقال کی خبر سنتے ہی پنڈت ہری چند اختر نے لیا ۔ پنڈت جی اُن دنوں ماہنامہ مخزن لاہور کے نائب مدیر تھے ۔ انھوں نے علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہو کر چند سوالات کیے جن کے جواب میں حضرت علامہ نے گرامی کے اوصاف گنواتے ہوئے ان کی شخصیت ، شاعرانہ کمال اور ناقدانہ نظر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

"آج سے تقریباً بیس پچیس سال پیشتر میرے اور مولانا گرامی کے تعلقات کا آغاز ہوا - آپ اس وقت مستقل طور پر حیدر آباد میں رہتے تھے اور کبھی کبھی پنجاب آیا کرتے تھے - اس زمانے میں آپ زیادہ تر غزل ہی لکھا کرتے تھے لیکن میرا یہ خیال ہے کہ انہیں غزل اور مثنوی دونوں پر قدرت حاصل تھی - رباعی زیادہ تر انھوں نے آخری عمر میں لکھی - ایک مثنوی مولانا روم کی طرز پر لکھنی شروع کی تھی ، جس کا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے - دوسری مثنوی ملا غنیمت کنجاہی کی مثنوی کے انداز پر تھی لیکن دونوں غالباً ختم نہیں ہوئیں - آپ کا بیشتر کلام غزل پر مشتمل ہے - کئی سال ہوئے مولانا گرامی نے اپنے کلام کا ایک مجموعہ جو انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا مجھے دکھایا تھا - اس مجموعے کا حجم تقریباً تین سو صفحے کا ہوگا - یہ مجموعہ بیاض کی صورت میں تھا اور اس میں قریباً سب کی سب غزلیں موجود تھیں - مجھے معلوم نہیں یہ مجموعہ اب کہاں ہے ؟ غالباً محفوظ ہوگا -

میرے نزدیک اصناف سخن میں ان کو غزل کے ساتھ خاص شغف تھا - فارسی لٹریچر میں جو "تازہ گوئی" کا شوق اکبر کے عہد سے شروع ہوا تھا ، مولانا گرامی کو اس دور کا آخری شاعر سمجھنا چاہیے - ان کا کلام بہ حیثیت مجموعی بالخصوص غزل میں نظیری کے کلام سے ایک خاص نسبت رکھتا ہے -

شعر سے ان کی طبیعت کو فطری مناسبت تھی - اس فطری مناسبت کے ساتھ زندگی کے عام حالات نے ان کو "فنا فی الشعر" کر دیا تھا - گفتگو اور عام روش میں وہ نہایت سیدھے سادے آدمی تھے لیکن حقیقت میں نہایت

ذہین آدمی تھے اور شعر کے علاوہ زندگی کے دیگر امور میں عام طور پر دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

جدید فارسی زبان کا اثر ان کے کلام پر مطلق نہ تھا۔ وہ کلاسیکی فارسی ہی میں لکھتے تھے۔ فارسی زبان کے ساتھ ان کو ایک طبعی مناسبت تھی اور تراکیب وضع کرنے میں تو ان کا انداز مجتہدانہ تھا۔ جدید فارسی تراکیب اور الفاظ سے اجتناب بھی ان کے صحیح ذوق شعر کی ایک دلیل ہے۔

ان کے جذبات گہرے اور افکار بلند ہوتے تھے۔ وہ تقریباً ہر وقت فکر سخن میں مصروف رہتے تھے۔ بالخصوص رات کے وقت بہت کم کھاتے اور بہت کم سوتے تھے۔

ان کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حافظہ نہایت قوی تھا۔ فارسی کے ہزاروں اشعار ان کو از بر تھے۔ اپنا کلام بھی سارے کا سارا یاد تھا۔ میرا عقیدہ ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنے زمانے کے ایک بے نظیر آدمی تھے۔ سادگی، بے پروائی اور بلند پروازی کے ایسے مجموعہ کی مثال اس زمانے میں مشکل سے ملے گی۔

من جملہ دیگر خصوصیات کے ان کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اپنے کلام کو خود نہایت گہری ناقدانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ آخری عمر میں ان کی طبیعت طول نویسی کا بار برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اپنی عمر کے آخری دو تین برسوں میں انھوں نے رباعی کے سوا اور کچھ نہیں لکھا۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے، فارسی نثر میں انھوں نے کچھ نہیں لکھا، لیکن عام حالات سے اندازہ کر کے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر وہ فارسی نثر لکھتے تو نہایت

شگفتہ لکھتے ۔ ان کے اردو خطوط بھی جدت بیان سے خالی نہ ہوتے تھے ۔

وہ نہایت صلح کل تھے ۔ ان کے اخلاق وسیع تھے اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ وہ کسی کے کلام پر اس کے سامنے نکتہ چینی کریں ۔ وہ اعلیٰ درجہ کے شاعر ہونے کے علاوہ اعلیٰ پایہ کے نقاد شعر بھی تھے ۔ جب انھیں کوئی اچھا شعر سنایا جاتا تو ان کو معاً یاد ہو جاتا اور پھر کئی کئی دن تک اسے پڑھتے رہتے ۔

گرامی کو خان خاناں کے زمانے میں پیدا ہونا چاہیے تھا ۔ قدرت کی ستم ظریفی نے انھیں اس زمانے میں پیدا کر دیا ، مگر یہ بات باعث اطمینان ہے کہ میر محبوب علی خاں عرش آشیانی نے ایک ایسے زمانے میں ان کی قدر افزائی کی جب کہ فارسی شعر کا چراغ ہندوستان میں گل ہو چکا تھا ۔ پنجاب کی ادبی روایات جن کا سلسلہ مسعود سعد سلمان سے شروع ہوتا ہے ، اصل میں فارسی ہی سے وابستہ تھیں ۔ مولانا گرامی ان روایات کے بہترین حامل تھے ۔

گرامی کی بہترین یادگار ان کا کلام ہے ۔ ان کے احباب اور مداحین کو چاہیے کہ وہ ان کے کلام کو ان کے ورثا سے حاصل کر کے شائع کر دیں ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے کلام کا ایک حصہ وہ ضرور اپنے ساتھ ہی لے گئے ہیں'' [۱] ۔

اس کے بعد اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار میں اپنے دلی جذبات اور درد و غم کا اظہار کیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عظیم شاعر دوسرے بزرگ شاعر کو آنسوؤں کا خراج ادا کر رہا ہے :

۱۔ مخزن لاہور ۔ جون ۱۹۲۷ع ، ۲۹-۳۰ ۔

آہ ! مولانا گرامی از جہان بر بست رخت
آنکہ زد فکر بلندش آسمان را پشت پای
معنیٔ مستور او در لفظ رنگینش نگر
مثل حوری بے حجاب اندر بہشت دلکشای
از نوای جان فزای اُو عجم را زندگی
جام جمشید از شراب ناب او گیتی نمای
یاد ایامے کہ با او گفتگو ہا داشتیم
اے خوشا حرفے کہ گوید آشنا با آشنای
بر مزارش پست ترکن۔ پردہ ہای ساز را
تا نہ گردد خواب او آشفتہ از شور نوای

ابھی اقبال کی یہ نظم شائع نہیں ہوئی تھی کہ گرامی کے عقیدت مندوں میں سے چند نوجوانوں نے گرامی کے مزار پر قوالی اور مشاعرہ کرانے کا منصوبہ بنایا ۔ بعض سنجیدہ طبائع نے اس کی مخالفت کی ۔ لیکن ابھی وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کہ یہ نظم اخبار میں چھپ کر ہوشیار پور پہنچ گئی ۔ اس نظم کے آخری شعر :

بر مزارش پست ترکن پردہ ہای ساز را
تا نہ گردد خواب او آشفتہ از شور نوای

کو انتباہ غیبی سمجھا گیا اور مزار پر قوالی اور مشاعرہ کرانے کا خیال ترک کر دیا گیا ۔

مولانا گرامی کے شاگرد رشید اور جانشین مولوی عزیزالدین عظامی نے تاریخ وفات یوں کہی :

صبوحی بر کف آمد ساقیٔ موت ۔۔۔ بامیدے گرامی در پذیرد
گرامی بے خود افتاد و عظامی ۔۔۔ بگفتا "غالب پنجاب میرد"
۱۳۴۵ھ

اور بھی کئی شاعروں نے تاریخیں کہیں لیکن حفیظ ہوشیار پوری کے بڑے بھائی مولوی عبدالرشید راحل مرحوم کے یہ قطعات تاریخ بہت ہی مقبول ہوئے :

گرامی کہ در آخر عمر زیست — بہ خاک طربناک ہوشیار پور
بہ خاک شد منزلش بعد مرگ — بجو سالش از "خاک ہشیار پور"
۱۳۴۵ھ

دیگر

رفت مولانا گرامی از جہاں — گرمئی بزم سخن باقی نماند
راحل مغموم سالش گفت "ہای — آن قدح بشکست و آں ساقی نماند"
۱۳۳۴ فصلی

راحل مرحوم ہی کی کہی ہوئی مندرجہ ذیل تاریخ گرامی کے لوحِ مزار پر کندہ کی گئی:

"مزارِ حضرتِ گرامی"
۱۹۲۷ع

مولانا ظفر علی خاں بھی گرامی کی رحلت پر خاموش نہ رہ سکے۔ انہوں نے فرمایا:

تازہ تھا ابھی دل میں غم شرر کی رحلت کا
اب خبر یہ آئی ہے چل بسے گرامی بھی

شستہ تھی زباں اس کی پختہ تھا کلام اس کا
تم دکھا نہیں سکتے اس میں ایک خامی بھی

مہر کی تجلی تھی ہر غزل کے مقطع میں
ماہ کی تمامی تھی جس کی ناتمامی بھی

نغمہ گرچہ ہندی تھا لَے مگر تھی شیرازی
سنتے اور سر دھنتے طالب و امامی بھی

گنجِ شائیگاں پاتا اس کے گنجِ معنی کو
خاکِ گنجہ لے آتا اٹھ کے گر نظامی بھی

جانشیں کوئی اس کا اب نظر نہیں آتا
کرتے ہیں اسے محسوس میرے جیسے عامی بھی

تلامذہ

مولانا گرامی کے تلامذہ میں ابوالاثر حفیظ جالندھری اور مولوی عزیزالدین احمد عظامی بہت مشہور ہیں ۔ اول الذکر اردو کے شاعر ہیں اور ثانی الذکر فارسی کے شاعر تھے ۔ عظامی نے مسلسل دس بارہ سال اپنے استادِ مکرم کی خدمت کی اور خوب فیض پایا ۔ گرامی نے انھیں اپنا جانشین نامزد کیا :

ستارہ سفتہ گوش و چرخ پا بوسِ زمیں آمد
تعالی اللہ گرامی را عظامی جانشین آمد

حضرت عظامی تاریخ گوئی میں بہت ماہر تھے ، ان کا کلام بیاض کی صورت ہی میں ہے ۔ فرماتے ہیں :

سوگند با استاذی آقای گرامی — گر کذب بود عفو خدا یار نباشد
در عرصہ محشر نہ ستانند بہ یک جو — آں دل کہ درو احمدِ مختار نباشد

عظامی نے ۱۹۵۷ع میں بمقام ساہیوال (منٹگمری) انتقال فرمایا ۔ حفیظ ہوشیار پوری نے تاریخ کہی :

"عزیز الدین عظامی از جہاں رفت"

بعضوں[1] نے علامہ اقبال اور مولانا عبدالمجید سالک کو بھی گرامی کا شاگرد قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ۔ مولانا سالک تو رسا رام پوری کے شاگرد تھے اور جہاں تک علامہ اقبال کا تعلق ہے ، ۱۹۲۵ع میں رسالہ شمع آگرہ کے ایڈیٹر حسن عابد جعفری صاحب نے مولانا گرامی کی ایک فارسی غزل پر تعارفی نوٹ میں لکھا تھا کہ علامہ اقبال کو گرامی سے نسبتِ تلمذ حاصل ہے ۔ اس پر علامہ مرحوم نے اسی وقت ایڈیٹر کو خط لکھا کہ وہ گرامی کے شاگرد نہیں ۔ یہ خط بھی "شمع" میں شائع ہوا اور غلط فہمی کے تمام امکانات رفع ہو گئے ۔ اقبال اور گرامی کے تعلقات محض دوستانہ تھے ، استادی شاگردی کے نہ تھے ۔

۱۔ شعرائے پنجاب از نسیم رضوانی ، صفحہ ۳۱ ۔

شخصیت و کردار

گرامی شگفتہ مزاج تھے ، شعر و شاعری کے سوا دوسرے کسی کام کے نہ تھے - یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا - عزیز ملک صاحب لکھتے ہیں :

''گرامی ہر ہمیشہ استغراق کی سی کیفیت طاری رہتی تھی جیسے نشے میں ہوں - بجھے ہوئے حقے کی نے منہ سے لگی رہتی اور دماغ فکرِ سخن میں غلطاں - عقیدت مند شاگرد اور احباب میں بیٹھے ہوتے لیکن مولانا کو سوا ماسوا کی مطلق خبر نہ ہوتی - ایسے میں کوئی مخاطب کر لیتا تو عالم بالا سے یوں پلٹتے جیسے خواب گراں سے چونکے ہیں - ایک دن ایسے عالم میں کسی نے پوچھا کہ فلاں شخص کے متعلق کیا خیال ہے؟ فرمایا : خوب آدمی ہے ، اسلام کی خدمت کا حق ادا کر رہا ہے ، بلکہ مامور من اللہ معلوم ہوتا ہے - سائل پھر کہتا : لیکن مولانا ! آپ کو علم نہیں اس نے مہدویت کا دعوی کر دیا ہے - یہ سن کر فوراً فرما دیا - چھوڑو جی ! اس مردود کے ذکر کو ، وہ کوئی بدبخت ازلی معلوم ہوتا ہے -''[1]

ابوالاثر حفیظ جالندھری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں لاکھوں نہیں تو ہزاروں شاعر دیکھے اور سینکڑوں سے ملاقات بھی کی لیکن شعر میں انہماک جیسا گرامی میں دیکھا ، دوسرے کسی شاعر میں نظر نہیں آیا :

''فنا فی اللہ لوگ شاید بہت ہوں لیکن فنا فی الشعر جسے کہنا چاہیے وہ میری دانست میں گرامی ہی تھے - خلوت ہو یا جلوت ، بیٹھتے اُٹھتے وہ کسی مصرع کی دھن میں رہتے تھے - بظاہر وہ اپنے ملاقاتیوں کی باتوں کا جواب دیے جا رہے ہیں لیکن گم ہیں کسی مصرع کے جوڑ

۱- نقوش شخصیات نمبر ، ص ٦١ -

توڑ میں - اکثر گلے ہی گلے میں گنگناتے رہتے اور الفاظ کو ادھر سے ادھر اُٹھاتے بٹھاتے اور جماتے چلے جاتے اور جب شعر ہو جاتا تو ان کی آنکھیں روشن ہو جاتیں پر وہ اس شعر کو اپنے نزدیک بیٹھنے والے کو سنانے سے باز نہ رہتے تھے ، لیکن عجیب بات جو اُن میں موجود تھی وہ شعر سنا کر داد طلب نہ ہوتے تھے - شعر سنانے کے ساتھ ہی پھر کسی لفظ یا مصرع میں گم ہو جاتے اور واہ وا کہنے والا سر دھنتا رہتا اور انھیں خبر بھی نہ ہوتی -"[1]

حافظے کے کرشمے

گرامی کا حافظہ بلا کا تھا - جو کتاب ایک دفعہ پڑھ لیتے ، حفظ ہو جاتی - ایک دفعہ اپنے حافظہ کے بارے میں فرمایا کہ جب میں حیدر آباد میں تھا تو نظام دکن نے رقعاتِ عالمگیری سے کوئی رقعہ سننے کی خواہش ظاہر کی - میں نے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت کو جونسا رقعہ مطلوب ہو عرض کیا جا سکتا ہے - چنانچہ وہ رقعہ میں نے لفظ بہ لفظ زبانی سنا دیا ، نظام بہت خوش ہوئے -

ایک دفعہ گرامی کو سن گن پہنچی کہ استاد داغ نے معاصرانہ چشمک کی بنا پر میر محبوب علی خاں کے کان بھرے ہیں کہ گرامی کو تو شعرائے سلف کا کلام ازبر ہے اور وہ اسی کو توڑ جوڑ کر سنا دیا کرتے ہیں - دوسرے موقع پر جب مشاعرہ ہوا تو گرامی نے استاد داغ کی شان میں چند شعر کہہ کر سنائے اور پوچھا - بتائیے اُستاد ! یہ کس قدیم شاعر کے شعر ہیں ؟ اس پر داغ کچھ خفیف سے ہوئے - یہ اشعار دیوان گرامی میں موجودہ ہیں -

اس میں شک نہیں کہ گرامی کو اساتذۂ قدیم کے ہزاروں شعر زبانی یاد

۱- مخزن گرامی نمبر - اگست ۱۹۲۷ع -

تھے ۔ جہاں کسی نے ایک مصرع پڑھا ، انھوں نے پوری غزل سنا دی ۔ اس واقعہ کا ذکر شاید دل چسپی سے خالی نہ ہو ۔ اسد ملتانی مرحوم علامہ اقبال سے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے گرامی کی نسبت کہتے ہیں :

”. . . فارسی زبان کے سلسلے میں مولانا گرامی کا ذکر آ گیا ۔ ان کے غیر معمولی حافظے کی تعریف کرتے ہوئے بتایا کہ کسی کو اشعار ، غزلیں یا نظمیں یاد ہوں گی مگر مولانا کو مثنویاں تک مسلسل یاد ہیں ۔ وہ اس وقت اسی کمرے کے ایک گوشے میں پلنگ پر دراز تھے ۔ فرمایا ، لیجیے ، ابھی ان کے حافظہ کا کرشمہ دیکھیے ۔ یہ کہہ کر مولانا کو آواز دی ، وہ اٹھ بیٹھے ۔ کہا کہ مولانا ! حضرت نظامی نے وہ کیا فرمایا ہے :

”ز گردِ بیاباں بیابان گرد“

بس اس مصرع کا سننا تھا کہ مولانا گرامی دونوں ہاتھوں کی شہادت کی انگلیاں اٹھا کر جھومنے لگے اور کہنے لگے ۔ اللہ اللہ ! اللہ اللہ ! اس کے بعد ایک دو بار اس مصرع کو دہرایا اور پھر وہیں سے مثنوی شروع کر دی ۔ مزے لے لے کر شعر پڑھتے گئے ۔ میں نے مولانا گرامی کو پہلی اور آخری بار جبھی دیکھا ۔ ان کا منڈا ہوا سر ، اٹھی ہوئی انگلیاں ، نیم وجد کا عالم ، جھوم جھوم کر زور دار اور پُرجذبات آواز کے ساتھ شعر پڑھنا ، یہ تمام منظر اب تک میرے تصور پر نقش ہے ۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا لیکن آخر حضرت علامہ نے نہایت حسنِ اسلوب سے موضوع بدل کر گفتگو کا رخ کسی اور طرف پھیر دیا ۔“[1]

۱۔ اقبال نامہ ۔ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ، جلد ۱ ، صفحہ ۳۴۳ - ۳۴۴ ۔

مذہب اور عقیدہ

مولانا گرامی سیدھے سادے حنفی عقیدہ کے مسلمان تھے ۔ اسلامی تعلیمات کی ان پر گہری چھاپ تھی ۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کی محبت میں سرشار تھے ۔ اولیاے کبار اور بزرگانِ دین سے بھی گہری عقیدت رکھتے تھے ۔ ان کی شان میں انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے دیوان اور مجموعۂ رباعیات میں موجود ہے ۔

شعر العجم فی الہند کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ''گرامی مذہباً شیعہ تھے مگر تصوف کی طرف مائل ۔ حضرت علی کو ربوبیت کا درجہ دیتے تھے ۔''[۱] اس کے ثبوت میں فاضل مؤلف نے گرامی کا وہ کلام پیش کیا ہے جس میں حضرت علی کی شان بیان کی گئی ہے مگر یہ سراسر غلط ہے ۔ حضرت علی کی تعریف کسی کے شیعہ ہونے کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اکثر متصوفین خاص طور پر اور اہل سنت والجماعت عام طور پر حضرت علی کی تعریف میں غلو سے کام لیتے رہے ہیں ۔ لاہور کے حکیم محمد موسیٰ صاحب نے گرامی کے ممدوح حضرت میاں علی محمد صاحب سے اس امر کی تصدیق چاہی تو انہوں نے پاک پٹن سے جواب میں فرمایا :

''یہ محض غلط بیانی اور الزام تراشی ہے ۔''[۲]

ہوشیار پور میں گرامی قریباً روزانہ ہی حضرت میاں صاحبؒ کے پاس جایا کرتے اور ان سے زیادہ تر مذہب اور تصوف ہی کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے ۔ وہ شعر العجم فی الہند کے مصنف سے زیادہ ثقہ بزرگ ہیں ۔ پھر جو شخص شیخین کی مدح میں اس قسم کے شعر کہتا ہے وہ شیعہ کیونکر ہو سکتا ہے :

گرامی بلبلِ باغِ بہارم   نوا سنجِ مدیحِ چار یارم
محیطِ یک دلی را چار گوہر   ابوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و حیدرؓ

۱- شعر العجم فی الہند - مؤلفہ شیخ اکرام الحق ، صفحہ ۳۶۴ -

۲- ماہنامہ عارف ، لاہور مارچ ۱۹۶۲ء ، صفحہ ۳۴ -

تا لوائے دولتِ اسلام بر عیوق بود
صدق از صدیق بود و عدل از فاروق بود
گوہر علم و عمل آن مجمعِ بحرین داشت
جوہرِ حلم و حیا واللہ ذی النورین داشت

کلام کی جمع و ترتیب

گرامی فارسی کے مسلم الثبوت اُستاد تھے ، اُردو کے ایک آدھ شعر کے سوا جو کچھ کہا فارسی میں کہا ۔ اپنے کلام کی جمع و ترتیب کی طرف سے بالکل بے پروا تھے ۔ زبانی بہت کچھ یاد تھا ۔ بیاض میں کبھی پوری طرح محفوظ نہ رکھا ۔ حیدر آباد میں کہا ہوا اکثر کلام ضائع ہو گیا ۔ ہوشیارپور کی مجالس میں وقتاً فوقتاً جو کچھ سنایا وہ بچ گیا ۔ ان کی وفات کے بعد مولوی عزیزالدین عظامی اور حضرت میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین بسی نو (ہوشیار پور) نے کوشش کرکے دیوانِ گرامی اور رباعیات گرامی دو مجموعے چھپوا دیے ۔ یہ دونوں مجموعے منشی عبدالمجید پروین رقم مرحوم کے حسنِ کتابت کا نمونہ ہیں ۔

دیوان میں حمد ، نعت ، غزلیات اور قصائد و قطعات کے علاوہ ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے ۔ مولانا روم کے تتبع میں ایک مثنوی شروع کی ، مگر بھاری پتھر سمجھ کر چوم کے چھوڑ دی ۔ غنیمت کنجاہی کی مثنوی ''نیرنگِ عشق'' کے جواب میں ''خراباتِ جنوں'' بھی لکھنے کی کوشش کی مگر مکمل نہ ہو سکی ۔ ابتدائی دو شعر یہ ہیں :

نمی دانم خزانم یا بہارم — خراباتِ جنوں را پیر کارم
بہ انگیزم قیامت ہا بہ آہے — ز حیرت غازہ بندم بر نگاہے

حسن آباد پنجاب کے بارے میں فرماتے ہیں :

من و دل گرمئی آہ جگر تاب — من و سر جوشِ حسن آباد پنجاب
برآمد حرف پنجاب از زبانم — زباں شد موجِ کوثر در دہانم
نظر ہا گرم رقصِ بسمل ایں جا — نیاز ایں جا و ناز ایں جا دل این جا
نگاہ و جلوہ باہم عشقبازند — نیاز و ناز در ناز و نیازند

بتاں در جلوہ عاشق در نظارہ   کمند افگند ذرّہ بر ستارہ
فریب جلوۂ زد راہ ہوشم
ز خود رم کرد عقلِ خود فروشم

یہ مثنوی اگر مکمل ہو جاتی تو خوب چیز ہوتی۔

راہ فردا

گرامی نے جو منقبت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی شان میں کہی تھی اور جس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی تھی:

راہ فردا می زند امروزِ من از ادائے من
غوطہ در گردابِ امروزم خورد فردائے من

اس کے عرفان شعری کے لیے ایک شرح بلیغ کی ضرورت تھی۔ حضرت میاں علی محمد شاہ صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت میاں محمد شاہ صاحب ہوشیار پوری نے یہ ضرورت بدرجہ اَتم پوری کر دی۔ آپ نے اس منقبت کی شرح فارسی نثر میں ''راہ فردا'' کے نام سے کی اور اپنے ملکۂ عرفانی سے مقامات تصوف پر گفتگو فرما کر اس نظم کو نہ صرف چار چاند لگائے بلکہ غیرفانی بنا دیا۔ وہ شرح مولانا گرامی نے اپنے اردو مقدمے کے ساتھ امرتسر سے چھپوائی۔ چونکہ گرامی کی اُردو تحریریں بہت کم ملتی ہیں، اس لیے یہ مقدمہ یادگار کے طور پر ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''شعرائے ہند نے حضرت قطب الاقطاب سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے قصائد لکھے۔ گرامی نے بھی چند شعر لکھے۔ گرامی کو درجۂ اول تمغہ ملا۔ گویا یہ منقبت حضرت ہندالولی کے مقبول ہو گئی۔ اس قصیدہ کی شرح حضرت سرخیل عارفاں میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین ہوشیار پور نے لکھی۔ سبحان اللہ! بہت اعلیٰ درجہ کی شرح لکھی ہے۔ حضرت میاں علی محمد صاحبِ علم لدنی ہیں۔ لاجواب شرح ہے، میں اس شرح کو چھاپ لیتا ہوں۔

میرے لائق دوست واجب التعظیم دوست عبداللہ منہاس امرتسری اس شرح کو طبع کرتے ہیں -

حضرت میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین کی نسبت گرامی نے کچھ لکھا ہوا ہے ، وہ بھی لکھتا ہوں :

محرمِ نکتۂ خفی و جلی . جانشینِ محمد است علی

قدوۃ السالکین ، زبدۃ الواصلین حضرت میاں محمد شاہ صاحب[1] ہوشیار پور کے خضر راہ تھے - ان کے نواسے حضرت میاں علی محمد صاحب ہیں - اس شعر کے مصداق ہیں :

با تو باشم درست شش دانگم
بے تو باشم ز آسیا بانگم
تو مرا دل دہ و دلیری بیں
روبۂ خویش خواں و شیری بیں

حضرت میاں علی محمد انسان کامل[2] ہیں - ہوشیار پور کے ضلع میں ان کا فیض عام ہے - عام و خاص ان کے خوانِ معانی سے چاشنی گیر ہیں - ہفتاد سالہ گرامی نے

۱- حضرت میاں محمد شاہ چشتی المتوفی ۱۳۳۲ھ کا مزار ہوشیار پور کے متصل بسی نو میں واقع ہے - ان کی سوانح عمری "یاد پیر" کے نام سے میاں محمد عمر خاں نے لکھی ہے ، اس میں مولانا گرامی کی یہ رباعی بھی درج ہے :

دادند باوج عرش معنی راہم کز حلقہ بگوشان محمد شاہم
من ذرہ ام آفتاب در آغوشم بالغ نظرم با خبرم آگاہم

۲- انسان کامل ایک صوفیانہ اصطلاح ہے - وجود کے تمام مراتب میں انسان اکمل ہے لیکن جملہ افراد انسانی میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے اکمل ، ارفع اور حق تعالیٰ کے مظہر اتم ہونے کے باعث انسان کامل سمجھے جاتے ہیں - دوسروں کو یہ مرتبہ آپ کی برکت ، پیروی و متابعت اور آپ کی محبت سے حاصل ہوتا ہے ، وہ بھی ظلی طور پر -

ایسے سجادہ نشین مستجاب الدعوات کوئی نہیں دیکھے :

مفتاح خزینہ ہائے سرمد اینست
سجادہ نشین علی محمد اینست
در حلقۂ اولیاء کہ سلک گہر است
در مرتبہ الماس و زبرجد اینست

گرامی

''راہ فردا'' کا دوسرا ایڈیشن باہتمام اشتیاق احمد چشتی دہلوی ، دلی پرنٹنگ ورکس فائن آرٹ لیتھو برانچ دریا گنج میں طبع ہوا ۔ اس ایڈیشن میں مولانا گرامی کے دیباچے کی جگہ حضرت خواجہ علی محمد شاہ چشتی نظامی قادری کا اپنا دیباچہ شامل ہے ، جو حسب ذیل ہے :

''بندۂ ذلیل امیدوار لطف رب جلیل کمترین غلامان حضرت خواجہ محمد شاہ صاحب رح چشتی نظامی فخری ہوشیار پوری عاملہ اللہ بفضلہ الوفی کہتا ہے کہ میرے محترم ملک الشعرا شیخ غلام قادر صاحب گرامی نے ان چند اشعار کی شرح لکھنے کے لیے اس خاکسار کو فرمایا ۔ پس باوجود کم بضاعتی اور بے علمی حق صحبت کو ملحوظ رکھ کر جو کچھ ذہن ناقص میں آیا ٹوٹی پھوٹی عبارت میں ادا کر دیا ۔

چونکہ محب ممدوح فارسی زبان سے ایک خاص ذوق رکھتے ہیں ، لہٰذا پاس خاطر آں مہربان ہر شعر کے تحت اس کی شرح بزبان فارسی بغیر لحاظ التزام ترجمہ تحت اللفظ لکھ دی گئی اور جو کچھ چند ابتدائی اشعار کا مضمون اول ادا کردہ معانی سے جداگانہ بوقت نظر ثانی سمجھ میں آیا وہ بھی بطور حاشیہ چسپاں کر دیا گیا ۔''

سنہ طباعت نہ پہلے ایڈیشن پر درج تھا نہ اب دوسرے ایڈیشن پر ہے ۔ اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ پہلا ایڈیشن کب شائع ہوا اور دوسرا کب ۔ البتہ دوسرے ایڈیشن کے آخر میں ''شرف نظر'' کے عنوان سے دو

صفحے جناب خلیقی دہلوی کے لکھے ہوئے ہیں اور پوری کتاب میں کہیں کہیں میاں علی محمد شاہ صاحب کے استاد مولوی محمد مرید احمد صاحب کے مفید حواشی بھی ہیں جو رہروانِ منازل سلوک کے لیے معین راہ ہیں ۔

حضرت میاں علی محمد شاہ صاحب مدظلہ آج کل پاک پٹن میں مقیم ہیں اور بدستور خلق خدا کی اصلاح و ہدایت فرما رہے ہیں ۔ وہ عالم باعمل ، عارف کامل ، سالک بے بدل اور سیاھم فی وجوھھم من اثر السجود کی زندہ تصویر ہیں ۔ گرامی کے کلام کے بارے میں ان کی رائے یہ ہے کہ
''یہ وہبی اور ذوق ہے ۔ اہلِ ذوق کے لیے وجد و سرور کا باعث ہے ڈاکٹر اقبال کے فلسفۂ خودی کو گرامی نے تصوف کے رنگ میں رنگ کر بلند تر کر دیا ہے'' ۔ وہ گرامی کی یہ رباعی[1] اکثر پڑھا کرتے ہیں

یک قطرہ ز خمخانۂ رازم دادی — یعنی خبر از ناز و نیازم دادی
صورت گیرد چگونہ عصیاں از من — کز صورتِ خویش امتیازم دادی

انھوں نے اپنے مکتوب میں جو شیخ سردار محمد صاحب ہوشیار پوری کے نام ہے ، اس رباعی کی تشریح یوں فرمائی ہے :

''تو نے اپنے خم خانۂ راز سے ایک قطرہ مجھے دیا ۔ مطلب یہ کہ تو نے مجھے ناز و نیاز کے مضمون سے مطلع کر دیا ۔ یعنی کوائفِ عبودیت سے اور شانِ ربوبیت کے مضمون سے آگاہ کر دیا ۔ تو بس اب گناہ مجھ سے سرزد ہو نہیں سکتا ۔ استغفار ، توحید میں فنا ہونے کو کہتے ہیں ۔ مستغفرین کے تحت میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ گناہ کی اصل حق تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے اور ہر گناہ کا وجود شرک ہی سے پیدا ہوتا ہے ۔ جب میرا ترے ساتھ کوئی اشتراک باقی نہیں ہے ، فعل صفتی اور ذاتی صورت میں تجھ سے علیحدہ ہوں ، تیری کوئی صفت ربوبیت مجھ پر صادق نہیں آ سکتی اور تو شانِ

۱- رباعیات گرامی ، صفحہ ۱۶۶ -

علو ربوبیت کے ساتھ علیحدہ ہے تو پھر مجھ سے گناہ سرزد
ہو نہیں سکتا۔

اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کہ عبودیت میں ان
کو کمال حاصل ہوتا ہے ، کوئی اشتراک حق کے ساتھ
باقی نہیں رہتا ، واجب العصمت ہوتے ہیں ۔"

اُردو اشعار

قیام ہوشیار پور کے زمانہ کا ذکر ہے کہ زمیندار اخبار میں علامہ اقبال کی مشہور نعتیہ غزل :

"کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں"

شائع ہوئی ۔ گرامی میاں علی محمد صاحب کی مجلس میں بیٹھے تھے ۔ عظامی صاحب نے وہ غزل پڑھ کر سنائی ۔ گرامی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی ۔ انھوں نے آب دیدہ ہو کر اسی زمین میں یہ دو شعر اُردو میں کہہ دیے :

نہ وہ دل رہا نہ وہ آرزو یہ کشش ہے کیا ترے ناز میں
اسے کون کہتا ہے بت شکن وہ جو دل ہے زلفِ ایاز میں
میری زندگی میری موت ہے ، میری موت ہے میری زندگی
میرا جسم ظلمتِ ہند میں میری روح خاکِ حجاز میں

رنگ شاعری

فارسی شاعری میں جو مختلف دبستان فکر ، مکاتب خیال اور اسالیب بیان پائے جاتے ہیں ، انھیں سبک خراسانی ، سبک عراقی یا آذر بائیجانی ، سبک تہرانی اور سبک ہندی وغیرہ کہتے ہیں ۔ اول الذکر سبکوں کا تعلق خالصتہً ایران سے ہے ، لیکن سبک ہندی کا آغاز اگرچہ بقول صفا[1] ایران ہی میں ہوا تاہم یہ طرز تیموری دور میں بر صغیر

۱- مختصری در تاریخ تحول نظم و نثر پارسی از دکتر ذبیح اللہ صفا ، اردو ترجمہ ڈاکٹر نذیر مرزا برلاس پشاور ۔

پاک و ہند میں زیادہ چمکا ، اس لیے اسے سبک ہندی کا نام دیا گیا ۔ اکبری دور میں عرفی ، فیضی ، نظیری اور ظہوری وغیرہ اس کے نمائندے تھے ۔ انھوں نے فارسی شاعری کو خوب تازگی بخشی ۔ بعد کے شعراء میں طالب آملی ، ابو طالب کلیم ، صائب اور قدسی وغیرہ نے بھی اس طرز کو اچھی طرح نباہا ، لیکن عالمگیری دور اور بعد کے شعراء مثلاً ناصر علی سرہندی ، غنی کاشمیری ، غنیمت کنجاہی اور بیدل وغیرہ نے تو تازہ مضامین کی تلاش میں خود کو کھو ہی دیا ۔ ان کے یہاں نئے نئے مضامین تو مل جاتے ہیں لیکن شاعری کی اصل روح نہیں ملتی ۔ آخر میں غالب نے اس کو کچھ سنبھالا دیا ۔

اس سبک کی بنیادیں گہرے افکار ، نازک ، دشوار اور ذہنی دسترس سے دور مضامین ، بدیع کو عام فہم اور روزمرہ کی زبان میں بیان کرنے پر استوار ہوئیں ۔ اس کے پیروکار شعراء کی زیادہ تر توجہ اس بات پر صرف ہوتی تھی کہ ہر شعر میں کہیں سے کوئی نیا تازہ اور اچھوتا مضمون لائیں ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گہرے خیالات ، نرم و نازک احساسات اور دور دراز کے تصورات شاعری پر چھا گئے ۔ زبان ، الفاظ اور محاورات کی صحت ثانوی حیثیت اختیار کر گئی ۔ کلام کی خوبی اور متانت کا خیال رکھنے کی بجائے شاعر افکار ، خیالات اور تصورات کی رنگینیوں میں کھو گئے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے اشعار میں حسین ، زیبا اور دقیق معانی تہ در تہ چھپے ہوئے ملتے ہیں اور طرح طرح کی نکتہ آفرینیوں سے شعر فکر کا ایک تار عنکبوت بن کر رہ جاتا ہے ۔ ان شعراء کے یہاں بعض تازہ اور پیچیدہ تراکیب تو ضرور ملتی ہیں ، کچھ ایسے مقامی کلمات و لغات کا استعمال بھی ، جن کا رواج ایران میں نہیں ۔ استعارہ ، کنایہ اور تمثیل مبالغہ کی حد تک پہنچ جاتی ہیں ۔

محاسن کلام

گرامی اس روائتی شاعری کے آخری علمبردار تھے ۔ ان کی شاعری

لفظی ہیر پھیر کی زندہ مثال ہے۔ وہ پرانے مضامین نئے اسلوب سے نظم کرتے ہیں۔ کبھی محاورہ سے مدد لیتے ہیں، کبھی الفاظ کے اصطلاحی اور لغوی تضاد سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کبھی الفاظ کی شکلیں بدل کر معانی کے اختلاف سے جدت پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بیان میں سادگی اور روانی ہے۔ کلام پختہ، ہموار اور مترنم ہے۔ سوز و گداز بھی ہے اور صنعت گری بھی۔ خیالات نہ بہت زیادہ بلند ہیں نہ پست۔ انھوں نے مجاز سے لے کر حقیقت تک اور معاملہ بندی سے لے کر فلسفیانہ و متصوفانہ مضامین تک تقریباً تمام موضوعات پر شعر کہے ہیں۔ ان کے ہاں ابدی اقدار کے شعر بھی مل جاتے ہیں۔ سہل ممتنع کی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔ حقائق نگاری بھی ہے اور کہیں کہیں بے اعتدالی بھی۔

ان کا خیال ہے کہ ہماری جان اور محبوب حقیقی دونوں ایک ہیں جسم ان کے درمیان ایک پردہ ہے:

جان و جاناں خود یکے بود است جسم افتاد غیر
در من و جانان من ایں پردہ حائل ماند ماند

ہستی اور نیستی برابر ہے۔ انسان پیدا ہی اس لیے ہوتا ہے کہ فنا ہو جائے، زندگی کا راز موت میں پنہاں ہے:

بود و نبود ما ہمہ ہیچ است اے حکیم
یعنی بہ شاخ شعلہ بود آشیان ما
در مرگ زار زندگیٔ ما نہفتہ اند
نا گفتنی است قصۂ ما داستان ما

عقل سے زندگی کا معمّا حل نہیں ہوتا بلکہ خدا تک پہنچنے کی کوشش بھی رائیگاں جاتی ہے:

ما غلط، عقل غلط، کار غلط، راہ غلط
خط پیشانیٔ ما سر خط گمراہی ما

اپنی خودی سے الگ ہو کر انسان ذات باری کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔ خواہشات میں پھنس کر عرفان حاصل نہیں ہوتا:

ہر کہ از خود رفت سر بیروں کشید از حبیب یار
ہر کہ در بند طراز نقش باطل ماند ماند

عشق کی راہ ہیں سب آوازیں شنیدنی ہیں خواہ کعبہ سے بلند ہوں یا بت خانے سے :

نوائے آشنا از ہر کجا خیزد بگوش آور
اگر از کعبہ می خیزد گر از بت خانہ می خیزد

اقبال کا ایک شعر ہے :

ہے ابد کے نسخہ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق

گرامی بھی جب تخلیق انسان پر نظر کرتے ہیں تو انھیں اس کے پس پردہ عشق کا وہ جذبہ اور شوق کار فرما نظر آتا ہے ، جس کی بنا پر خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے شعور و عشق کے جذبہ سے آشنا کیا مگر جب عشق کا جذبہ غالب آیا تو عقل نے فنا کا جام نوش کر لیا ۔ ان کے خیال میں عشق بے خود کر دیتا ہے :[1]

عشق آمد و داد بے خودی را آواز
افتاد بہ خاک مرغ عقل از پرواز
ہم خواجہ و ہم غلام را بود غلام
محمود ز دبستگیٔ زلف ایاز

۵ جنوری ۱۹۲۶ء کے خط میں اقبال مولانا گرامی کو تحریر فرماتے ہیں : ”مجھے تو آپ کے اس شعر نے تڑپا دیا :

کتاب عقل ورق در ورق فرو خواندیم
تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی است

مضمون میرے حسب حال تھا ۔ تمام عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گذری اور آخر یہ معلوم ہوا کہ کتاب حیلہ فروشی و مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں ۔ عقل اس

۱- رباعیات گرامی ، صفحہ ۹۱ ۔

سے بڑھتی ہے مگر دل روشن نہیں ہوتا ۔ آپ کا شعر
پڑھتے ہی میری آنکھوں سے اس زور کے ساتھ آنسو اُمڈے
کہ ضبط نہ ہو سکا ۔

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظران
نے عقل نہ عشق نے تصرف نہ اثر
پیچیدہ بہ خویش مردہ در تابوتیم

سبحان اللہ سبحان اللہ ۔ آپ کے ایک ایک مصرع میں
سو سو بوتل کا نشہ ہے ۔ اسی واسطے تو گرامی
پیر مغاں ہے ۔''

گرامی کے کلام پر جدید فارسی زبان کا اثر مطلق نہ تھا ۔ وہ کلاسیکی فارسی ہی میں کہتے تھے ۔ فارسی زبان کے ساتھ ان کو ایک طبعی مناسبت تھی اور تراکیب وضع کرنے میں تو اُن کا انداز مجتہدانہ تھا ۔ گرامی کو الفاظ اور محاوروں کے استعمال پر جو حاکمانہ قدرت حاصل تھی ، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے :

کارم افتاد بجاں ، شیشہ ام افتاد بہ سنگ
سر بدیوار زدم ، طشت من از بام اُفتاد

اس میں ''کار بجاں افتادن'' کے معنی ہیں کام پایہ تکمیل کو پہنچنا ، مقصد بر آنا ۔ ''شیشہ بہ سنگ افتادن'' سے مراد ہے دل ٹوٹنا اور ''طشت از بام افتادن'' راز فاش ہونے کو کہتے ہیں ۔ ایک خیالی واقعہ بیان کرنے کے لیے تین محاوروں سے کام لے کر قافیہ پیمائی اور ردیف آرائی کی ہے ۔ اسی کو محاورہ بندی کی صنعت کاری کہتے ہیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک زبان اور محاورہ پر پورا پورا عبور نہ ہو ۔

رباعیات میں گرامی نے عام طور پر ابو سعید ابوالخیر کے انداز کی پیروی کی ہے ۔ خود فرماتے ہیں :

از بندۂ خیر شر نیاید بوجود   از حلقہ بگوشان ابوالخیرم من

شیخ محمد اکرام صاحب ارمغان پاک میں لکھتے ہیں :

"گرامی کے کلام میں نظیری کا رنگ جھلکتا ہے، زبان میں پختگی اور شائستگی ہے اور کئی جگہ نہایت نفیس خیالات بڑے دلآویز طریقے سے نظم کیے ہیں۔"[1]

(۲)

خطوط کی اہمیت

گرامی اور اقبال کے خوش گوار تعلقات کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ ان تعلقات کی نہایت قیمتی اور زندہ یادگار وہ خطوط ہیں جو اقبال نے وقتاً فوقتاً گرامی کو اور گرامی نے اقبال کو لکھے۔ خوش قسمتی سے اقبال کے بہت سے خطوط محفوظ اور موجود ہیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں دونوں بزرگوں کے خط و خال بالکل صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ انسان سرگوشیوں میں بارہا ایسی باتیں کر جاتا ہے جن کو مصلحت، تہذیب، اصولِ اخلاق یا کسی اور خاص کمزوری کی بنا پر شاید کھلم کھلا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ بعض اوقات اپنے کسی فعل کے اسباب عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے ہچکچاتا ہے لیکن مخصوص احباب کے سامنے بےجھجک بیان کر دیتا ہے اور ایسا کرنے میں کوئی حجاب مانع نہیں ہوتا۔ ایسے میں کسی کی اُفتاد طبیعت کا اندازہ لگانے، اس کے اصلی اخلاق، اس کی حقیقی نیت اور اس کی بےلاگ رائے معلوم کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس کے ذاتی اور ایسے افعال کی تلاش کی جائے جو اس سے ایسی شکل و صورت اور ایسے حالات میں سرزد ہوئے ہوں جب کہ اس کو یقین ہو کہ دوسرا کوئی ان سے واقف نہیں ہو سکتا۔ واقعات شاہد ہیں کہ جب کبھی اس قسم کی کوشش کی گئی تو لوگوں کے خیالات میں حیرت انگیز انکشاف سے تعجب خیز انقلاب پیدا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اب مؤرخین اور سوانح نگاروں کی اکثریت نجی خطوط

۱۔ ارمغان پاک مرتبہ شیخ محمد اکرام صفحہ ۷۷۔

پر سب سے زیادہ زور دیتی اور داخلی شہادتوں پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتی ہے۔

خطوط کی تعداد

گرامی کے نام اقبال کے خطوں کی صحیح تعداد کتنی تھی؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بڑے ذخیرے میں سے اکثر ضائع ہو گئے اور کچھ ادھر اُدھر تبرک میں بٹ گئے۔ چنانچہ ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ع کا لکھا ہوا ایک خط مدیر شہاب حیدر آباد دکن کو بسکٹ فروش کی دکان سے پڑیا کی صورت میں ملا اور ایک آدھ میں نے میاں عبدالمجید ایڈیٹر ''پاکستان ریویو'' (فیروز سنز لاہور) کے پاس دیکھا۔ جو خط بچ رہے انھیں گرامی نے حرز جان بنا کر ساری عمر اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ اس سنبھال اور احتیاط کی حد یہ ہے کہ ان میں ایک خط ایسا بھی محفوظ رہ گیا جس کی نسبت اقبال نے لکھا تھا کہ اسے پڑھ کر چاک کر دیا جائے۔

اقبال اکیڈمی کراچی گرامی کے ذخیرے سے جتنے خطوط حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہے، ان کی تعداد ایک کم نوے ہے۔ ان کو تاریخ وار ترتیب دینے کے بعد اندازہ لگایا گیا ہے کہ سب سے پرانا خط ۳ ستمبر ۱۹۱۲ع کا ہے، حالانکہ خط و کتابت کا سلسلہ اس سے پہلے بھی جاری تھا۔ اس کے ثبوت میں ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ع کا وہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جو حیدر آباد سے دستیاب ہوا اور اقبال نامہ (مجموعہ مکاتیب اقبال) مرتبہ شیخ عطاءاللہ جلد اول میں شائع ہو چکا ہے۔ چند سطریں ملاحظہ ہوں:

> ''خط لکھے ہوئے کئی دن گزر گئے۔ حیدری صاحب کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواب ندارد۔ دو خطوں کے جواب آپ کے ذمہ ہیں . . . جواب جلد آئے۔ مجھے کئی دن سے انتظار ہے آپ رخصت پر کب آتے ہیں؟ پنجاب میں کئی لوگ چشم براہ ہیں اور بالخصوص اقبال۔''

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی دو خط بھیجے جا چکے

تھے جو یقیناً ضائع ہو گئے اور پتہ نہیں ایسے اور کتنے خطوط ضائع ہو چکے ہوں۔

گرامی کے نام اقبال کا سب سے آخری خط جو مل سکا، ۳۱ جنوری ۱۹۲۷ع کا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ چند خط ایسے بھی ہیں جن پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر سیاق و سباق عبارت سے ان میں سے بعض کا زمانہ متعین کیا جا سکتا ہے۔ خط و کتابت کا کل زمانہ سولہ سترہ سال بنتا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۹۱۰ع = ایک خط	۱۹۲۱ع = آٹھ
۱۹۱۲ع = دو خط	۱۹۲۲ع = اُنیس
۱۹۱۳ع = کوئی نہیں	۱۹۲۳ع = سات
۱۹۱۴ع = ایک	۱۹۲۴ع = دو
۱۹۱۵ع = تین	۱۹۲۵ع = کوئی نہیں
۱۹۱۶ع = ایک	۱۹۲۶ع = ایک
۱۹۱۷ع = پچیس	۱۹۲۷ع = دو
۱۹۱۸ع = پانچ	بے تاریخ = سات
۱۹۱۹ع = دو	
۱۹۲۰ع = چار	کل خطوط = نوے

بے تاریخ خطوں میں دو تین خط ۱۹۱۷ع کے معلوم ہوتے ہیں۔ گویا یہی سال سب سے زیادہ خط و کتابت کا ہے۔ اس سال اقبال "رموزِ بے خودی" کی تصنیف میں مصروف تھے اور انھیں قدم قدم پر گرامی کے مشورے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ چنانچہ "رموزِ بے خودی" کے سب سے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں، جو بعد کے ایڈیشنوں سے حذف کر دیا گیا، گرامی کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے:

"استاذی علامہ میر حسن صاحب اور مولانا شیخ غلام قادر گرامی شاعر خاص حضور نظام دکن خلداللہ ملکہ' و اجلالہ' میرے شکریے کے خاص طور پر مستحق ہیں کہ ان

دونوں سے بعض اشعار کی زبان اور طرز بیان کے متعلق
قابل قدر مشورہ ملا ۔''[1]

اس کے بعد ۱۹۲۲ع میں پھر زیادہ تعداد خطوں کی نظر آتی ہے ۔ یہ سال پیام مشرق کی تصنیف کا ہے ۔ اسی سال اقبال گرامی کی صحبت سے زیادہ مستفیض ہونے کی تمنا کرتے ہیں بلکہ کئی کئی ترغیبات دے کر انہیں بلاتے ہیں اور یہاں تک انہیں لکھ دیتے ہیں کہ ''یہ صحبتیں کسی زمانے میں تاریخ کے ورق بن جائیں گی ۔'' اور اس میں شک بھی نہیں کہ آج ہم ان صحبتوں کی تفصیلات تلاش کرنے کے خواہش مند ہی نہیں درپے بھی ہیں ۔

۱۹۱۱ع ، ۱۹۱۳ع اور ۱۹۲۵ع میں کسی خط کا نہ ملنا اور بعض برسوں میں صرف ایک دو خطوں کا دستیاب ہونا سمجھ میں نہیں آتا ۔ گمان غالب یہ ہے کہ خطوط ضرور لکھے گئے ہوں گے مگر وہ ضائع ہو کر ہم تک نہیں پہنچے ۔

بہر حال جتنے خطوط دستیاب ہو سکے ہیں وہ بلا کم و کاست شائع کیے جا رہے ہیں ۔ جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے حواشی کا اضافہ کر دیا گیا ہے ۔ عقیدت مندان اقبال ان سے اپنے ذوق اور وجدان کے مطابق لطف اندوز ہو سکتے ہیں ۔ کس کے لیے کون سی بات جاذب توجہ ہے ؟ یہ ہر ایک کی اپنی نفسی کیفیت ، قلبی واردات اور ذہنی سطح پر موقوف ہے ۔

خطوں کی نوعیت

اقبال کے ذاتی اوصاف ، اخلاص و محبت ، علم دوستی ، وسیع مطالعہ ، اسلام سے شیفتگی ، مسلمانوں کی زبوں حالی پر دل سوزی اور اصلاح حال پر توجہ ، دوستوں سے مروت اور عالم انسانیت سے محبت کا پتہ تو ان خطوں کی سطر سطر سے چلتا ہے ۔ اقبال بے ریا زندگی بسر کرتے تھے اور منافقت سے کوسوں دور رہتے تھے ، شاعری کو اپنے خیالات کے اظہار اور پیغام کی

۱۔ دیباچہ رموز بے خودی پہلا اڈیشن ۔

اشاعت کا ایک مقبول ذریعہ اور عالمِ انسانیت کی خدمت کا ایک مؤثر وسیلہ سمجھتے تھے ۔ اسی واسطے اپنے کلام کو باوقار بنانے کے لیے خود بھی محنت کرتے اور معاندانہ اعتراضوں سے بچنے کے لیے بعض خاص دوستوں سے مشورہ بھی طلب کرتے تھے ۔ وہ ہر اُس تنقید کو جو اخلاص اور انصاف پر مبنی ہو نہایت خندہ پیشانی بلکہ دلی شکریہ سے قبول کرتے تھے ۔ ناگواری وہاں ہوتی تھی جہاں معترض اپنی کم فہمی ، ناسمجھی یا اقبال کے مقامِ شعر گوئی سے ناواقفیت کی بنا پر کچھ کہتا تھا ۔

اس مجموعے میں سبھی قسم کے خطوط ہیں ۔ بعض خالص نجی اور ذاتی ہیں اور بعض میں محض شاعرانہ باتیں ہیں ، جن کے سامنے آ جانے سے حکیم و فلسفی اقبال کی شاعرانہ برتری اور عظمت کا حال کھلتا ہے ۔ گرامی کا تازہ کلام دیکھنے اور اپنا کلام گرامی کی نظر سے گزارنے کی خواہش کا اظہار تو تقریباً ہر خط میں موجود ہے ۔ گرامی کے کلام سے شعر کہنے کی تحریک حاصل کر نامقصود تھا اور اپنے کلام کے متعلق ان کی رائے اور تنقید ، تا کہ اس کی روشنی میں اپنے کلام پر نظر ثانی کی جائے ۔ ایک خط میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

> ''حلیمہ کی روایت آپ نے خوب لکھی اور شعر نے تو مجھ پر ایسا اثر کیا کہ قریباً بے ہوش ہو گیا ۔ کئی دن سے طبیعت پر قبض تھی ۔ اس شعر نے ایسی کشایش کی کہ دل کا بخار سیال بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل گیا ۔ الحمد للہ علیٰ ذالک ۔ آپ اس کشائش کے محرک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور کلام کی تاثیر میں اضافہ کرے ۔ کل رات ایک اُستاد کا شعر سرخوش کے تذکرہ میں نظر آیا :
>
> کشیدہ ام ز جنوں ساغرے کہ ہوش نماند
> دگر معاملہ با پیر مے فروش نماند
>
> گزشتہ رات سینکڑوں دفعہ یہ شعر پڑھا ۔ اس امید میں کہ اس کی تاثیر سے دل کی قبض رفع ہو مگر کشائش نہ

ہوئی۔ مگر :

بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو

نے تیر بہ ہدف کا کام کیا ۔''[1]

اگر گرامی کے خطوط بھی اسی طرح محفوظ ہوتے جس طرح اقبال کے خطوط محفوظ ہیں ، تو ہمیں یہ معلوم کرنے میں بڑی آسانی ہوتی کہ گرامی نے کس شعر کے متعلق کیا مشورہ دیا اور اقبال نے کس حد تک اس سے فائدہ اٹھایا ۔ یہ خطوط اقبال ہی کے ہاں سے مل سکتے تھے ۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا کیا حشر ہوا ۔ اتفاق سے گرامی کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند یادداشتیں ہم تک پہنچی ہیں مگر اول تو ان میں سے کسی پر کوئی تاریخ درج نہیں ۔ پھر بعض بعض جگہ عبارت میں بھی تکرار ہے ۔ اور ایک ہی شعر کو الفاظ کے رد و بدل سے مختلف صورتوں میں لکھا گیا ہے ، اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اقبال کو کون سی تحریر صاف کر کے بھیجی گئی ۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

اشعار کی باریکیوں پر بحث

اقبال کے اپنے خطوں کے مطالعہ سے یہ بات تو یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے گرامی کی اکثر تنقیدوں سے فائدہ اٹھایا ، ان کے اشاروں اور کنایوں کو سمجھا اور ان سے روشنی حاصل کی لیکن اکثر ترمیموں سے اتفاق نہیں کیا ۔ بے شک گرامی ایک قادر الکلام شاعر تھے ۔ کلاسیکی شاعری میں ان کی ذات سند مانی جاتی تھی ۔ وہ زبان اور محاورے کے بادشاہ تھے ۔ زیادہ تر زبان کی صفائی کا خیال رکھتے تھے لیکن اقبال کی حیثیت ایک شاعر سے کہیں زیادہ داعی کی تھی ۔ خالی لفظوں اور محاوروں سے ان کا مطلب واضح نہیں ہوتا تھا ۔ ان کے سوچنے کا انداز مختلف اور پیام کی سطح بلند تھی ، وہ جس اسلوب سے اپنی بات دوسروں کے ذہن نشین کرانا چاہتے

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ۔

تھے وہ بڑی جانکاہی چاہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال بار بار گرامی کی طرف رجوع کرتے اور بہ اصرار دعوت انتقاد دیتے تھے تاکہ بیان و اسلوب میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کا علم ہو جائے اور اصلاح کی جاسکے۔ ایک خط میں گرامی کو لکھتے ہیں:

"غزل تنقید کے لیے ہی تو آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی۔ اس پر خوب تنقید کیجیے اور مفصل تحریر فرمائیے۔ پھر میں انشاءاللہ نظر ثانی کروں گا۔"

ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"مہربانی کر کے غزل کے تمام اشعار پر اعتراض لکھیے تاکہ میں پورے طور پر مستفید ہو سکوں۔ آپ نے صرف ایک شعر کی تعریف کر دی اور باقی اشعار چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان پر اعتراض کیجیے۔ آپ کے کسی شعر میں اگر کوئی بات مجھے کھٹکے تو میں بلا تکلف عرض کر دیا کرتا ہوں۔ آپ کیوں ایسا نہیں کرتے؟ مجھے تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اعتراض سے، کیونکہ اعتراض کی تنقید سے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔[1]"

اور اس میں شک بھی نہیں کہ جہاں نفسانیت کا شائبہ تک نہ ہو اور تنقید کی بنا محض دوستی، محبت اور نیک نیتی پر ہو، وہاں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اقبال کا ظرف بڑا وسیع تھا، وہ ہر اس اعتراض کا خیر مقدم کرتے تھے جس میں کوئی کام کی بات ہو:

برا سمجھوں انہیں مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

اگرچہ سید سلیمان ندوی، مولوی میر حسن، مولوی حبیب الرحمان خان شروانی اور مولوی اسلم جیراج پوری جیسے بزرگوں کی رایوں کو بھی اقبال بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر گرامی کی رائے سب پر مقدم

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی۔

ہوتی تھی ۔ سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر اقبال کے بے گناہ اشعار کو تیغ قلم سے مجروح کرنے والوں اور اپنی ہمہ دانی کا دعویٰ کرکے اقبال کی خامیاں نکالنے والوں کو وہ ہمیشہ نظر انداز کرتے تھے ۔[1] اگرچہ بعض اعتراضات بظاہر صحیح معلوم ہوتے تھے مگر وہ اقبال کے مقام دعوت سے نا آشنائی کا نتیجہ تھے ، اس لیے اقبال مجوزہ متبادلات قبول نہ کر سکے اور انھوں نے اپنے اشعار میں خود ہی تبدیلیاں کر لیں ۔

مگر گرامی میں یہ بات نہ تھی ۔ وہ جو کچھ کہتے تھے محبت اور خلوص کی بنا پر کہتے تھے ۔ اسی لیے اس کا اثر ہوتا تھا ۔ مثنوی اسرار خودی میں یونانی حکیم افلاطون کے فلسفۂ اشراق پر بحث کی گئی ہے ۔ اس کی ابتدا اس شعر سے ہوتی تھی :

راہب اول فلاطونِ حکیم　　از گروہِ گوسفندان قدیم

مثنوی کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں یہ شعر اسی طرح چھپتا رہا اور کسی نے اس پر گرفت نہ کی ۔ ۱۵ شعبان المکرم ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ع) کو گرامی نے ہوشیار پور سے ایک طویل خط اقبال کو لکھا جس میں اقبال کے کئی شعروں کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا :

”گرامی کچھ بیمار رہتا ہے ، پیری و ہزار علت ۔ گرامی کو حکم ہوا ہے کہ دکن کو جاؤ ۔ غالباً ملک الموت کو فرمان الٰہی یہی ہے کہ گرامی کی روح کو حیدر آباد میں نکالا جائے ۔ پا بہ رکاب ہوں ۔ عنان گسستہ پہنچوں گا :

از کہ بگریزیم از خود ایں محال　　از کہ برتابیم از حق ایں وبال

گرامی پرانا آدمی ہے ، سال خوردہ ہے جوہر محبت گرامی کے دل درد منزل میں بہت ہے ۔ اسی جوہر محبت کا تقاضا تھا کہ گرامی نے اقبال کو دیکھ لیا مگر ایک حسرت رہی ۔ وہ یہ کہ ہائیکورٹ کی ججی پر جلوہ افروز نہ دیکھا ۔ ہاں قلم روئی معانی میں گورنر کی کرسی پر

۱۔ اقبال نامہ ، حصہ اول ، صفحہ ۱۱ ۔

جلوہ فرما دیکھ رہا ہوں اور یہی ابدی عہدۂ جلیلہ ہے۔
حیدر آباد جاتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ تمام نمائش اور ریا کاری کو یہاں ہی چھوڑ جاؤں۔ مثنوی اسرار خودی میں ''فلاطونِ حکیم'' کی اضافت غلط ہے۔ یوں کیجیے:

راہب دیرینہ افلاطون حکیم

حضرت ڈاکٹر صاحب! میں نے پہلے لکھ دیا تھا کہ ریا کاریاں اور لابہ کوشیاں پستی آباد یعنی پنجاب ہی میں چھوڑ جاتا ہوں۔ میرا ضمیر ان فروگذاشت کو دیکھ رہا تھا مگر ریا غالب تھی راست بازی کو کام میں نہ لا سکا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس راست بازانہ تحریر سے ناراض نہیں ہوں گے۔''

چناں چہ بعد کے اڈیشنوں میں اقبال نے گرامی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے مصرع یونہی کر دیا۔

خطوں میں ایسے بے شمار اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے گرامی کے مشورے سے اپنے کئی اشعار میں ترمیم کی اور بعضوں کو سرے سے قلمزد کر دیا۔ مگر جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، گرامی کی ہر تنقید یا تجویز اقبال کے لیے قابل قبول نہ ہوتی تھی۔ چوں کہ افہام و تفہیم کا یہ سلسلہ محض دوستانہ تھا، اس لیے کبھی کبھی اپنے اختلاف کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ بانگ درا کے صفحہ ۳۱۸ پر ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے:

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

اسی غزل میں ایک شعر ہے:

سعی پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات
تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرامی نے اس کے دوسرے مصرعے میں

"شمار سحر و شام" کی جگہ "رہین سحر و شام" تجویز کیا مگر اقبال نے اس ترمیم کو قبول نہ کیا ۔ بلکہ گرامی کو لکھا :

"میرا مقصود اس شعر سے یہ ہے کہ زندگی سحر و شام کی تعداد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا معیار سعی پیہم ہے ۔ اس کو دنوں کے ترازو میں نہ تولنا چاہیے ، جیسا کہ عام طور پر لوگ کرتے ہیں ۔ جب کوئی پوچھے فلاں آدمی کی عمر کتنی ہے تو جواب ملتا ہے ، اتنے سال یا اتنے مہینے ۔ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ جواب ایام یعنی سحر و شام کے شمار کا نتیجہ ہے ۔"[1]

پیام مشرق میں ایک نظم "جہان عمل" کے عنوان سے ہے ۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ع کو اقبال نے اس کے چند اشعار گرامی کو بھیجے ۔ ان میں ایک شعر یوں تھا :

حرف رازے کہ بروں از حدِ صوت است ہنوز
از لب جام چکیدست و کلام است ایں جا

اس کا پہلا مصرع اقبال کو کھٹکتا تھا ۔ گرامی نے اسے یوں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا :

حرف آں راز کہ بیگانہ ز صوت است ہنوز

اور لکھا کہ "راز کو حرف اور صوت کا لباس پہنا دو تو وہ کلام ہو جاتا ہے اور کلام کی تعریف بھی یہ ہے کہ وہ حرف اور صوت سے مرکب ہو" مگر اقبال کی اس سے تسلی نہ ہوئی ۔ انھوں نے جواب میں لکھا :

"بیگانۂ صوت است ہنوز" خوب ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ "بیگانۂ صوت" راز کی صفت میں واقع ہوا ہے ۔ حرف کی صفت میں واقع ہونا چاہیے تھا ۔ مجھے اپنا مصرع ابھی تک کھٹکتا ہے ۔ طبیعت حاضر ہو تو پھر غور

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ۔ ۷ مئی ۱۹۱۷ع ۔

کروں گا ۔ اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے ۔ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے ، جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے ۔ جہاں اچھا شعر دیکھو ، سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے ۔ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہونا ہے ۔''[1]

''پیام مشرق'' میں اقبال نے چند اشعار ''بوئے گل'' پر لکھے تھے۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ جنت کی ایک حور دنیا کا نظارہ کرنے کے لیے پھول کی صورت میں نمودار ہوئی اور آخر پژمردہ ہو گئی ۔ جس کو لوگ نکہت کہتے ہیں ، وہ اس حور کی آہ ہے جس کو اس نے دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے ۔ آخری شعر یہ تھا :

زندانئے کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند

مولوی اسلم جیراج پوری استاد جامعہ ملیہ نے اعتراض کیا کہ ''گذاشت است'' ذوق سلیم کو کھٹکتا ہے ۔ اقبال کو بھی ان کے ایراد میں کچھ نہ کچھ صداقت معلوم ہوئی ۔ اُنھوں نے گرامی کو لکھا :

''اس شعر پر تنقیدی نظر ڈالیے اور نتیجہ سے آگاہ کیجیے ۔ مولوی (سید) سلیمان ندوی اور عبدالماجد صاحب (دریابادی) سے بھی استصواب کیا ہے ۔ بہر حال گرامی کی رائے سب پر مقدم ہے ۔ اس شعر کا مطلع ہونا ضروری ہے کہ بند کا آخری شعر ہے ۔ یوں بھی ہو سکتا ہے :

زاں نازنین کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے ست یادگار کہ بو نام دادہ اند''[2]

گرامی نے کوئی ترمیم تجویز کی جس پر اقبال نے انہیں پھر لکھا :

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ۔ ۲ دسمبر ۱۹۱۸ع ۔
۲۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ۔ ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۳ع ۔

آپ کی ترمیم سے زبان کے اعتبار سے شعر بہت ستھرا ہو گیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا جو میں ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ نازنین خود تو رخصت ہو گئی ہے مگر دنیا میں اپنی آہ چھوڑ گئی ہے، جس کو لوگ خوشبو کہتے ہیں۔ آپ کے شعر سے مترشح ہوتا ہے: ''وقت بند کشادن آہے سرداد'' لہٰذا معانی کے اعتبار سے میں اپنے ہی مطلع کو ترجیح دیتا ہوں، جس کو آپ نے پسند فرمایا ہے لیکن ''سردادن آہ'' کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

''خضر راہ'' اقبال کی ایک نہایت بلند پایہ نظم ہے۔ یہ جس زمانے میں لکھی گئی اُس وقت اپنے اسلوب اور انداز کے لحاظ بالکل انوکھی چیز تھی۔ فکر و نظر کی برتری کی بنا پر بھی یہ اقبال کی سابقہ نظموں سے مختلف تھی۔ اس کے محاسن کا اندازہ کچھ وہی اہل علم و فن لگا سکتے ہیں جو اقبال کے مقام شعر گوئی سے واقف ہیں۔ خان نیاز الدین خاں نے اقبال کو لکھا کہ نظم ''خضر راہ'' مولانا گرامی کو پسند نہیں۔ ان کی رائے میں اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط۔ یہ بات اقبال کو سخت ناگوار گذری کہ ایسا بودا اعتراض گرامی سے منسوب ہو، جو خود بڑے شاعر تھے اور نظم کے رموز و اسرار کو خوب سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے نظم کی بعض باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے گرامی کو لکھا:

> ''آپ کے اعتراض کا پہلا حصہ صحیح ہے۔ مگر یہ اعتراض گرامی کے شایان شان نہیں۔ اگر کوئی اور آدمی یہ اعتراض کرتا تو مضائقہ نہ تھا۔ یہ اعتراض شبلی کے لیے منصور کا پھول ہے۔ . . . مجھے یقین ہے کہ نیاز الدین خاں صاحب نے آپ کا اعتراض سمجھنے میں مزید غلطی کی ہے۔''[۱]

۱- مکتوب اقبال بنام گرامی - ۱۶ مئی ۱۹۲۲ء -

چنانچہ مولانا گرامی کے خط سے اقبال کے خیال کی تائید ہو گئی کہ یہ اعتراض گرامی کا نہیں، سننے والے کی سمجھ کی غلطی ہے۔ اقبال کا وضاحتی خط پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

ایک دفعہ اقبال نے یہ مصرع گرامی کو اصلاح کے لیے بھیجا:

بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

اور لکھا کہ ''میں اس مصرع سے ایک عجیب و غریب مضمون پیدا کروں گا۔ لفظ ''ہمہ'' کھٹکتا ہے۔ اگر آپ کے خیال میں یہ لفظ قابل اعتراض نہیں تو میں پہلا مصرع لکھوں گا۔''

گرامی نے جواب میں فرمایا کہ لفظ ''ہمہ'' تو مصرع کی جان ہے۔ آپ نے اس کا پہلا مصرع نہیں لکھا مگر میں نے صور علمیہ میں لکھا ہوا دیکھ لیا۔ کیا یہی ہے؟

گفت رفرف شب معراج کہ اے ختم رسل
بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

مگر اقبال کے ذہن میں مضمون دوسرا تھا اس لیے اُنھوں نے پہلا مصرع خود لگا کر شعر پورا کیا جو ''پیام مشرق'' کی نظم بندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

غرض اس قسم کی بیسیوں باتیں خطوں کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتی ہیں۔

پھر یہ بات یک طرفہ نہیں تھی۔ گرامی کو بھی اقبال کی تنقیدوں سے فائدہ پہنچتا تھا۔ ایک دفعہ انھوں نے ایک غزل رسالہ ہمایوں میں شائع کرانے کے لیے بھیجی۔ اقبال نے میاں بشیر احمد کو پہنچانے کی بجائے بعض باتوں کی طرف توجہ دلا کر مولانا کو واپس کر دی کہ:

''مہربانی کرکے بعد از نظر ثانی جلد بھیج دیجیے۔ منیر کی قوالی غزل اس زمین میں مشہور ہے جسے قوال عام طور پر گاتے ہیں۔ میں نے نہ چاہا کہ شائع ہونے کے بعد کوئی اس پر اعتراض کرے۔ اس واسطے بعض باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلائی۔ اگر آپ کو مجھ سے اتفاق

نہ ہو تو اسی طرح رہنے دیجیے کیوں کہ آپ کا مذاق
زیادہ معتبر ہے۔"[1]

مگر مولانا گرامی نے جواب میں لکھا کہ غزل واپس بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، خود ہی اصلاح کر دی ہوتی۔ گویا انھوں نے اقبال کی رائے کو درست تسلیم کر لیا کہ غزل واقعی نظر ثانی کی محتاج تھی۔

اسی طرح جب مولانا گرامی نے حافظ کی غزل پر ایک غزل کہی جس کے چند شعر خان نیاز الدین خاں نے اقبال کے پاس بھیجے تو اقبال نے اس شعر کی تو تعریف کی[2]:

عصیان ما و رحمت پروردگار ما　　　این را نہایتی است نہ آن را نہایتی

اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے خط میں خان نیاز الدین خاں کو لکھا:

"۔ ۔ ۔ ۔ سبحان اللہ! گرامی کے اس شعر پر ایک لاکھ دفعہ اللہ اکبر پڑھنا چاہیے۔ خواجہ حافظ تو ایک طرف مجھے یقین ہے فارسی لٹریچر میں اس پائے کا شعر کم نکلے گا۔ انسان کی بے نہایتی کا ثبوت دیا ہے مگر اس انداز سے کہ موحد کی روح فدا ہو جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک معنی میں انسان بھی بے نہایت ہے اور یہی صداقت مسئلہ وحدت الوجود میں ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو اس خوبی سے نمایاں کیا ہے کہ پڑھنے والے پر اسلامی حقائق کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ یہی ہے کمال شاعری جو الہام کے پہلو بہ پہلو ہے۔ ۔ ۔ ۔"

لیکن مندرجہ ذیل شعر کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

عنوان آن نگاہ کہ خوں ریز عالمی
تمہید نیم خند تو مرگ ولایتی

"۔ ۔ ۔ اگر یہ شعر مطلع ہوتا تو خواجہ کی پوری غزل

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۱ء ۔
۲۔ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں، صفحہ ۲۲ ۔ ۲۳ ۔

کا جواب ہوتا اور اگر یہ مصرع :

تمہید نیم خند تو مرگ ولایتی

خواجہ کو سوجھتا تو وہ اس پر فخر کرتے ، البتہ پہلے مصرع میں جو لفظ "آن" آیا ہے اس کو کسی نہ کسی طرح نکالنا چاہیے (عنوان آن نگاہ) یہ مشورہ سولانا کی خدمت میں پیش کیجیے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ اب کہ یہ خط لکھ رہا ہوں شعر مندرجہ عنوان کے اثر سے دل سوز و گداز سے معمور ہے ۔ گرامی صاحب اپنے شعر کا فوری اثر دیکھتے تو نہ صرف میری ولایت کے قائل ہو جاتے بلکہ اپنی ولایت میں بھی انھیں شک نہ رہتا ۔ ۔ ۔ ۔"

معلوم ہوتا ہے کہ خان نیاز الدین خاں نے مولانا گرامی کو اقبال کی رائے سے مطلع کیا اور مولانا نے اقبال کا مشورہ قبول کرکے اپنے شعر میں مناسب تبدیلی کر دی ۔ گرامی اپنے خط میں خان نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں :

"کیوں گرامی کو پندار کی کشاکش میں پھنساتے ہیں ، جناب ڈاکٹر صاحب کی بالغ نظری ، عالی دماغی کی دلیل ہے کہ انھوں نے گرامی کے شعر کو پسند کیا ، وہ فلاسفر ہیں ، حکیم ہیں ، گرامی ایک دقیانوسی جہل کا مریض ہے ۔ آپ گرامی کی طرف سے ان کی خدمت میں شکریہ ادا کر دیجیے ۔

عنوان یک نگاہ تو آشوب عالمی　　تمہید نیم خند تو مرگ ولایتی

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے لکھ دیجئے کہ اس شعر کو مطلع بنا دیں گے تو وہ مطلع آفتاب ہوگا ۔"[1]

۱- مکاتیب گرامی ، ہفتہ وار لاہور ، ۹ مارچ ۱۹۶۴ ، صفحہ ۷ -

خان نیاز الدین خاں نے یہ پیغام بھی پہنچایا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ مولانا گرامی کے ذہن میں وہ بات نہ تھی جو آپ نے ان کے شعر سے پیدا کی۔ اس پر اقبال نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ع کو پھر لکھا:

”گرامی صاحب کے شعر میں ”یک“ نہایت موزوں ہے۔ ”یک نگاہ“ اور ”نیم خند“ کا مقابلہ نہایت لطیف ہے۔ یہ کچھ ضروری نہیں کہ صاحب الہام اپنی بلاغت سے بھی آگاہ ہو۔ اگر گرامی صاحب کے خیال میں وہ معانی نہ تھے تو کچھ مضائقہ نہیں، ان کے الفاظ میں تو موجود ہیں۔۔۔۔“[1]

انھی باتوں کی بنا پر گرامی اپنے ایک خط میں خان نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں:

”حضرت ڈاکٹر صاحب کا لاجواب شعر ہے اور سنگلاخ زمین میں ہے۔ گرامی کا فکر سال خوردہ اس زمین میں ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مجدد ہیں، فلاسفر ہیں، ادب آموز ہند ہیں۔ گرامی ان کا سا دماغ کہاں سے لائے، دو تین شعر لکھتا ہوں، ڈاکٹر صاحب کی خدمت عالی میں بھیج دیجیے، ان کی داد سمیٹیے، دوسروں کی داد عین بے داد۔“[2]

لطیف چھیڑ چھاڑ

گرامی کے ادب و احترام کے باوجود اقبال خطوں میں اکثر چھیڑ چھاڑ اور لطیف نوک جھونک کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

”آپ کا تخلص ”گرامی“ کی جگہ ”نوسی“ ہونا چاہیے

۱۔ مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، صفحہ ۲۳۔

۲۔ مکاتیب گرامی، مطبوعہ ہفتہ وار لاہور، ۹ مارچ ۱۹۶۳ع، صفحہ ۹۔

کیوں کہ آپ سوتے بہت ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے راون لنکا کے بادشاہ کی طرح آپ چھ ماہ سوتے ہیں اور چھ ماہ جاگتے ہیں ــــــ حیدر آباد کی شاہی میں تبدیلی ہوئی ، وزارت بدل گئی مگر آپ ابھی اُونگھ رہے ہیں ۔ برائے خدا کبھی اپنی خیریت سے مطلع کیا کرو ۔ آپ کے بہت سے لاہوری دوست استفسار حال کرتے ہیں تو مجھے یہی جواب دینا پڑتا ہے کہ مولانا گرامی آرام میں ہیں ۔ اکثر تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو خط لکھ کے جگائیے مگر اس کے لیے شور محشر کی ضرورت ہے ۔ خطوں سے کیا ہوتا ہے ــــــ ہمنام اقبال (گرامی کی اہلیہ اقبال بیگم ترک) سلام قبول کریں ۔ نیز ان سے درخواست ہے کہ مولوی گرامی یعنی "شیخ نامی" سے جس طرح بن پڑے خط لکھوائیں ۔"[1]

"آپ کہاں ہیں ؟ حیدر آباد میں یا عدم آباد میں ؟ اگر عدم آباد میں ہیں تو مجھے مطلع کیجیے کہ میں آپ کو تعزیت نامہ لکھوں ۔ صدیاں گزر گئیں کہیں آپ کا کلام دیکھنے میں نہیں آیا ۔ کبھی کبھی چند اشعار بھیج دیا کرو تو کون سی بڑی بات ہے ــــــ امید ہے بابا گرامی اچھا ہوگا اور نئے نکاح کی فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاتا ہوگا ۔"[2]

" حیدر آباد سے جو مفصل خط آپ کو آیا ہے اس کے مضمون سے مجھے بھی آگاہ کیجیے ۔ آپ لکھتے ہیں "لاہور میں آن کر عرض کروں گا" مگر اس پیش گوئی کے لیے کہ گرامی لاہور کبھی نہ آئے گا ، کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں ۔ جالندھر اور ہوشیار پور کا ہر شیرخوار

۱- مکتوب اقبال بنام گرامی ، ۳ ستمبر ۱۹۱۲ع ۔

۲- مکتوب اقبال بنام گرامی ، ۱۳ جنوری ۱۹۱۴ع ۔

مجھ بلا تامل ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے۔''[1]

''گرامی سال خوردہ ہے۔ یعنی سالوں اور برسوں کو کھا جاتا ہے پھر بوڑھا کیوں کر ہو سکتا ہے۔ بوڑھا تو وہ ہے جس کو سال اور برس کھا جائیں۔''[2]

اسی طرح گرامی بھی ایک خط میں لکھتے ہیں :

''گرامی سفید ریش ہے۔ غزالان معانی کو دام میں نہیں لا سکتا۔ ممکن ہے ریش سفید سے رم کرتی ہوں۔ چند روز صبر کیجیے۔ خضاب سے ریش دلریش کا منہ کالا کروں گا پھر غزل لکھوں گا۔ جناب نے صحیح کہا ہے :

از خضابم نہ رسد مطلب دیگر بہ خیال
ایں قدر ہست کہ آہو نظراں رم نہ کنند

اقبال کے عزائم

ان خطوں سے بعض ایسی باتیں بھی منکشف ہوتی ہیں جن سے اقبال کی بالغ نظری اور بلند عزائم کا پتہ چلتا ہے۔ یہ عزائم ملت اسلامیہ کے بارے میں ہیں۔ اقبال نے ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' کے نام سے دو مثنویاں لکھیں، جن کا مرکزی نقطۂ نظر حیات ملی کا استحکام تھا۔ اس کا زیادہ تر تعلق ملت کے ماضی سے تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ملت کے مستقبل کے بارے میں بھی کچھ کہا جاتا۔ گو اس قسم کے اشارے ان کے کلام میں بکھرے ہوئے ہیں، ان کا یک جا ہونا اور ایک مثنوی کی صورت میں مربوط ہو جانا ملت کی نشاۃ ثانیہ کا موجب ہو سکتا تھا۔ اقبال نے قرآن پاک کے گہرے مطالعہ کے بعد جو روشنی اس سلسلے میں حاصل کی تھی، اس کی بنا پر وہ ''حیات مستقبلۂ اسلامیہ'' کے نام سے قوم کو نیا پیغام دینا چاہتے تھے۔ چناں چہ وہ مولانا گرامی کو ایک

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی، ۳ ستمبر ۱۹۱۷ع۔
۲۔ ایضاً، ۴ نومبر ۱۹۱۸ع۔

خط میں لکھتے ہیں :

"مثنوی کا دوسرا حصہ قریب الاختتام ہے مگر اب تیسرا حصہ ذہن میں آ رہا ہے اور مضامین دریا کی طرح اُمڈے آ رہے ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ کس کس کو نوٹ کروں ۔ اس حصے کا مضمون ہوگا :

حیات مستقبلہ اسلامیہ

یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آئندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے اور جماعت اسلامیہ جس کی تاسیس دعوت ابراہیمی سے شروع ہوئی ، کیا کیا واقعات و حوادث آئندہ صدیوں میں دیکھنے والی ہے اور بالآخر ان سب واقعات کا مقصود و غایت کیا ہے ۔ میری سمجھ اور علم میں یہ تمام باتیں قرآن شریف میں موجود ہیں اور استدلال ایسا صاف و واضح ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تاویل سے کام لیا گیا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم مجھ کو عطا کیا ہے ۔ میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا اور بعض آیات و سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے اور اتنے طویل عرصے کے بعد مندرجہ بالا نتیجے پر پہنچا ہوں مگر مضمون بڑا نازک ہے اور اس کا لکھنا آسان نہیں ۔ بہر حال میں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ اس کو ایک دفعہ لکھ ڈالوں گا اور اس کی اشاعت میری زندگی کے بعد ہو جائے گی یا جب اس کا وقت آئے گا اشاعت ہو جائے گی ۔"[۱]

مگر یہ ارادہ کسی وجہ سے عملی صورت اختیار نہ کر سکا ۔ اگر یہ حصہ لکھا جاتا تو خوب ہوتا ۔

۱۔ مکتوب اقبال بنام گرامی ، یکم جولائی ۱۹۱۷ع ۔

اسلوب نگارش

اقبال عام طور پر خطوط عجلت میں لکھتے تھے کیوں کہ ان کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی تھی - خود فرماتے ہیں :

"عدیم الفرصتی تحریر میں ایسا انداز پیدا کر دیتی ہے جسے پرائیویٹ خطوط میں تو معاف کر سکتے ہیں مگر اشاعت ان کی نظرثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیے - اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرز بیان میں خصوصیت کے ساتھ لا پروا ہوں -"[۱]

یہ بات کسی حد تک درست بھی ہو سکتی ہے مگر جہاں تک گرامی کے نام اقبال کے زیر نظر خطوط کا تعلق ہے ، ان میں اکثریت ایسے خطوں کی ہے جو اردو نثر کا نہایت شگفتہ نمونہ ہیں - یہ نہ بے رنگ ہیں نہ خشک - اقبال کی دیگر علمی تحریروں کی طرح ان کی عبارت میں رعب و دبدبہ بھی ہے اور وزن بھی - فکر کی جولانی بھی ہے اور خیال کی برجستگی بھی - بعض بعض جگہ تو شاعری نثر سے ہم آغوش نظر آتی ہے - مثال کے طور پر ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ع کا وہ خط پیش کیا جا سکتا ہے جس میں کشف کی روئیداد کے طور پر حیات و ممات کی حکمت پر نہایت مؤثر فلسفیانہ بحث کی گئی ہے -

سوال یہ تھا کہ گرامی کو خاک پنجاب جذب کرے گی یا خاک دکن ؟ اس کے لیے پہلے مراقبہ کیا اور جو انکشاف ہوا وہ اس خط میں تحریر کیا :

"گرامی مسلم ہے اور مسلم تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے - یہ ایک قوت نورانیہ ہے کہ جامع ہے جواہر موسویت و ابراہیمیت کی ، آگ اسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے ، پانی اس کی ہیبت سے خشک

۱- مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان ، صفحہ ۲۳ - ۲۴ -

ہو جائے ، آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی۔ کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہوئی ہیں ۔ پانی آگ کو جذب کر لیتا ہے ، عدم بود کو کھا جاتا ہے ، پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرے ؟ مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت حیات موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے ۔''

یہ خاصا طویل خط ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے فتح مکہ کا ایک واقعہ دے کر ثابت کیا ہے کہ کس طرح مسلم حنیف جذبات متناقض یعنی قہر و محبت کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے اور اس کا دائرۂ اثر اخلاق تناقضات تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام طبعی تناقضات پر بھی حاوی ہے :

''پھر مسلم جو حامل ہے محمدیت کا اور وارث ہے موسویت و ابراہیمیت کا کیونکر کسی ''شے'' میں جذب ہو سکتا ہے ۔ البتہ اس زمان و مکان کی مقید دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے جو مسلم کو جذب کر سکتا ہے اور اس کی قوت جاذبہ بھی ذاتی اور فطری نہیں بلکہ مستعار ہے ایک کف پا سے ، جس نے اس ریگستان کے چمکتے ہوئے ذروں کو پامال کیا تھا ۔''

یہ خط اردو انشاء کا ایسا شاہکار ہے جو ادب عالیہ میں شمار ہونے کے لائق ہے ۔ اسی طرح وہ خط بڑی اہمیت کا حامل ہے جو ''خضر راہ'' کی بے لطفی کا شکوہ کرنے والوں کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔

خبریں اور یادیں

ان خطوں میں کچھ ایسی خبریں بھی ہیں جن سے ہماری بہت سی یادیں وابستہ ہیں ۔ یہ ہمارے بھولے بسرے ماضی کی قومی اور رجالی سرگرمیوں کی یاد تازہ کرانے کے علاوہ اقبال کی اپنی زندگی کے بعض پہلوؤں پر بھی بالکل

نئی روشنی ڈالتی ہیں ۔ اقبال کا رائل کمیشن کے رکن کی حیثیت سے فلسطین جانے سے انکار کی وجوہ بھی ان خطوں سے معلوم ہو جاتی ہیں ۔ ان کے مطالعہ سے ہندوستان میں ہجرت کی تحریک ، حج لواری ، تقسیم فلسطین اور فتح سمرنا وغیرہ کئی واقعات بھی سامنے آ جاتے ہیں ۔ اپنی لدھیانے والی بیوی اور حضرت اکبر الہ آبادی کے انتقال پر اقبال نے جو خط لکھے ہیں وہ بڑے ہی درد انگیز اور معلومات افزا ہیں اور مرنے والوں کے اوصاف و کمال کی ایسی تصویر ہمارے سامنے لا کھڑی کرتے ہیں جو ترجمان حقیقت کا قلم ہی کھینچ سکتا ہے ۔

مکاتیب اقبال

بنام

گرامی

(۱)

لاہور - ۱۱ مارچ ۱۹۱۰ع

بابا گرامی! سلام

خط لکھے ہوئے کئی دن گزر گئے - حیدری صاحب[1] کے متعلق استفسار کیا تھا ، جواب ندارد - دو خطوں کے جواب آپ کے ذمے ہیں - آپ کس عالمِ غفلت میں قیام پذیر یا تشریف فرما ہیں - جواب لکھیے اور جلد اشعار کے متعلق جو کچھ میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دیجیے -

آپ نے ایک غزل[2] لکھی تھی فرسنگ است ، تنگ است - اسی زمین میں ایک استاد کا شعر نہایت پسند آیا :

ہلاک شیشۂ در خون نشستۂ خویشم
کہ آخریں نفسش عذر خواہیٔ سنگ است

للہ در من قال

جواب جلد آئے - مجھے کئی دن سے انتظار ہے - آپ رخصت پر کب آتے ہیں ؟ پنجاب میں کئی لوگ چشم براہ ہیں اور بالخصوص اقبال -

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

گرامی کے نام اقبال کا یہ پہلا خط نہیں ، جیسا کہ اس کے ابتدائی فقرے ہی سے ظاہر ہے - پھر یہ شیخ عطاء اللہ صاحب مرتب "اقبال نامہ" کو مدیر شہاب (حیدر آباد دکن) سے ملا تھا ، جن کے ہاں یہ ایک بسکٹ فروش کی دکان سے پُڑیا کی صورت میں پہنچا تھا - خدا جانے اس سلسلے کا کتنا قیمتی ذخیرہ غفلت و بے خبری میں تلف ہو گیا -

(۱) حیدری صاحب اقبال کے دوست تھے - مارچ ۱۹۱۰ع میں جب

اقبال پہلی مرتبہ حیدر آباد گئے تو جہاں گرامی کی صحبت سے لطف اندوز ہوئے وہاں مہاراجہ سرکشن پرشاد کے علاوہ حیدری صاحب کی مہمان نوازی سے بھی متاثر ہوئے تھے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

''حیدر آباد دکن میں مختصر قیام کے دنوں میں میرے عنایت فرما جناب مسٹر نذر علی حیدری صاحب بی ۔ اے معتمد محکمۂ فینانس ، جن کی قابل قدر خدمات اور وسیع تجربہ سے دولتِ آصفیہ مستفید ہو رہی ہے ، مجھے ایک شب ان شاندار مگر حسرت ناک گنبدوں کی زیارت کے لیے لے گئے جن میں سلاطین قطب شاہیہ سو رہے ہیں ۔ رات کی خاموشی ، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے چھن کے آتی ہوئی چاندنی نے اس پُر حسرت منظر کے ساتھ مل کر میرے دل پر ایسا اثر کیا جو کبھی فراموش نہ ہوگا ۔ ذیل کی نظم (گورستانِ شاہی) انھی بے شمار تاثرات کا ایک اظہار ہے ۔ اس کو میں اپنے سفرِ حیدر آباد کی یادگار میں مسٹر حیدری اور ان کی لئیق بیگم صاحبہ مسز حیدری کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں جنھوں نے میری مہمان نوازی اور میرے قیام حیدر آباد کو دلچسپ ترین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ۔''

(مخزن ، جون ۱۹۱۰ع)

(۲) جس غزل کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے وہ دیوانِ گرامی کے صفحہ ۳۲ پر موجود ہے ۔ اس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں :

اسیرِ عشق بناموس و ننگ در جنگ است
کہ عشق دشمن ناموس و رہزنِ ننگ است

عتابِ او ہمہ آفت خطابِ او ہمہ قہر
گرامی ایں چہ فسون است وویں چہ نیرنگ است

(۲)

ڈیر مولانا گرامی ۔

السلام علیکم ۔ آپ کا خط اسی روز پہنچا جس روز میں دہلی جا رہا تھا ۔ اشعار نے خوب مزا دیا ۔ کیا خوب کہا ہے :

ذوق وارفتگیٔ کنج کلبہانِ دہلی
ہر شعر اور ہر مصرع لاجواب ۔ کاش آپ بھی دہلی تشریف لاتے تو دو چار روز جو میں وہاں رہا خوب کٹ جاتے ۔

مہاراجہ صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی ۔ میں نے انہیں کے دولت خانے میں قیام کیا اور دل کو ان کے شکریوں سے مملو واپس لایا ۔ ملازمت کے متعلق انھوں نے مجھ سے گفتگو کی مگر کوئی خاص بات نہ تھی ، عام گفتگو تھی جس سے میں اُن کا عندیہ معلوم نہ کر سکا ۔ بہرحال مجھے بےتابی نہیں ۔ مقدر کا قائل جو شخص ہو اس کی طبیعت مطمئن رہتی ہے ۔ مجھ کو جہاں ہوں اپنے فرائضِ مفوضہ کی ادائیگی سے کام ہے ۔ خواہ لاہور میں ہوں خواہ لندن میں ہوں ، کسی خاص جگہ ملازمت کرنے کی خواہش بھی دل میں پیدا نہیں کرتا کیونکہ سراپا تن بہ تقدیر رہتا ہوں ۔ والسلام !

آپ کا مخلص
محمد اقبال

مولانا اکبر الہ آبادی کا کیا خوب شعر ہے :

گفت ہاشم بے سبب ز انگلش مرا اکراہ نیست
ہر کتابے را کہ بکشادیم بسم اللہ نیست

ہاشم ان لڑکے کا نام ہے ۔

تعلیقات

یہ خط ۱۹۱۰ع اور ۱۹۱۲ع کے درمیان کا معلوم ہوتا ہے ، ایک تو اس وجہ سے کہ اقبال کی ملاقات مہاراجہ سرکشن پرشاد سے مارچ ۱۹۱۰ع میں ہوئی تھی جب اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا تھا :

”گذشتہ مارچ میں مجھے حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا اوروہاں آستانۂ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہزایکسیلینسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای یمین السلطنت پیشکار وزیر اعظم دولتِ آصفیہ المتخلص بہ شاد کی خدمتِ بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر

بھی حاصل ہوا ۔ ہزایکسیلینسی کی نوازشِ کریمانہ اور وسعتِ اخلاق نے جو نقش میرے دل پر چھوڑا وہ میرے لوحِ دل سے کبھی نہیں مٹے گا ۔ مزید الطاف یہ کہ جناب ممدوح نے میری روانگی حیدر آباد سے پہلے ایک نہایت تلطف آمیز خط لکھا اور اپنے کلام شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا ۔ ذیل کے اشعار اس عنایتِ بے غایت کے شکریہ میں دل سے زبان پر بے اختیار آ گئے ۔ انھیں زبان قلم کی وساطت سے جناب مہاراجہ بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرأت کرتا ہوں ۔"

تشبیب کے بعد چند اشعار یہ ہیں :

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گذر
بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار

اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت
آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار

کی وزیر شاہ نے وہ عزت افزائی مری
چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار

مسند آرائے وزارت راجہٴ کیواں حشم
روشن اس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار

اس کی تقریروں سے رنگین گلستان شاعری
اس کی تحریروں پہ نظم مملکت کا انحصار

لیلیٔ معنی کا محمل اس کی نثر دل پذیر
نظم اس کی شاہد راز ازل کی پردہ دار

اس کے فیضِ پاک کی منت خواہ کانِ لعل خیز
بحر گوہر آفریں دستِ کرم سے شرم سار

سلسلہ اس کی مروت کا یوں ہی لا انتہا
جس طرح ساحل سے عاری بحر نا پیدا کنار

دل ربا اس کا تکلم خلق اس کا عطر گل
غنچہٴ دل کے لیے موج نفس باد بہار

ہو خطا کاری کا ڈر ایسے مدبر کو کہاں
جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار

ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر
خرقہ درویشی کا ہے زیر قبائے زر نگار

خاکساری جوہرِ آئینۂ عظمت بنی
دست وقف کار فرمائی و دل معروف یار

نقش وہ اس کی عنایت نے مرے دل پر کیا
محو کر سکتا نہیں جس کو مرور روزگار

شکریہ احسان کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

(مخزن، جون ۱۹۱۰ع)

دوسرے اس وجہ سے کہ گرامی کے جن اشعار کی تعریف کی ہے وہ جارج پنجم کے دربار دہلی ۱۹۱۱ع میں شرکت اور سیر دہلی کے بعد لکھے گئے تھے[1] - چند شعر ملاحظہ ہوں:

من و گلگشت دلآویز جہان دہلی
من و دہلی و دلآویزیٔ شانِ دہلی

ملکہ و جارج نشستند بر اورنگ شہی
اللہ اللہ کشش عزت و شانِ دہلی

جارج پنجم ہمہ مہر آصفِ ہفتم ہمہ شوق
جلوہ گر شاہ و شہنشہ بجہانِ دہلی

خبرم می دہد از معنی کجدار و مریز
ذوق وارفتگیٔ کج کلہان دہلی

شصت سالہ شدہ ام چشم کہ سی سالہ کند
در غلط بخشیٔ یک رطل گرانِ دہلی

۱- دیوان گرامی، مطبوعہ شیخ مبارک علی لاہور، صفحہ ۲۰۰-

شور دہلی بسر امروز گرامی دارد
بلبل سدرہ نوا سنج فغانِ دہلی

(۳)

لاہور - ۳ ستمبر ۱۹۱۲ء

مخدومی جناب مولانا مولوی گرامی صاحب

آپ کا تخلص گرامی کی جگہ ''نومی'' ہونا چاہیے کیونکہ آپ سوتے بہت ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ راون لنکا کے بادشاہ کی طرح آپ چھ ماہ سوتے ہیں اور چھ ماہ جاگتے ہیں -

حیدر آباد کی شاہی میں تبدیلی ہوئی[1] ، وزارت بدل گئی مگر آپ ابھی اُونگھ رہے ہیں - برائے خدا کبھی اپنی خیریت سے مطلع کیا کرو - آپ کے بہت سے لاہوری دوست استفسار حال کرتے ہیں تو مجھے یہی جواب دینا پڑتا ہے کہ مولانا گرامی آرام میں ہیں - اکثر تو یہ کہتے ہیں کہ ان کو خط لکھ کے جگائیے مگر اس کے لیے شور محشر کی ضرورت ہے - خطوں سے کیا ہوتا ہے - کب تک لاہور آنے کا قصد ہے؟ ہم نام اقبال[2] سلام قبول کریں - نیز ان سے یہ درخواست ہے کہ مولوی گرامی یعنی ''شیخ نامی'' سے جس طرح بن پڑے خط لکھوائیں - والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال از لاہور

تعلیقات

(۱) میر محبوب علی خاں کی وفات کے بعد میر عثمان علی خاں کے مسند نشین ہونے کی طرف اشارہ ہے جس کے ساتھ وزارت کی تبدیلی لازمی چیز تھی -

(۲) ''ہم نام اقبال'' سے مراد گرامی کی بیوی اقبال بیگم ہے جو شاعرہ تھی اور ترک تخلص کرتی تھی -

(۴)

لاہور ، ۴ دسمبر ۱۹۱۲ء

جناب گرامی ۔ السلام علیکم !

فارسی ادب کی چند نہایت عمدہ نظم و نثر اخلاق و تاریخ وغیرہ کتابوں کے نام تحریر فرمائیے جو آپ کے نزدیک نہایت عمدہ ہیں ۔ قدیم و حال کی تصانیف دونوں کے نام مطلوب ہیں ۔ اس خط کو نہایت ضروری تصور کیجیے ۔

آپ تو کبھی خط ہی نہیں لکھتے ۔ خدا جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے ۔ والسلام ! جواب جلد دیں ۔ تاکید ہے ۔

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

بظاہر معاملہ کتب نصاب کی ترتیب کا تھا ، خود اقبال کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا ۔ نیز انھیں نصابی کتابوں کے لیے بہ اعتبار درجات اخذ مطالب و انتخاب کا اندازہ بھی پورا تھا ۔ گرامی سے کتابوں کے نام طلب کرنے کا ایک پہلو تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس طرح فہرست زیادہ مکمل ہو جائے گی اور کوئی ضروری کتاب نظر انداز نہ ہونے پائے گی ۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گرامی اقبال کے نزدیک فارسی ادب پر گہری نظر رکھتے تھے ۔

(۵)

لاہور ۔ ۱۳ جولائی ۱۹۱۴ء

جناب مولانا گرامی !

آپ کہاں ہیں ؟ حیدر آباد میں ہیں یا عدم آباد میں ؟ اگر عدم آباد میں ہیں تو مجھے مطلع کیجیے کہ میں آپ کو تعزیت نامہ لکھوں ۔ صدیاں گزر گئیں کہیں آپ کا کلام دیکھنے میں نہیں آیا ۔ کبھی کبھی چند اشعار بھیج دیا کرو تو کون سی بڑی بات ہے ۔ میں تو اب بوجہ مشاغل منصبہ

کے تارک الشعر ہوں ۔ ہاں کبھی فرصت ملتی ہے تو فارسی اساتذہ کے اشعار پڑھ کر مزا اٹھا لیتا ہوں ۔ میری شاعری گھٹ کر اب اسی قدر رہ گئی ہے کہ اوروں کے اشعار پڑھ لوں ۔ گذشتہ سال ایک مثنوی[۱] فارسی لکھنی شروع کی تھی ۔ ہنوز ختم نہیں ہوئی ۔ اور اس کے اختتام کی امید بھی نہیں ۔ خیالات کے اعتبار سے مشرق اور مغربی لٹریچر میں یہ مثنوی بالکل نئی ہے ، لیکن آپ سے ملاقات ہو تو آپ کو اس کے اشعار سناؤں ۔ مجھے یقین ہے آپ اسے سن کر خوش ہوں گے ۔ کہیے ادھر آنے کا کب تک قصد ہے ؟ میں ایک عرصہ سے آپ کا منتظر ہوں ۔ خدا را جلد آئیے ۔ سب سے بڑا کام تو یہ ہے کہ آکر میری مثنوی سنیے اور اس میں مشورہ دیجیے ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔

امید ہے کہ بابا گرامی اچھا ہوگا اور نئے نکاح[۲] کی فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاتا ہوگا ۔ گھر میں میری طرف سے سلام کہہ دیجیے ۔

خط کا جواب جلد لکھیے اور نیز یہ کہ اپنے اشعار بھی بھیجیے ۔ میری مراد تازہ افکار سے ہے ۔

آپ کا خادم محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) یہ مثنوی ''اسرار خودی'' کی طرف اشارہ ہے ۔

(۲) اقبال بیگم سے گرامی کے بچہ کوئی نہ ہوا ۔ بعض دوستوں اور عزیزوں کے اصرار پر ایک مرتبہ اولاد ہی کی خاطر دوسری شادی کر لی تھی ۔ اقبال ہی نے گرامی کو اس مخمصے سے نجات دلائی تھی ۔ یہ داستان گرامی کے حالات میں تفصیلاً بیان ہو چکی ہے ۔ یہاں اقبال نے مزاحاً کہا کہ اب غالباً گرامی نئے نکاح کی فکر میں اپنے آپ کو نہ گھلاتا ہوگا ۔

(۶)

لاہور - ۱۸ جنوری ۱۵ع

جناب بابائے گرامی سلمہ !

آپ کا خط ابھی ملا جس کو پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی اور

غزل[1] سبحان اللہ آپ تو اس ولایت کے تاجدار ہیں ۔
ز دیدہ تا درِ دل ذرہ ذرہ ۔ ۔ ۔ الخ

سبحان اللہ کیا بات پیدا کی ہے ۔ حافظ کی روح گرامی کو دعا دیتی ہوگی ! تمام غزل مرصع ہے ۔ جزاک اللہ ۔

مثنوی ختم ہو گئی ہے[2] ۔ آپ تشریف لائیں تو آپ کو دکھا کر اس کی اشاعت کا اہتمام کروں مگر فروری مارچ تو محض وعدۂ معشوقانہ معلوم ہوتا ہے ۔ گرامی سے حیدر آباد نہیں چھوٹ سکتا ۔ کاش میں خود حیدر آباد پہنچ سکوں مگر یہ بات اپنے بس کی نہیں ، نہ یہاں کے حالات و مشاغل سفر کی اجازت دیتے ہیں نہ حیدر آباد کافی زور کے ساتھ کشش کرتا ہے ۔ آپ کی دعائے نیم شبی کو بھی معلوم ہوتا ہے ، آسماں تک رسائی نہیں ۔

حیدری صاحب خواہش مند ہیں کہ میں وہاں آؤں ۔ مگر ان کی خواہش کو دائرۂ عمل میں لانے کے اسباب نہیں ۔ میں خود قدرت کے ہاتھوں میں ایک بےحس ہستی کی طرح ہوں ، جدھر لے جائے گی چلا جاؤں گا ۔ سعی و کوشش میرے مذہب میں کفر نہیں تو گناہ ضرور ہے[3] ۔ بہر حال کچھ وہاں کے حالات لکھیے ۔ حیدری صاحب سے کبھی کبھی ضرور ملا کیجیے ۔ بڑی خوبی کے آدمی ہیں اور ماسٹر غلام محی الدین صاحب[4] بھی نہایت ہوشیار اور اپنے فرائض کے ادا کرنے میں چست ہیں ۔ میرا ان سے سلام کہیے ۔

اردو اشعار لکھنے سے دل برداشتہ ہوتا جاتا ہوں ۔ فارسی کی طرف زیادہ میلان ہوتا جاتا ہے اور وجہ یہ کہ دل کا بخار اردو میں نکال نہیں سکتا ۔ چند اشعار عرض کرتا ہوں[5] :

بیار بادہ کہ گردوں بکام ما گردید
مثال غنچہ نواہا ز شاخسار دمید

خورم بیادِ تنک نوشئی امام حرم
کہ جز بصحبتِ یارانِ راز دان نہ چشید

چناں ز نقش دوئی شست لوح خاطر خویش
کہ وحشئی تو ہم از آہوے خیال رمید

فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت
چراغ راہ حیات است جلوۂ امید
نوا ز حوصلۂ دوستاں بلند تر است
غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید
تو ہم ز آتش اقبال شعلۂ بر دار
کہ درسِ فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

محمد اقبال

اور کیا لکھوں خط کا جواب جلد لکھیے اور مفصل حالات سے آگاہ کیجیے۔ اس غزل کو بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے۔

تعلیقات

(۱) گرامی کی اس غزل کی طرف اشارہ ہے جس کے دو شعر حسب ذیل ہیں:

اسیرِ گوشۂ چشم تو شہسوارانند | شہیدِ نیم نگاہِ تو شہریارانند
گماں مبر کہ دل و دیدہ راز دار انند | ز دیدہ تا درِ دل ذرہ ذرہ غمازست

(دیوانِ گرامی صفحہ ۳۹)

(۲) مثنوی اسرار خودی کی تکمیل کی اطلاع دے کر چاہتے تھے کہ اشاعت سے پیشتر کسی ماہرِ ادب فارسی کو سنا لیں۔ ان میں سے اقبال کے نزدیک ایک گرامی تھے۔ علاوہ بریں خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی بھی بہت بلند پایہ فارسی شاعر و ادیب سمجھے جاتے تھے جیسا کہ بعد کے ایک خط میں فرمایا۔

(۳) مطلق سعی و کوشش مراد نہیں، جس کے لیے پر تاثیر دعوت اقبال کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین رہا۔ یہاں صرف حصول ملازمت کے لیے سعی و کوشش مراد ہے، جیسا کہ سیاق عبارت سے واضح ہے اور اقبال کی فطرت و طبیعت کو اس سعی سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی۔

(۴) ماسٹر غلام محی الدین صاحب غالباً گرامی کے کوئی ملنے والے تھے جو حیدر آباد میں ملازم تھے۔

(۵) اقبال نے جو غزل گرامی کو ارسال کی وہ "پیام مشرق" میں شامل ہو چکی ہے ۔ اس میں تیسرا شعر حذف کر کے مقطع سے پہلے اس شعر کا اضافہ کیا گیا ہے :

عیار معرفتِ مشتری است جنسِ سخن   خوشم از انکہ متاعِ مرا کسے نخرید

اور مقطع کا پہلا مصرع یوں تبدیل کیا گیا ہے :

ز شعرِ دل کشِ اقبال می تواں دریافت

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۸۴ - ۱۸۵)

(۷)

لاہور - ۲۸ جنوری ۱۵ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم

آپ کا خط ملا ، غزل پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی :

بہ دست عقل دہند از شکست توبہ کلید

نے پہروں بے قرار رکھا اور "تمام خندہ بگرئیم[۱]" سبحان اللہ ! آج ہندوستان میں کون ہے جو یہ تبرک لکھ سکتا ہے ۔

"ز دیدہ تا در دل ذرہ ذرہ غماز است ۔" میں نے یہ شعر مولانا اکبر کو الہ آباد لکھ کر بھیجا تھا ۔ کل ان کا خط آیا ۔ اس شعر نے انہیں بھی تڑپا دیا ۔ غرضکہ گرامی معجز نگار ہندوستان کے لیے سرمایۂ ناز ہے اور آج ایران میں بھی ایسا سحر طراز نہ ہوگا ۔ زندہ باش اے پیرِ کہن ! ہاں چند اشعار[۲] اور لکھتا ہوں ۔ اس خیال سے نہیں کہ اپنے اشعار سناؤں بلکہ اس خیال سے کہ شاید آپ کو تحریک ہو اور آپ سے نئے اشعار سنوں :

خوش آنکہ رخت خرد را ز شعلۂ می سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

دلم تپید ز محرومئ فقیہِ بزرگ
کہ پیر مے کدہ جامے بفتویٰ نہ فروخت

مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستان کن
بہار خرقہ فروشی بہ صوفیان آموخت

عجب مدار ز سر مستیم کہ پیرِ مغان
قبایؑ رندیؑ حافظ بہ قامت من دوخت

صبا بہ مولدِ حافظ سلام ما برسان
کہ چشمِ نکتہ وران خاکِ آن دیار افروخت

میں نے یہ اشعار مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب کو لکھے تھے کہ وہ رسالہ تزک عثمانیہ میں انہیں شائع کرنا چاہتے تھے۔

ہاں! آپ نے یہ نہ فرمایا کہ قدرت کیا سامان پیدا کر رہی ہے۔ مجھے تو بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ خدائی کارخانے کا حال معلوم نہیں۔

حیدری صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں اور نہایت بامذاق، آپ ان سے ضرور ملا کریں۔ شیخ غلام محی الدین صاحب ملیں تو میرا سلام ان سے کہیے۔ اخباروں میں کبھی کبھی یہ خبر شائع ہو جایا کرتی ہے کہ سید علی امام[۳] وزیر حیدر آباد ہوں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور نظام نے جو حال میں ملاقات وائسرائے سے کی ہے اس کا مقصد وزارت کے متعلق گفتگو کرنا تھا۔ کیا آپ کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ مہاراجہ سر کشن پرشاد پھر مدار المہام ہو جائیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اپنی خیریت سے آگاہ فرمائیے اور خط کا جواب مع اشعار جلد مرحمت فرمائیے۔ آپ کب تک پنجاب آنے کا قصد کرتے ہیں۔ آپ کے مشتاق منتظر ہیں۔

والسلام
محمد اقبال، لاہور

تعلیقات

(۱) ''تمام خندہ بگریند'' کا استعمال گرامی نے اس شعر میں کیا ہے:

تمام خندہ بگریند و گریہ می خندند بر آسمان تصرف چہ برق و باراںند
(دیوان گرامی، صفحہ ۹۴)

(۲) اقبال نے جو غزل اس خط میں مولانا گرامی کو ملاحظہ کے لیے بھیجی تھی ، وہ ''پیامِ مشرق'' میں مندرجہ ذیل تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہوئی ہے :

مطلع کے پہلے مصرع میں صرف ایک لفظ بدلا گیا یعنی ''ز شعلہؑ می سوخت'' کی جگہ ''بہ شعلہؑ می سوخت'' کیا گیا ہے ۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''فقیہ بزرگ'' کو ''فقیہ حرم'' بنا دیا گیا ہے ۔

چوتھے شعر کو دوسرے شعر کی جگہ دی گئی ہے اور پانچواں شعر بالکل حذف کرکے آخری مصرع میں ''مولد حافظ'' کو ''گلشنِ ویمر'' سے تبدیل کیا گیا ہے :

صبا بہ گلشنِ ویمر سلام ما برساں

ویمر جرمنی کا ایک شہر ہے جہاں گوئٹے نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ بسر کیا اور بعد انتقال وہیں دفن ہوا ۔ (پیام مشرق ، صفحہ ۱۸۳ - ۱۸۴)

(۳) سر سید علی امام بیرسٹر ایٹ لاء ۱۱ فروری ۱۸۶۹ء کو پٹنہ (بہار) کے قصبہ نیوره میں پیدا ہوئے ۔ وہ گزشتہ دور میں ملت اسلامیہ کے ایک جلیل القدر فرزند تھے ، وہ پہلے مسلمان تھے جو وائسرائے ہند کی مجلس انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے اور پہلے ہندوستانی تھے جو ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے جنیوا کی لیگ آف نیشنز میں شرکت کے لیے بھیجے گئے ۔ اگست ۱۹۱۹ء میں حضور نظام نے طلب کرکے صدر المہام مقرر کیا جو اب حکومت کے قیام کے بعد مدار المہام کے منصب کا نیا نام تجویز ہوا تھا ۔ یہاں انھوں نے ریاست کی ترقی کے لیے کئی منصوبے تیار کیے ۔ ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے کہ بیمار ہو کر واپس چلے آئے اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو انتقال فرما گئے ۔ ان کی سیاست دانی اور قانونی قابلیت تو مسلم تھی ہی ، ان کے خمیر میں اسلامی اخلاق و آداب بھی کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے ۔ قرآن مجید کی آیات ، عربی قصائد کے اشعار اور فارسی محاورات بات بات پر ان کے منہ سے نکلتے تھے (زمانہ کانپور ، دسمبر ۱۹۳۲ء) ۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے ''ملوجا'' جہاز میں اقبال ان کے ہم سفر تھے ۔ ۲۱ ستمبر

۱۹۳۱ء کے ایک خط میں جو اسی جہاز سے کسی دوست کے نام لکھا گیا، اقبال فرماتے ہیں:

"سید علی امام صاحب . . . . ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میل و فرسنگ کا حساب کرکے کہنے لگے دیکھو بھائی اقبال! اس وقت ہمارا جہاز ساحل مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھ نمناک ہو گئی اور بے اختیار ہو کر بولے:

بلّغ سلامی روضة فیها النبی المحترم

ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا"

(گفتار اقبال ص ۱۴۳)

اقبال نے "اسرار خودی" انھی کے نام معنون کی تھی۔ پہلے ایڈیشن میں پیشکش کے انیس شعر تھے، دوسرے میں مندرجہ ذیل آٹھ رہ گئے اور اس کے بعد بالکل حذف ہو گئے:

اے امام! اے سید والا نسب   دودمانت فخر اشراف عرب
سلطنت را دیدہ افروز آمدی   عقل کل را حکمت آموز آمدی
آشنائے معنیٔ بیگانہ   جلوۂ شمع مرا پروانہ
مرغ فکرم گلستان ہا دیدہ است   از ریاض زندگی گل چیدہ است
ایں گل از تارِ رگِ جان بستہ ام   تازہ تر در دست تو گلدستہ ام
ملت ار جسم است شاعر چشم اوست   جسم را از چشم بینا آبروست
چشمم از نور محبت روشنم   اشک بار از دردِ اعضاے تنم

نذر اشک بے قرار از من پذیر
گریۂ بے اختیار از من پذیر

(۸)

لاہور - ۵ مئی ۱۹۱۵ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم!

عرصہ ہوا میں نے دو چار خطوط آپ کی خدمت میں لکھے مگر آپ

کے تساہل نے ایک کا جواب نہ دیا ۔ عصائے پیر تو مدت ہوئی محو خواب تھا ، اب معلوم ہوتا ہے خود پیر بھی خواب میں ہیں ۔

بندۂ خدا کبھی کبھی اپنی خیریت سے تو مطلع کر دیا کرو ۔ بوڑھے ہو کر جوانانِ رعنا کی ناز فرمائیاں چہ معنی دارد ۔

مثنوی ختم ہو گئی ، اب اس کی اشاعت کا اہتمام در پیش ہے ۔ چھپ جانے پر انشاءاللہ ارسالِ خدمت کروں گا ۔ کاش ! آپ یہاں ہوتے یا میں حیدر آباد میں ہوتا تو پریس میں جانے سے پہلے آپ کے ملاحظہ سے گذر جاتی ۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ حیدر آباد تو دور ہے لکھنؤ جا کر خواجہ عزیز[1] کو سنا آؤں ۔ لیکن لاہور کے علائق نہیں چھوڑتے ۔ دیباچہ کے چند اشعار عرض کرتا ہوں[2] :

صورتِ خورشید نو زائیدہ ام	رسم و آئینِ فلک نادیدہ ام
رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز	ہست نا آشفتہ سیابم ہنوز
بحر از رقصِ ضیایم بے نصیب	کوہ از رنگِ حنایم بے نصیب
خوگرِ من نیست چشم ہست و بود	لرزہ برتن خیزم از خوفِ نمود
بامم ازخاور رسید و شب شکست	شبنم نو بر گلِ عالم نشست

انتظارِ صبح خیزان می کشم
اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمائیے اور مفصل خط لکھیے ۔ جواب کا انتظار رہے گا ۔

محمد اقبال لاہور

تعلیقات

(۱) خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی ہندوستان کے فارسی گو شعراء میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے ۔ ان کے والد خواجہ امیر الدین دارا بو شال و پشمینہ کی تجارت کے سلسلے میں کشمیر سے لکھنؤ آئے ۔ خواجہ عزیز لکھنؤ میں ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں پیدا ہوئے اور کچھ عرصہ کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے پروفیسر بھی رہے ۔ ان کی تصنیف کردہ کتابوں میں مثنوی

ید بیضا ، قیصر نامہ ، اورنگ حضوری اور ہفت بند عزیزی بہت مشہور ہیں ۔ مثنوی ارمغانِ احباب بھی لکھی تھی مگر چھپ نہ سکی ۔ ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ع) میں انتقال ہوا ۔ کلیات وفات سے کئی سال بعد خواجہ صاحب کے سب سے چھوٹے فرزند حافظ خواجہ وصی الدین ڈپٹی کلکٹر ریٹائرڈ نے طبع کرایا اور اس کا ایک نسخہ علامہ اقبال کو بھیجا ۔ علامہ نے شکریے کا جو خط لکھا وہ ''انوار اقبال'' مطبوعہ اقبال اکیڈمی کراچی ، صفحہ ۵ - ۸ پر ملاحظہ فرمائیے ۔

(۲) مثنوی کے جو اشعار اس خط میں درج ہیں وہ معمولی سی تبدیلیوں کے ساتھ ''اسرارِ خودی'' میں چھپ چکے ہیں ۔ مثلاً پہلے شعر کے مصرع اول کو یوں تبدیل کیا گیا ہے :

در جہان خورشیدِ نو زائیدہ ام

چوتھے شعر کے مصرع ثانی کو یوں بدلا گیا ہے :

لرزہ بر تن خیزم از بیم نمود

(اسرار و رموز ، صفحہ ۴)

(۹)

لاہور

۱۸ دسمبر ۱۹۱۶ع

شاعرِ خاص حضور نظام جناب مولانا گرامی !

میں بڑے دنوں کی تعطیلوں میں کہیں باہر نہ جاؤں گا ۔ علاوہ اس کے شیخ عبدالقادر[۱] بھی اسی خیال سے لاہور میں قیام کریں گے کہ شاید مولانا گرامی لاہور آ نکلیں ، مالیر کوٹلے کے نواب ذوالفقار علی خاں[۲] بھی آپ سے ملنے کے بہت شائق ہیں ۔ غرض کہ یہ خط صرف اقبال کی طرف سے نہ سمجھیے بلکہ اقبال و ذوالفقار و قادر کی طرف سے تصور کیجیے ۔ بھلا جس کو اقبال و ذوالفقار خود دعوت دیں وہ کیوں کر انکار کر سکتا ہے کہ تمام زمانہ ان دو چیزوں کی تلاش میں سرگرداں ہے ۔ اگر اکیلے سفر محال ہو تو میں یہاں سے اپنے ملازم علی بخش دو بھیج دوں ، وہ آپ کو ہوشیار پور

سے ساتھ لے آئے گا، کوئی تکلیف نہ ہوگی - سردی بھی ایسی شدید نہیں کہ مانع سفر ہو - غرض یہ کہ ضرور تشریف لائیے - مندرجہ ذیل زمین۳ میں غزل بھی لکھتے لائیے - زیادہ کیا عرض کروں، انکار نہ ہو ورنہ ہمارا آپ کا کوئی یارانہ نہیں -

خوش آں کہ رخت خرد را ز شعلۂ می سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستان کن
بہار، خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت
مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برق نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

محمد اقبال - انار کلی لاہور
۱۸ دسمبر ۱۶ء

تعلیقات

(۱) شیخ عبدالقادر ۱۸۷۴ء میں بمقام لدھیانہ پیدا ہوئے - آبائی وطن قصور تھا - ۱۸۹۴ء میں فورمن کرسچن کالج لاہور سے بی - اے کیا، ۱۸۹۵ء میں لاہور کے انگریزی اخبار "آبزرور" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر اور تین سال بعد چیف ایڈیٹر مقرر ہوئے - ۱۹۰۱ء میں اردو کا ماہانہ رسالہ "مخزن" نکالا - ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لیے لندن گئے - واپس آ کر دلی میں وکالت شروع کی - ۱۹۰۹ء میں لاہور چلے آئے - ۱۹۱۱ء میں لائل پور سرکاری وکیل ہو کر گئے اور آٹھ سال تک رہے - ۱۹۲۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج اور ۱۹۲۲ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے صدر نامزد ہوئے - ۱۹۲۵ء میں وزیر تعلیم مقرر کیے گئے - ۱۹۲۶ء میں ہندوستان کے نمائندہ ہو کر جنیوا گئے - ۱۹۲۶ء ہی میں مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی اور اس سے اگلے سال مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس مدراس کی صدارت کی - ۱۹۲۸ء میں پنجاب ایگزیکٹو کونسل کے رکن بنے اور سر کا خطاب پایا - ۱۹۲۹ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن اور ۱۹۳۰ء میں لاہور ہائی کورٹ کے

ایڈیشنل جج نامزد ہوئے - ۱۹۳۴ء میں انڈیا کونسل کے ممبر ہوئے اور پانچ سال لندن میں رہے جہاں سے واپس آ کر ۱۹۴۲ء میں بہاول پور ہائی کورٹ کے چیف جج ہو گئے - ۱۹۴۵ء میں واپس آ کر لاہور میں مقیم ہوئے اور یہیں ۹ فروری ۱۹۵۰ء کو ۷۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

آپ نے وقت کے بڑے بڑے اعزاز حاصل کیے ۔ مگر دنیا انہیں ''مخزن'' کے ایڈیٹر اور اردو کے سرپرست کی حیثیت سے یاد رکھے گی کیوں کہ علمی اور ادبی احترام کے آگے دنیا کے سارے اعزاز ہیچ ہیں ——— اقبال سے آپ کے ذہنی تعلقات اور دلی یک جہتی کا اندازہ اس قطعے سے ہوتا ہے جو ''عبدالقادر کے نام'' کے عنوان سے ''بانگ درا'' کی زینت ہے۔ ادھر ''بانگ درا'' کا دیباچہ شیخ صاحب کی اقبال شناسی اور مزاج دانی کا ثبوت ہے ۔ اُردو تصنیف ''مقام خلافت'' اور انگریزی کتاب ''ادبیات اردو کا دبستان جدید'' کے علاوہ متعدد مضامین و مقالات شیخ صاحب کے علمی و ذہنی مشاغل کی یادگار ہیں۔

(۲) نواب سر ذوالفقار علی خاں ریاست مالیر کوٹلہ کے حکمران خاندان کے چشم و چراغ تھے ، جس کی بنیاد سلاطین لودھی نے رکھی تھی - آپ ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے - ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ آپ کے والد نواب غلام محمد خاں فوت ہو گئے اور جاگیر کا انتظام کورٹ آف وارڈ کے ذریعے ہوتا رہا - آپ کی ابتدائی تعلیم چیفس کالج لاہور میں ہوئی جہاں سے ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف - اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۹۷ء میں بغرض تعلیم یورپ تشریف لے گئے - کچھ عرصہ پیرس یونیورسٹی میں پھر انگلستان جا کر کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم و تربیت حاصل کی - ۱۹۰۰ء میں واپس آئے اور مالیر کوٹلہ کی بجائے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی۔

آپ کو عوام کی خدمت اور ملک کے سیاسی و اقتصادی امور میں دل چسپی لینے کے بے شمار مواقع ملے - آپ نے بمبئی کے مشہور انگریزی رسالہ ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' میں کئی مضامین لکھے جن کی وجہ سے آپ کا علمی اور سیاسی حلقوں میں خاصا رسوخ ہو گیا - اسی سلسلے میں آپ کی

ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی ، جو گہری اور مخلصانہ دوستی کی صورت اختیار کر گئی ۔ آپ کا دولت خانہ "زر افشاں" لاہور کی اعلیٰ سوسائٹی کا مرکز تھا ۔ ۱۹۰۹ء میں آپ امپیریل ایجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور پھر تمام عمر مجلس آئین ساز کے ممبر رہے ۔ عرصہ تک پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے صدر بھی رہے ۔ کئی سال انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر رہے ۔ آپ اٹھارہ بیس برس تک پنجاب چیفس ایسوسی ایشن کے آنریری سیکریٹری بھی رہے ۔

نواب ذوالفقار علی خاں نے متعدد کتابیں انگریزی اور اردو میں تصنیف فرمائیں جن میں سوانح عمری مہاراجہ رنجیت سنگھ (اردو) "اے وائس فرام دی ایسٹ" (علامہ اقبال کی شاعری پر پہلا قابل ذکر تبصرہ ہے جو انگریزی میں شائع ہؤا) اور سوانح شیر شاہ سوری بہت مشہور ہیں ۔

۱۹۱۰ء میں آپ ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور تقریباً تین سال رہے ۔ جدید اصلاحات نافذ ہونے کے بعد ۱۹۲۰ء میں آپ مشرق پنجاب کے حلقہ کی طرف سے کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر منتخب ہوئے اور مسلمانوں کے مسلمہ رہنما تسلیم کیے جانے لگے ۔ ۱۹۲۶ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ۔ ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کی طرف سے مجلس اقوام میں مندوب مقرر کیے گئے ۔ ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح ڈیرہ دون میں آپ کا انتقال ہؤا اور مالیر کوٹلہ میں دفن کیے گئے ۔ اقبال وہاں پہنچے لیکن جنازے میں شریک نہ ہو سکے ۔

(۳) یہ اشعار پیام مشرق کے صفحہ ۱۸۳ پر اسی طرح موجود ہیں ۔ صرف پہلے شعر کے مصرع اولیٰ میں "از شعلہ" کی بجائے "بہ شعلہ" کر دیا گیا ہے ۔

(۱۰)

لاہور

۸ فروری ۱۹۱۷ء

ڈیر گرامی السلام علیکم ۔

شریعت اسلامیہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران میں

اگر دشمن صلح کے خیال سے اپنے قلعے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی فوج کو پراگندہ کر دے اور بعد میں اس کا خیال صلح غلط ثابت ہو یعنی صلح نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر حملہ نہ کریں جب تک کہ وہ بار دیگر اپنی فوجوں کو مرتب نہ کر لے اور اپنے قلعوں کو تعمیر نہ کر لے ۔ اس مسئلے اور اس کے مفہوم کو میں نے مندرجہ ذیل اشعار[1] میں نظم کیا ہے ۔ بنظر اصلاح دیکھ کر واپس فرمائیے ۔

لاہور آنے کا کب تک قصد ہے؟ اب تو سردی گئی ۔ لاہور کے سخن فہم آپ کے منتظر ہیں ۔ ہر روز کوئی نہ کوئی آدمی آپ کے متعلق دریافت کرتا ہے کہ مولانا گرامی لاہور تشریف لائے ہیں یا نہیں ۔ افسوس ہے کہ مجھے ہر دفعہ "نہیں" کہنا پڑتا ہے ۔

اشعار

از خیال صلح گردد بے خطر	روز ہیجا لشکر اعدا اگر
بشکند حصن و حصار خویش را	گیرد آسان روزگار خویش را
بست یورش بر دیار او حرام	تا نہ گیرد باز کار او نظام
زیستن اندر خطرہا زندگی ست	سر این فرمان حق دانی کہ چیست
شعلہ باشی وا شگافی کام سنگ	شوع می خواہد کہ اندر صلح و جنگ
تو می نہد الوند پیش روے تو	آزماید قوت بازوے تو
از تف خنجر گداز الوند را	باز گوید سرمہ ساز الوند را
زندگی قوت از پیکار گیرد زندگی[2]	از تن آسانی بہ میرد

تیسرے شعر میں لفظ یورش اور آخری شعر میں لفظ پیکار کھٹکتا ہے ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زندگی مزاحمت پر غالب آنے سے قوی تر ہوتی ہے ۔ کوئی لفظ جو پیکار سے بہتر ہو تجویز فرمائیے ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ اس خط کا جواب جلد ملے ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خط بھی پہلے کی طرح آپ کی فراموشی کا شکار ہو جائے ۔ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا خط آیا تھا ، بمبئی جا رہے ہیں ۔

حضور نظام بھی وارنگل سے بمبئی چلے گئے ۔ والسلام !

مخلص
محمد اقبال ، لاہور
۸ فروری ۱۹۱۷ء

تعلیقات

(۱) جو اشعار اس خط میں بھیجے گئے وہ "اسرار و رموز" کے صفحہ ۱۴۷ پر درج ہیں ۔ ان میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں :

پہلے شعر کا دوسرا مصرع یوں بنا دیا گیا ہے :

بر گمان صلح گردد بے خطر

تیسرے شعر کا مصرع ثانی یوں ہے :

تاختن بر کشورش آمد حرام

پانچویں شعر میں یوں ترمیم کی گئی ہے :

شرع می خواہد کہ چوں آئی بہ جنگ   شعلہ گردی واشگافی کام سنگ

(۲) آٹھویں شعر کے مصرع ثانی کی جگہ گرامی نے یہ مصرع تجویز کیا :

درس از سیاب گیرد زندگی

مگر اس مصرع کو اقبال نے اپنے مصرع کی جگہ کے لیے موزوں نہ سمجھا کیوں کہ ان کا مضمون دوسرا تھا ۔ ان کے نزدیک حقیقی زندگی یہ تھی کہ انسان راستے کی رکاوٹوں پر غالب آئے ۔ اس بنا پر انھوں نے پورا شعر ہی بدل دیا مگر بعد میں اسے بھی قلم زد کر دیا :

زندگانی سوختن سوزیدن است   خویش را برسنگ رہ دو زیدن است

اور آخر میں اس شعر کا اضافہ کیا :

نیست میش ناتوانے لاغرے   در خور سر پنجۂ شیر نرے

(۱۱)

۱۲ فروری ۱۷ء

جناب مولانا بابا گرامی - السلام علیکم !

آپ کا والا نامہ ملا ۔ سبحان اللہ کیا عمدہ غزل لکھی ہے ۔ اسی واسطے

آپ کی جدائی میں آہ نکلتی ہے مگر آپ ہیں کہ جگہ سے نہیں ہلتے ۔

''درس از سیماب گیرد زندگی'' لاجواب مصرع[1] ہے مگر اس مقام کے لیے موزوں نہیں ۔ یہاں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حقیقی زندگی یہ ہے کہ انسان اپنی راہ کی رکاوٹوں پر غالب آئے ۔ یعنی بالفاظ دیگر زندگی کی کنہ استیلا ہے ۔ میں نے اس شعر کی جگہ مندرجہ ذیل شعر لکھا ہے ۔ آپ کا مجوزہ مصرع کسی اور جگہ کام دے گا :

زندگانی سوختن سوزیدن است ۔۔۔ خویش را برسنگ رہ دو زیدن است

اس شعر کو ملاحظہ فرمائیے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے ۔

حیدر آباد ہائیکورٹ میں ایک ججی خالی ہوئی ہے ۔ یعنی سید ہاشم بلگرامی انتقال کر گئے ۔ پنجاب کے ایک اخبار[2] نے میرا نام اس جگہ کے لیے تجویز کیا ہے ۔ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا ہے ، لیکن مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ۔ عرصہ ہوا حیدری صاحب سے خط و کتابت بھی نہیں ہوئی ۔ مہاراجہ کشن پرشاد کا خط وارنگل سے آیا تھا ۔ غالباً وہ اور حضور نظام اب بمبئی میں ہوں گے ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام !

مخلص

محمد اقبال

لاہور ۔ ۱۲ فروری ۱۷ء

تعلیقات

(۱) اقبال نے ۸ فروری ۱۹۱۷ء کے خط میں ''رموز بے خودی'' کے جو چند اشعار مولانا گرامی کو ملاحظہ کے لیے بھیجے تھے ، ان میں ایک شعر یہ بھی تھا :

از تن آسانی بہ میرد زندگی ۔۔۔ قوت از پیکار گیرد زندگی

اس میں ''پیکار'' کا لفظ اقبال کو کھٹکتا تھا ۔ مولانا گرامی نے اسی لیے یہ

لاجواب مصرع تجویز کیا تھا :

درس از سیماب گیرد زندگی

(۲) سید ہاشم بلگرامی کے انتقال سے حیدر آباد ہائیکورٹ میں جو ججی خالی ہوئی تھی اس کے لیے میونسپل گزٹ لاہور کے ایڈیٹر منشی دین محمد نے اقبال کا نام تجویز کیا تھا اور اسی مضمون کا ایک خط مہاراجہ سرکشن پرشاد کی خدمت میں بھی بھیجا تھا ۔ مہاراجہ نے ان کے عریضے کے جواب میں جو کچھ لکھا تھا اس کا شکریہ اقبال نے اپنے ۱۸ مارچ ۱۷ء کے خط میں ادا کیا تھا ۔ یہ خط ''شاد اقبال'' کے صفحہ ۳۷ و ۳۸ پر موجود ہے ۔ پنجاب اور یو ۔ پی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دور دور سے مبارکباد کے تار بھی اقبال کے پاس آ گئے (شاد اقبال ، صفحہ ۴۲ - ۴۳) اخبار مخبر دکن سے جب یہ معلوم ہوا کہ حیدر آباد ہائیکورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک نام اقبال کا بھی ہے تو اقبال نے اس خیال سے کہ ان کا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے ، اپنی تعلیمی فتوحات اور تصنیفی خصوصیات کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ کر ۱۵ اپریل ۱۷ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد کی خدمت میں ارسال کیا (شاد اقبال ، صفحہ ۴۴ - ۴۶) مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ اقبال کے لیے کوئی ایسی مشغولیت پیش آ جائے جو ان کے اصل کام پر اثر انداز ہو ۔

(۱۲)

لاہور ۔ ۱۹ فروری ۱۷ء

ڈیر گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی مل گیا ہے ۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے ۔ سردی گئی گرمی شروع ہو گئی اورگذر بھی جائے گی مگر آپ ہوشیارپور سے نہ ہلیں گے ۔ الحمد للہ کہ آپ کو شعر پسند ہوا ۔ آج کل حضرت حسین کے واقعۂ شہادت کا تاریخی مفہوم نظم کر رہا ہوں ۔ اس میں ضمناً چند شعر

عقل اور عشق پر ہیں جو عرض کرتا ہوں :[۱]

عقل سفاک است و او سفاک تر　　پاک تر، چالاک تر، بے باک تر
عقل در پیچاکِ اسباب و علل　　عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل
عقل را سرمایہ از بیم و شک است　　عشق از عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تا ویراں کند　　این کند ویراں کہ آباداں کند

بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرما کر واپس کیجیے ۔

میرے حیدر آباد جانے کی خواہش تو آپ کو ایک عرصہ سے ہے ۔ کچھ عجب نہیں کہ آپ کا جذب دل رنگ لائے اور کوئی سامان پیدا ہو جائے ۔ اگر ایسا ہو تو آپ کی فارسیت سے استفادہ کا موقع ملے ۔ اخباروں میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مجھے کوئی علم نہیں اور نہ حیدر آباد کے حالات سے واقفیت ہے ۔ آخر وہاں بھی تو اس عہدہ کے امیدوار ہوں گے اور وہاں کی گورنمنٹ حیدر آبادیوں کو چھوڑ کر ایک غیر ملکی کو کیوں ترجیح دینے لگی ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جس اخبار میں میرے متعلق لکھا گیا تھا ، اس کی کاپیاں حیدر آباد کے بعض امرا کے نام بھیجی گئی ہیں اور اخبار بھی لکھ رہے ہیں ۔ مہاراجہ بہادر کو اس واسطے لکھنے کی ضرورت نہیں کہ ان کو اخبار سے خود ہی معلوم ہو جائے گا ۔ حیدری صاحب کمزور آدمی ہیں اگر وہ کوشش کریں تو ممکن ہے مگر اس معاملے میں میرا لکھنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ان کو لکھنے سے فائدے کی توقع ہے تو ضرور لکھیے ۔ بلکہ جہاں کہیں اور بھی آپ کے خیال میں ضروری ہو لکھ ڈالیے ۔ باقی خیریت ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام ! ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اس خط میں جو اشعار درج ہیں وہ اسرار و رموز کے صفحہ ۱۲۵ پر موجود ہیں البتہ دوسرے اور تیسرے شعر کے درمیان اس شعر کا اضافہ ملتا ہے :

عشق صید از زورِ بازو افگند　　عقل مکار است و دامے می زند

تیسرے شعر کے دوسرے مصرع کو یوں تبدیل کیا گیا ہے :

عشق را عزم و یقین لاینفک است

(۱۳)

لاہور - ۲۲ مارچ ۱۷ء

مخدومی مولانا گرامی - السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ خیریت ہے - میری طبیعت ابھی تک روبراہ نہیں ہوئی لیکن پہلے کی نسبت بہت آرام ہے - والحمد للہ علیٰ ذالک - والدِ مکرم اب لاہور نہ آئیں گے کیوں کہ اب ان کا ضعفِ پیری سفر کی اجازت نہیں دیتا - البتہ میں ان کی خبر گیری کے لیے آج سیالکوٹ جاؤں گا ، پرسوں واپس آ جاؤں گا -

اپریل میں ضرور تشریف لائیے ، خوب رونق ہوگی - ایک آدھ شعر ذوالفقار علی خاں کے متعلق بھی لکھ ڈالیے -[۱] ذوالفقار کے نام میں ایک ذخیرہ مضمون کا ہے - میری طبیعت اچھی نہیں اس واسطے کوئی نئی نظم شاید نہ لکھ سکوں - ہو سکا تو کوئی پرانی نظم پڑھ دوں گا - باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے - امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا -

حضور نظام اور مہاراجہ سرکشن پرشاد ابھی بمبئی میں ہیں ، ۲۴ کو حیدر آباد آجائیں گے - منشی دین محمد[۲] ایڈیٹر میونسپل گزٹ نے اپنے اخبار میں میرے متعلق بڑے زور سے لکھا تھا اور ساتھ ہی مہاراجہ بہادر کو ایک خط بھی لکھا تھا کہ وہ کوشش کریں - اس خط کے جواب میں مہاراجہ بہادر نے منشی دین محمد کو لکھا ہے کہ اقبال سے اُن کو بڑی عقیدت ہے اور وہ ہر ممکن کوشش اس معاملہ میں کریں گے اور چند روز تک اُن کی کوشش کا عملی ظہور ہوگا - غرض کہ یہ لب لباب ان کے خط کا ہے ، جو میں نے عرض کیا ہے - منشی دین محمد نے مہاراجہ صاحب کا خط مجھے دکھایا تھا - میں نے بھی انہیں شکریہ کا خط لکھا ہے ، زیادہ کیا عرض کروں -

مندرجہ ذیل اشعار[۳] کو تنقیدی نگاہ سے دیکھیے - مضمون یہ ہے کہ

دنیا کی قوتوں کو سمجھنا اور ان کو قابو میں لانا چاہیے :

عالمِ ایجاد لوح سادہ نیست این کہن ساز از نوا اُفتادہ نیست
برق آہنگ است ہشیارش زنند خویش را چوں زخمہ برتارش زنند

پہلے شعر کا پہلا مصرع کھٹکتا ہے والسلام ! گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے ۔

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) اس خط میں اقبال مولانا گرامی کو انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس میں شریک ہونے اور نظم پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں ۔ گرامی تشریف لائے اور انھوں نے انجمن کے پلیٹ فارم سے جو مثنوی ارشاد فرمائی ، اس میں نواب سر محمد ذوالفقار علی خاں کے متعلق یہ اشعار قابل ذکر ہیں :

معنی نکتۂ خفی و جلی جوہر فرد ذوالفقار علی
عقل و دانش ز خانہ زادانش من و تو سر بخط فرمانش

(دیوان گرامی ، صفحہ ۱۲۰)

(۲) منشی دین محمد لاہور کے پرانے اخبار نویس اور بڑے وضع دار بزرگ تھے ۔ ان کے والد مولوی فتح دین بسمل نے "پنجاب پنچ" کے نام سے ایک ظریفانہ اخبار جاری کیا تھا ، جو خاصا مقبول پرچہ تھا ۔ منشی دین محمد نے پہلے اخبار "صدائے ہند" نکالا اور اس کے بند ہونے پر ہفتہ وار "میونسپل گزٹ" جاری کیا ، جو زیادہ تر بلدیاتی مسائل پر لکھا کرتا تھا اور حیدر آباد میں کثرت سے جاتا تھا ۔ یہ اخبار منشی صاحب کی زندگی کے آخری دنوں ہی میں بند ہوگیا تھا ۔ ان کا انتقال ۱۹۳۵ع میں ہوا ۔ منشی صاحب اقبال سے خاص عقیدت رکھتے تھے ۔

(۳) جو اشعار اقبال نے اس خط میں لکھے ہیں ، وہ مثنوی اسرار و رموز کے صفحہ ۱۶۷ پر درج ہیں ۔ ان میں سے پہلے شعر کا مصرع اولیٰ تبدیل ہو چکا ہے ۔ اب وہ یوں ہے :

صورت ہستی ز معنی سادہ نیست این کہن ساز از نوا افتادہ نیست

(۱۴)

۱۷ اپریل ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ آپ کا مزاج بخیر ہے - والد مکرم آپ کو کئی دفعہ یاد فرما چکے ہیں، بلکہ قریباً ہر روز یاد کرتے ہیں - امید کہ وہ ابھی چند روز اور قیام کریں گے مگر آپ جلد تشریف لائیں - ایسا نہ ہو کہ سیالکوٹ سے ان کو بلاوا آ جائے - وہاں پر بال بچے ان کے بغیر اداس ہو جاتے ہیں - علاوہ اس کے وہ ہر روز میری والدہ اور اپنے والدین کی قبر پر جانے کے عادی ہیں - اس روز کے فرض کا ترک زیادہ ایام تک گوارہ نہیں کر سکتے - امید ہے کہ آپ جلد تشریف لائیں گے -

اخبار مخبر دکن سے مجھے بھی معلوم ہوا ہے کہ عہدۂ ججی کے لیے چند امیدواروں کے نام حضور نظام کے سامنے پیش کیے گئے ہیں - آپ کو کس طرح اور کس ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہاں تذکرہ ہوا ہے اور مہاراجہ بہادر نے سفارش کی ہے - کیا آپ کو وہاں سے کوئی خط آیا ہے؟ یا آپ نے بھی اخبار مخبر دکن سے معلوم کیا ہے؟ میں نے بھی مہاراجہ بہادر کے نام پرسوں خط لکھا تھا مگر مجھے بڑی پختہ امید نہیں کیونکہ جو لوگ وہاں کے ہیں ان کو دوڑ دھوپ کے مواقع بہت حاصل ہیں اور مقامی اثرات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں - ایک دور افتادہ آدمی اس اعتبار سے کوئی بڑی امید حصول مقصد کی نہیں کر سکتا - بہر حال جو خدا کو منظور ہوگا، ہو رہے گا - باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے - بواپسی ڈاک اطلاع دیجیے کہ آپ کب تک آئیں گے - اگر ذرا اور گرمی ہو گئی تو موجودہ مکان میں گذارہ مشکل ہوگا - کسی اور مکان کا انتظام کرنا ہوگا، جس میں مجھے امید ہے دقت نہ ہوگی - والسلام!

محمد اقبال، لاہور

(۱۵)

یکم مئی ۱۷ء

جناب مولانا گرامی!

کہیے مزاج کیسے ہیں ۔ آپ نے میرے خط کا جواب بھی نہیں دیا ۔ خدا خیر کرے ۔ والد مکرم آپ کا انتظار کر رہے ہیں ۔ ۵ مئی کو واپس سیالکوٹ جائیں گے ۔ اگر آپ کا مزاج بخیر ہو تو تشریف لائیے کہ وہ آپ سے ملنے کے بڑے متمنی ہیں ۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے ۔ والسلام جواب کا انتظار ہے ۔

مخلص محمد اقبال ، لاہور

یکم مئی ۱۹۱۷ء

(۱۶)

لاہور

۳ مئی ۱۹۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کا کارڈ ابھی ملا ہے ، جس کو پڑھ کر بڑا تردد ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے گھر کے لوگوں کو شفائے عاجل کرامت فرمائے ۔ گھبرائیے نہیں ۔ بیماری بھی آخر انسان کے ساتھ ہوتی ہے ۔

میں نے والد مکرم کی خدمت میں عرض کیا ہے ۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت دعا کی اور میں بھی دست بدعا ہوں ۔ مہربانی کر کے ان کی خبرخیریت سے واپسی ڈاک مطلع فرمائیے ۔ سید بشیر حیدر صاحب کا خط آیا تھا ۔ میں نے ان کو جواب لکھ دیا ہے ۔ آپ کی اصلاح سے مجھے اتفاق نہیں ۔ مفصل وجوہ ملاقات ہونے پر عرض کروں گا ۔ کچھ وجوہ اس خط میں لکھ دیے ہیں ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ جن مسلمان نوجوانوں نے اپنا لباس ، زبان ، فیشن وغیرہ بدل لیا ہے ، ان کو خطاب کر کے لکھا ہے :'

فکر تو زنجیری' افکار غیر   در گلوئے تو نفس از تار غیر

بر زبانت گفتگوہا مستعار در دل تو آرزو ہا مستعار
قمریانت را نواہا خواستہ سروہایت را قباہا خواستہ
آن نگاہش سرِ ما زاغ البصر سوئے قوم خویش باز آید اگر
می شناسد شمع او پروانہ را نیک داند خویش و ہم بیگانہ را
لست منی گویدت مولائے ما وائے ماوائے ما اے وائے ما

مخلص ، محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اس خط سے بیگم گرامی کی علالت کا پتہ چلتا ہے اور اقبال انہیں تسلی دینے کے بعد اپنے کچھ اشعار ان کی خدمت میں ارسال کرتے ہیں۔ یہ اشعار اسرار و رموز کے صفحات ۱۸۶-۱۸۷ پر موجود ہیں۔ فقط پہلے شعر کے پہلے مصرع میں اقبال نے ایک لفظ کی تبدیلی کی ہے۔ اب یہ مصرع یوں ہے :

عقل تو زنجیریٔ افکار غیر

(۱۷)

لاہور - ۷ مئی ۱۹۱۷ء

ڈیر گرامی - السلام علیکم !

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ اقبال بیگم صاحبہ[1] اچھی ہو گئیں - لاہور تشریف لائیے - انشاء اللہ آپ کا علاج نہایت عمدہ طور پر ہو جائے گا - میرے ایک ڈاکٹر صاحب دوست ہیں ، جو دماغ کی بیماریوں میں خاص طور پر ماہر ہیں - وہ کوئی عمدہ نسخہ تجویز کریں گے - اخبار پنجاب[2] میں غزل غلط شائع ہوئی ہے -

میرا شعر یوں تھا : ''جلوۂ گل تو ہے اک دام نمایاں بلبل'' الخ - پہلے مصرع میں ''نمایاں'' پوشیدہ کے مقابل ہے ، جو دوسرے مصرع میں ہے - ''عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل'' (خرام نہیں ہے) - دوسرے مصرع میں پیغام کا لفظ مقتضی ہے کہ پہلے مصرع میں قاصد کا لفظ ہو -

نیم اشارہ عمدہ ہے ، مگر نیم اشارہ کس کا ہوگا؟ قاصد کا یا خود محبوب کا - اس کے علاوہ "ہے" لانا پڑے گا - عمل سے خرام اچھا ہے مگر معانی مطلوبہ کے اعتبار سے عمل بہتر ہے - یہ شعر اسی فارسی شعر کا ترجمہ ہے :[۳]

عقل در پیچاک اسباب و علل　　عشق چوگاں باز میدان عمل

"رہین سحرو شام[۴]" سے ابھی تسکین نہیں ہوئی ، مفصل لکھیے یا خود آیے اور بیان کیجیے - میرا مقصود اس شعر سے یہ ہے کہ زندگی سحر و شام کی تعداد کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا معیار سعیٔ پیہم ہے - اس کو دنوں کے ترازو میں نہ تولنا چاہیے ، جیسا کہ عام طور پر لوگ کرتے ہیں - جب کوئی پوچھے فلاں آدمی کی عمر کتنی ہے تو جواب ملتا ہے اتنے سال یا اتنے مہینے - یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ جواب ایام یعنی سحر و شام کے شمار کا نتیجہ ہے - والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) بیگم گرامی -

(۲) اخبار پنجاب کے کسی شمارے میں اقبال کی ایک غزل نقل در نقل ہو کر غلط سلط چھپ گئی تھی - گرامی نے بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی تو اقبال نے اس کے جواب میں یہ خط لکھا اور جو الفاظ انہوں نے استعمال کیے تھے ان کی تشریح کی - یہ غزل بانگ درا کے صفحہ ۳۱۸ پر درج ہے - اس کا مطلع یہ ہے :

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

جن اشعار کی اقبال نے تفصیلی تشریح کی ہے ، وہ یہ ہیں :

سعیٔ پیہم ہے ترازوے کم و کیف حیات
تیری میزاں ہے شمار سحر و شام ابھی

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنئ پیغام ابھی

(۳) ''عقل در پیچاک اسباب و علل'' یہ فارسی شعر بھی اقبال ہی کا ہے اور اسرار و رموز کے صفحہ ۱۳۵ پر موجود ہے۔

(۴) گرامی نے ''شمار سحر و شام'' کی جگہ ''رہین سحر و شام'' تجویز کیا مگر اس سے اقبال کی تسکین نہ ہوئی اور انھوں نے اپنا مطلب تفصیل سے بیان کیا۔ اقبال کا مقصود دنوں، مہینوں اور برسوں کی گنتی تھا، اسی لیے لفظ ''شمار'' استعمال کیا۔ ''رہین'' سے یہ مقصود پورا نہ ہوتا تھا۔ گرامی کے پیش نظر اصل مفہوم نہ تھا صرف بہتر لفظ لانے پر توجہ تھی۔

(۱۸)

ڈیر گرامی!

کئی دنوں سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ خیریت تو ہے، امید کہ اب آپ کے گھر کے لوگ ہمہ نوع خیریت سے ہوں گے۔

کل آپ کے ایک عزیز نے مجھ سے ایک عجیب و غریب بات کہی۔ خط میں لکھنے کی نہیں۔ ملاقات ہوگی تو عرض کروں گا۔ اتنا کہہ دیتا ہوں کہ وہ بات آپ سے تعلق رکھتی ہے۔ کہیے لاہور آنے کا کب قصد ہے؟ کیا حیدر آباد سے کوئی خط آیا؟ اور کچھ حالات وہاں کے معلوم ہوئے؟ مہاراجہ کا خط آیا تھا وہ علیل تھے، مگر اس خط میں کوئی تذکرہ نہ تھا۔

مثنوی کا دوسرا حصہ[1] قریب الاختتام ہے۔ تقریظ موعودہ لکھیے، وقت پر اطلاع کر دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی تقریظ کے لیے اس کی اشاعت کو روکنا پڑے۔ کیا اچھا شعر کسی استاد[2] کا ہے:

مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند   ستارہ می شکنند آفتاب می سازند

مخلص محمد اقبال، لاہور

۲۱ مئی ۱۷ع

تعلیقات

(۱) رموز بے خودی۔
(۲) اس خط کے آخر میں اقبال نے جو شعر درج کیا ہے، اس کو اقبال نے اپنی نظم ''ارتقا'' میں تضمین بھی کیا ہے جو بانگ درا کے صفحہ ۲۷۹ پر یوں شروع ہوتی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی ؐ سے شرار بولہبی

(۱۹)

لاہور - ۲۸ جون ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم -

کئی روز ہوئے بشیر حیدر کو خط لکھا تھا کہ آپ کے حالات و خیریت سے آگاہ کرے مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ دورہ میں ہیں کیونکہ میرے کارڈ کا کوئی جواب ان کی طرف سے نہیں آیا - دو چار روز ہوئے تاج محمد صاحب کا اور کل نیاز الدین خان صاحب[1] کا جالندھر سے خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ گرامی کی بیگم صاحبہ اب بفضلہ اچھی ہیں اور یہ کہ آپ کے افکار و آلام کا خاتمہ ہوا - اب یہ بھی امید کی جا سکتی ہے کہ آپ جالندھر تشریف لے جائیں گے اور وہاں سے کیا عجب کہ لاہور کا رخ بھی ہو جائے -

گرمی لاہور میں خوب ہے مگر بارش کی توقع ہے - رمضان شریف بھی شروع ہے - کیا آپ امسال کشمیر چلیں گے؟ اگر ارادہ ہو تو لکھیے - ممکن ہے کہ میں بھی آپ کا ساتھ دوں - کشمیر کی سیر کا آپ کی معیت میں لطف ہے[2] - غنی کشمیری کی روح خوش ہوگی کہ گرامی جالندھری اس کے مزار پر آئے ہیں - حیدر آباد والے معاملے میں ابھی خاموشی ہے - مہاراجہ بہادر کا خط آیا تھا - اس میں کوئی ذکر نہ تھا - مولوی عبدالحق کا خط اورنگ آباد سے آیا تھا - آپ لاہور آئیں گے تو اس خط کے مضمون سے آپ کو آگاہ کروں گا -

آج کل فاطمہ زہراؓ کا مضمون زیر نظر ہے ۔ دو شعر[3] لکھے تھے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں ۔ بہ نظر اصلاح دیکھیے اور رائے سے آگاہ کیجیے :

بہر محتاجے دلش آن گونہ سوخت با یہودے چادر خود را فروخت
محنتش پروردۂ صبر و رضا آس گردان و لبش قرآن سرا

دوسرے شعر کا پہلا مصرع کھٹکتا ہے ۔

ہاں آج کل کے جھوٹے صوفیا پر بھی چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔ مقصود ان اشعار کا یہ ہے کہ ان لوگوں نے عرس کو حج تصور کر لیا ہے اور اس طرح حرمین کے حقوق کو تلف کر کے چھوٹی چھوٹی جماعتیں حلقۂ اسلام کے اندر بنا لی ہیں ، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جمیعت حقۂ اسلامیہ اصلی صورت میں قائم نہیں رہی :

اے کہ بر بیت الحرم بیداد کرد اے کہ مسلم را حجے ایجاد کرد
عرس را حج از گران پای شمرد تا حق بطحا و یثرب ہم بہ برد
حکمت این سادۂ آسان گزار حلقۂ را داد مرکز صد ہزار
از میان حلقۂ صد حلقہ رست نقش دور ما ہجوم نقطہ سُست

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ، جواب جلد ملے اور اشعار پر تنقید بھی ہو ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) تاج محمد صاحب اور خان نیاز الدین خاں صاحب غالباً سب جج تھے ۔ موخر الذکر بستی دانش منداں جالندھر کے رہنے والے تھے اور شعر کا ذوق بھی رکھتے تھے ۔ ان کے نام اقبال کے بہت سے خط بزم اقبال لاہور کی معرفت شائع ہو چکے ہیں ۔

(۲) اس سال تو اقبال کشمیر نہ جا سکے البتہ جون ۱۹۲۱ع میں مولوی احمد دین وکیل اور اپنے منشی شیخ طاہر دین کے ہمراہ پہلی مرتبہ کشمیر گئے ۔

(۳) حضرت فاطمہ زہراؓ کے متعلق اقبال نے جو دو شعر گرامی کو بھیجے تھے ان میں سے دوسرا شعر اسرار و رموز کے صفحہ ۱۷۸ پر یوں

درج ہے :

آں ادب پروردۂ صبر و رضا   آسیاں گرداں و لب قرآں سرا

(۲۰)

لاہور - یکم جولائی ۳۷ء

مخدومی جناب مولانا گرامی - السلام علیکم !

نوازش نامہ ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ خیریت ہے - یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں ، لیکن میرے مکان میں آسمان نظر نہیں آتا تو کیا مضائقہ ہے ، آسمانوں کا بنانے والا تو اس مکان سے نظر آ جاتا ہے - بہر حال آپ کو آسمان کا نظارہ مطلوب ہے تو اس کا انتظام آسانی سے ہو جائے گا - لاہور میں آخر ایسے مکان بھی ہیں جہاں سے آسمان دکھائی دیتا ہے - آپ تشریف لائیں تو ایک دو روز پہلے مطلع کریں - ایسا انتظام ہو جائے گا - دن بھر میرے پاس رہیے سونے کا انتظام وہاں کر دیا جائے گا - علی بخش رات کو آپ کی خدمت میں رہا کرے گا ، مکان بھی قریب ہوگا -

حیدر آباد والا معاملہ ابھی بدستور ہے یعنی اس میں خاموشی ہے - مہاراجہ کے خطوط آتے ہیں مگر ان میں کوئی اشارہ کنایہ اس بارے میں نہیں ہوتا - مجھے تو زیادہ تر خوشی اس وجہ سے ہے کہ آپ وہاں ہوں گے اور آپ کی صحبت میں مثنوی کی تکمیل میں آسانی ہوگی - دوسرا حصہ قریب الاختتام ہے - مگر اب تیسرا حصہ ذہن میں آ رہا ہے اور مضامین دریا کی طرح امڈے آ رہے ہیں اور حیران ہو رہا ہوں کہ کس کس کو نوٹ کروں - اس حصہ کا مضمون ہوگا ''حیات مستقبلہ اسلامیہ'' یعنی قرآن شریف سے مسلمانوں کی آئندہ تاریخ پر کیا روشنی پڑتی ہے اور جماعت اسلامیہ جس کی تاسیس دعوت ابراہیمی سے شروع ہوئی ، کیا کیا واقعات و حوادث آیندہ صدیوں میں دیکھنے والی ہے اور بالآخر ان سب واقعات کا مقصود و غایت کیا ہے - میری سمجھ اور علم میں یہ تمام باتیں قرآن شریف میں موجود ہیں اور استدلال ایسا صاف و واضح ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ

تاویل سے کام لیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے قرآن شریف کا یہ مخفی علم مجھ کو عطا کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال تک قرآن پڑھا ہے اور بعض آیات و سورتوں پر مہینوں بلکہ برسوں غور کیا ہے اور اتنے طویل عرصہ کے بعد مندرجہ بالا نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ مگر مضمون بڑا نازک ہے اور اس کا لکھنا آسان نہیں۔ بہر حال میں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ اس کو ایک دفعہ لکھ ڈالوں گا اور اس کی اشاعت میری زندگی کے بعد ہو جائے گی یا جب اس کا وقت آئے گا اشاعت ہو جائے گی[1]۔

افسوس ہے فاطمہ زہرا کے مفصل حالات نہیں ملے۔ سیدہ خاتون زمانہؑ حال کی مسلمان عورتوں کے لیے ایک اسوۂ کاملہ ہے۔ مثنوی کے دوسرے حصہ میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔ مگر افسوس ہے کہ کوئی چبھتا ہوا شعر اب تک نہیں نکل سکا۔ فکر میں ہوں کہ کوئی شعر ایسا نکلے کہ مضمون کے اعتبار سے ایک سو شعر کے برابر ہو۔ ایسا گوہر نایاب ہاتھ آ گیا تو آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

حضرت حسینؑ کے متعلق جو اشعار لکھے تھے وہ آپ کو سنائے تھے۔ ڈیڑھ شعر اور ہے:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوت شبیری است

دوسرے مصرع کے لیے بہت فکر کیا نہیں نکل سکا[2]۔

البتہ فاطمہ زہراؓ کے متعلق ایک مضمون ذہن میں آیا ہے یعنی یہ کہ احترام و عزت اگر نسبتوں پر موقوف ہے تو مریم کو صرف ایک نسبت حاصل تھی یعنی یہ کہ وہ مسیح کی ماں تھی مگر فاطمہ[3]:

نور چشم رحمۃٌ للعالمینؐ — آن امام اولین و آخرین
آنکہ جاں در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئیں آفرید
زوجۂ آن تاجدار ھل اتی — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
بادشاہ و کلبۂ ایوان او — یک حسام و یک زرہ سامان او
مادر آن کاروان سالار عشق — رونق ہنگامۂ بازار عشق

در نوائے زندگی سوز از حسین رضؓ　　اہل حق حریت آموز از حسین رضؓ

یہ مصرع "رونق ہنگامۂ بازار عشق" کھٹکتا ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ آپ نے مثنوی کی تقریظ کی بھی فکر کی ہے یا نہیں ؟ بیگم گرامی صاحبہ کو آداب ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اس خط میں سب سے اہم خبر یہ ہے کہ مثنوی رموز بے خودی قریب الاختتام ہے اور اب اس کے تیسرے حصے کے مضامین امڈے چلے آ رہے ہیں ۔ اس تیسرے حصے کا نام اقبال نے "حیات مستقبلۂ اسلامیہ" تجویز کیا تھا اور قرآن کریم کی تعلیات پر اس کی بنیاد رکھی تھی ۔ اس کی صرف داغ بیل ڈالی گئی تھی ، اس کے لکھنے کا معاملہ قوت سے فعل میں نہیں آیا تھا ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۸ع کے ایک خط میں حضرت اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں :

"مثنوی کا تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں ۔ دو شعر یاد آئے ہیں ، جو دو تین ماہ ہوئے لکھے تھے ، عرض کرتا ہوں :

در جہاں مانند جوی کوہسار　　از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثال سیل بے زنہار خیز　　فارغ از پست و بلند راہ شو"

مگر اس خط کی تحریر کے پانچ سال بعد یہ دونوں شعر بھی "پیام مشرق" کے "خردہ" میں ڈال دیے گئے اور تیسرا حصہ لکھنے کا ارادہ عزائم ہی کی فہرست میں رہ گیا ۔

(۲) حضرت امام حسین کے متعلق جو تین مصرعے اقبال نے گرامی کو بھیجے اور لکھا کہ چوتھا مصرع فکر بلیغ کے باوجود ذہن میں نہیں آیا ، اس نے بعد میں یہ شکل اختیار کی :

زندہ حق از قوت شبیری است　　باطل آخر داغ حسرت میری است

(۳) حضرت فاطمہ رضؓ کے متعلق اقبال نے جو اشعار خط میں لکھے ہیں

وہ اسرار و رموز کے صفحہ ۱۷۷ پر موجود ہیں البتہ تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''زوجہ'' کا لفظ تبدیل کر دیا گیا ہے اور مصرع یوں ہو گیا ہے :

بانوے آں تاجدار ھل اتیٰ

پانچواں شعر یوں تھا :

مادرِ آں کاروان سالارِ عشق   رونق ہنگامۂ بازارِ عشق

اس کا دوسرا مصرع اقبال کو پسند نہیں تھا ۔ گرامی کا مشورہ یہ تھا کہ دونوں مصرعوں میں لفظ ''مادر'' آنا چاہیے جیسا کہ اقبال نے ۶ جولائی ۱۹۱۷ء کے خط میں خود لکھا ہے ۔ اقبال نے اس شعر کو یوں کر دیا :

مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق   مادرِ آں کاروان سالارِ عشق

(۲۱)

لاہور ، ۳ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

مجھے آپ بھی کہیں گے کہ اس نے خطوں کا تانتا ہی باندھ دیا ۔ میں نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ اس فکر میں ہوں کہ حضرت سیدہ کے متعلق ایک ایسا شعر لکھا جائے جو معانی کے اعتبار سے ایک سو شعر کے برابر ہو ۔ آج صبح آنکھ کھلتے ہی وہ شعر ذہن میں آیا ۔ ابھی اسے خراد کی ضرورت ہے ، عرض کرتا ہوں :

گریۂ شب ہائے آں بالا نشیں   ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

اس شعر کو بہ نظر غور ملاحظہ فرمائیے ۔ ''بالا نشیں'' ''ریختن'' کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے مگر کسی قدر کھٹکتا بھی ہے ۔[1]

اب آپ جانیں اور آپ کا کام ، میں نے مضمون پیدا کر دیا ہے باقی خیریت ، میرے خطوط کے جواب دیجیے اور یہ بھی لکھیے کہ لاہور آنے کا کب تک قصد ہے ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) اس شعر پر غور کرنے کے بعد گرامی نے جو ترمیم تجویز کی ، اس کے متعلق اقبال نے لکھا کہ یہ بہت بلند ہے ۔ ''داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا'' اس کے بعد اقبال نے خود ہی اس شعر کو یوں بدل دیا :

اشک او برچید جبریل از زمیں ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

اس سلسلے میں اقبال کا ٦ جولائی ۱۹۱۷ع کا خط ملاحظہ کیا جا سکتا ہے ۔ اسرار و رموز میں یہ شعر اسی طرح شائع ہوا ہے (صفحہ ۱۷۸) ۔

(۲۲)

لاہور ، ٦ جولائی ۱۷ع

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

خط ابھی ملا ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ واقعی ''مادر'' کا لفظ دونوں مصرعوں میں آنا چاہیے ۔ میں اس نکتے کو خوب سمجھتا ہوں ۔ فاطمہ زہراؓ کے متعلق جو شعر میں نے لکھا تھا' اس کو اس طرح عرض کیا ہے :

اشک او برچید جبریل از زمیں ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

''بالا نشیں'' کا لفظ کھٹکتا تھا اور اس کے علاوہ بہت کم لوگ اس کو سمجھ سکتے ہیں ۔ آپ نے جو ترمیم کی وہ بہت بلند ہے ۔ ''محو سجود'' میں وہ نکتہ مخفی ہے ۔ بہرحال میں اسے سمجھتا ہوں اور چوں کہ آپ نے پیدا کیا ہے ، اس کی داد دیتا ہوں ۔ حضرت فاطمہؓ کے متعلق اشعار نظم کر رہا ہوں ۔ کیا آپ کو کوئی عمدہ روایت ان کی طاعت گذاری یا تربیت اولاد کے متعلق یاد ہے جس کو نظم کیا جائے ؟ معنیٰ خیز اور دل گداز روایت ہو تو نظم کرنے میں لطف آتا ہے ۔ عام طور پر جو روایات مشہور ہیں ان میں کوئی خاص بات نہیں ہے ۔ یہ دو شعر اور ملاحظہ کیجیے :

پردۂ رنگم شمیمے نیستم صید ہر موج نسیمے نیستم
در شرار آباد ہستی اخگرم خلعتے بخشد مرا خاکسترم

مہاراجہ کشن پرشاد بہادر کا خط آیا تھا ۔ کسی نے ان کو مشرک کہہ دیا تھا اس کے جواب میں انھوں نے جو فارسی نظم لکھی ہے اس کا مسودہ مجھے ارسال کرکے تقریظ کی خواہش کی تھی ۔ میں نے چار اشعار تقریظ کے لکھ کر بھیج دیے تھے ، جو یہ ہیں :

اے شاد دامنِ تو بدانگونہ گل فشاند
صحنِ چمن مثال کتاب مصور است

معموریٔ ریاض کمال تو این قدر
یک برگ غنچہ ات بہ گلستان برابر است

تا بر تو حق ز فیض نبوت شد آشکار
کارت ز صاحبان سلاسل نکو تر است

فرمان مصطفٰی است کہ من قال لا الہ
از اہل جنت است و علی الرغم بوذر است

اگر لاہور کا قصد حقیقت میں ہے تو آ چکیے ۔ یہاں سے جالندھر چلیں گے وہاں آپ کو لنگڑا بھی مل جائے گا اور کالنگڑا بھی ۔۲

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اس شعر کا پہلا مصرع ابتدا میں یوں تھا :

گریۂ شب ہائے آں بالا نشیں

''بالا نشیں'' کا عیب دور کرنے کے لیے اقبال نے اسے بدل دیا ۔

(۲) لنگڑا آم کی ایک قسم ہے اور کالنگڑا راگ کی ۔

(۲۳)

لاہور ۱۰ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں ، اور آپ کی آمد کے انتظار میں ہوں ۔ اب آپ کے جلدی تشریف لانے کی ایک وجہ بھی پیدا ہو گئی ہے اور

وہ یہ ہے کہ حیدری صاحب کا ایک خط آیا ہے ، جس کے مضمون کے متعلق آپ سے مشورہ ضروری ہے ۔ اگر آپ کے آنے کی توقع نہ ہوتی تو اس خط میں حیدری صاحب کے خط کا مضمون لکھتا ۔ مگر چونکہ توقع آپ کی تشریف آوری کی ہے ، اس واسطے زبانی مشورہ کروں گا ۔ علاوہ اس کے اس قسم کے مضامین کے متعلق زبانی مشورہ بہتر ہوتا ہے ۔ لہٰذا مہربانی کرکے جلد تشریف لائیے ۔ اگر ارادہ آنے کا نہ ہو تو لکھیے ۔ مشورہ اس امر میں آپ سے نہایت ضروری ہے اور بعد مشورہ حیدری صاحب کو جواب بھی لکھنا ہے ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص محمد اقبال ، لاہور

(۲۴)

لاہور ، ۱۶ جولائی ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم !

آپ کا خط ملا ۔ آپ کی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ میں نے حیدری صاحب کو لکھا ہے کہ حیدر آباد حاضر ہوں گا اور سب باتیں زبانی عرض کروں گا ۔ مہاراجہ بہادر کو فقط یہ اطلاع دی ہے کہ حیدر آباد آتا ہوں ۔ حیدری صاحب کو یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کس مہینہ میں مجھے بلانا چاہتے ہیں ۔ آیا اگست میں یا ستمبر میں ۔ ان کا جواب آنے پر تیاری کروں گا ۔ فی الحال میں نے کسی عہدہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا اور یہ ضروری بھی نہیں کیونکہ جب خود جانے کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے تو خطوط میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ سب باتیں زبانی ہو جائیں گی ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ چونکہ شاید مجھے اگست ہی میں حیدر آباد جانا پڑ جائے ، اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ دو چار روز کے لیے لاہور آ جائیں ۔ زبانی باتیں بھی آپ سے ہو جائیں گی ۔ علی بخش[1] دو چار روز تک ہشیار پور آنے والا ہے ۔ اس کے ہمراہ آ جائیے ۔ اس خط

کے جواب میں جلد لکھیے کہ کیا آپ آ سکیں گے ؟

ہاں حضرت فاطمہ کے متعلق جو اشعار میں نے لکھے تھے ، اس کے آخر کے اشعار اس طرح پر ہیں ۔[۲]

مادرِ آں مرکز پر کار عشق — مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستانِ حرم — حافظ جمعیت خیرالامم
تا بمیرد آتش پیکار و کیں — پشتِ پا زد برسرِ تاج و نگیں
واں دگر مولاے ابرارِ جہاں — قوت بازوے احرار جہاں
در نواے زندگی سوز از حسین — اہل حق حریت آموز از حسین

آپ نے لکھا تھا کہ دونوں مصرعوں میں "مادر" کا لفظ ہونا چاہیے معلوم نہیں آپ کے ذہن میں کیا نکتہ تھا ، جس کے بیان کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا ۔ میں نے اس اشارہ سے یہ فائدہ اٹھایا ہے کہ بعد کے اشعار میں حضرت حسن و حسین دونوں کا ذکر کر دیا ہے ۔ اب ان اشعار کے بعد کا مضمون یہ ہے کہ "ایسے بیٹوں سے جن کے یہ اوصاف ہیں ماں کی تربیت کا اندازہ کرنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ اس ماں کے آغوش میں کیا تاثیر تھی ، جس میں ایسے بچوں کی پرورش ہوئی ۔"

اس مضمون کو ایک شعر میں ادا کرنا چاہتا ہوں ، غور فرما کر کوئی اشارہ دیجیے ۔ باقی فضل ہے ۔

مخلص ، محمد اقبال

تعلیقات

(۱) علی بخش اقبال کا خادم ہے جو ہوشیار پور کا رہنے والا ہے ۔

(۲) یہ اشعار اسرار و رموز کے صفحہ ۱۷۷ پر موجود ہیں ۔ البتہ تیسرے شعر کا پہلا مصرع کسی قدر مختلف ہے اور وہ یوں ہے :

تا نشیند آتش پیکار و کیں

(۲۵)

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط ملا ۔ علی بخش عید سے ایک دو روز بعد آئے گا ۔ اس کے

ہمراہ تشریف لائیے ۔ مطلوبہ چیزیں بھی اسی کے ہم دست ارسال کی جائیں گی ۔ شیخ عمر بخش صاحب[1] کا بھتیجا عید سے دوسرے روز یہاں آنے والا ہے ۔ آپ اس کے ہمراہ بھی آ سکتے ہیں ۔ باقی خیریت ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ میں علی بخش کو آج ہی بھیج دیتا مگر عید کے روز اس کی یہاں پر ضرورت ہے ۔ والسلام !

مخلص ، محمد اقبال لاہور

۱۹ جولائی ۱۷ء

تعلیقات

(۱) شیخ عمر بخش ہوشیار پوری ہائی کورٹ کے ایک اچھے قانون دان تھے ۔ سیاسی رجحانات کے لحاظ سے کانگرسی تھے ۔ حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر باقاعدہ حاضری دیتے تھے ، نماز فجر وہیں پڑھا کرتے تھے ۔

(۲۶)

لاہور ۷ اگست ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

حیدری صاحب اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتے کے لیے مدراس جانے والے ہیں ۔ اگست کے آخری ہفتے میں وہاں سے واپس ہوں گے ۔ میں ستمبر کی یکم کو یہاں سے انشاء اللہ روانہ ہوں گا ۔

علی بخش سے آپ کی خیریت معلوم ہو گئی تھی ۔ اشیاء کی قیمت کے لیے جو آپ نے لکھا ہے ، میں تسلیم کرتا ہوں کہ غلطی ہے مگر اس غلطی کے ذمہ دار آپ ہیں نہ میں کیونکہ آپ نے خط میں لکھا کہ "ان چیزوں کی قیمت دی جائے گی ۔" پس میری غلطی (اگر کوئی ہے) تو وہ آپ کی غلطی سے پیدا ہوئی ۔ اتنی یگانگت کے ہوتے ہوئے ایک دوست کو ایسا لکھنا ٹھیک نہ تھا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ ہاں کل مولانا جامی کا ایک نہایت مزے دار مطلع نظر پڑا ۔ یعنی :

آں کہ از حلقۂ زر گوش گران است او را

چہ غم از نالۂ خونیں جگران است او را

بہت فکر کی کہ ایسا مطلع نکل سکے مگر کامیابی نہ ہوئی ۔ البتہ دو فرد لکھے گئے انھیں ملاحظہ فرمائیے اور اپنے مشورہ سے بھی آگاہ کیجیے :

باز گوید صنم ار تاب مقالش بخشند
گلہ ہاے کہ ز ہندو پسران است او را
یا رب از غارت گل بر دل نرگس چہ گزشت
دست بے طاقت و چشم نگران است او را

مخلص ، محمد اقبال

(۲۷)

لاہور ۱۸ اگست ۱۹۰۷ء

مجھے ابھی شیخ عمر بخش صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ نے ہوشیار پور میں یہ خبر مشہور کی ہے کہ اقبال حیدر آباد میں ملازم ہو گیا ہے ۔ یہ خبر بالکل غلط ہے ، مہربانی کرکے ایسی غلط اور بے سر و پا بات کی تشہیر نہ کیجیے ۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس قسم کی خبر مشہور ہوئی تھی اور اس کے بذریعہ اخبار مشہور کرنے والے مولوی ظفر علی خاں تھے ۔ مجھے اس خبر کی تشہیر سے بہت نقصان ہوا[1] ۔ اور تعجب ہے کہ وہ میرے دوست تھے اور اپنے خیال میں انھوں نے میرے فائدے کے لیے اس امر کی تشہیر کی تھی ۔ مہربانی کرکے اس امر کا خیال رکھیے ۔ اگر کوئی بات واقع میں ہو جائے تو اس کی تشہیر میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن جب کچھ اصلیت نہ ہو تو اس کی تشہیر سے نہ مجھے کوئی فائدہ ہے نہ حیدر آباد کو ۔

باقی خیریت ہے ۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ میں نے آپ کی خدمت میں خط لکھا تھا ، جواب کا منتظر ہوں ۔ والسلام ۔

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) نقصان یوں ہوا کہ جب پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا کہ اقبال حیدر آباد میں جج ہو کر جا رہے ہیں تو اضلاع پنجاب کے

اہل مقدسات کو ، جن کے مقدمات اقبال کے سپرد تھے ، اک گونہ پریشانی ہوئی اور نیا کام ملنا بند ہو گیا ۔ چنانچہ یہی بات اقبال نے اپنے ۱۰ اپریل ۱۷ع کے خط میں مہاراجہ سر کشن پرشاد کو لکھی ہے ۔
(شاد اقبال ، صفحہ ۴۲ - ۴۳)

(۲۸)

۲۲ اگست ۱۷ع ، لاہور

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

بھلا میں تو آپ کی طبیعت سے واقف ہوں اور آپ کی وعدہ خلافیوں کا عادی ہو چکا ہوں ، بیچارے تاج محمد نے آپ کا کیا قصور کیا ہے کہ اس کو یہ امید دلا دی ہے کہ اکٹھے لاہور چلیں گے ؟ وہ بزرگ پہلے بھی آپ کے زخم خوردہ ہیں ۔ آپ کا دل غیور ضرور ہے مگر غیوری ایسی چیز ہے کہ عدم ایفائے وعدہ کے لیے بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی کہ ایفائے وعدہ کے لیے ۔

خوب میرے حیدر آباد جانے سے دو روز پہلے آنے کا قصد ہے ، لیکن میں تو اپنے دل میں امید نہیں پیدا کرتا کیوں کہ آپ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ کون سی تاریخ جاؤں گا ۔ بہرحال خود بتا دیتا ہوں ۔ میں یہاں سے ۳۰ اگست کی رات کو جاؤں گا ۔ خط آپ کا بڑے شوق سے کھولا تھا کہ کچھ اشعار کے متعلق ہوگا ، مگر دیکھا تو سوائے اس کے کہ رنگ و شمیم محاورہ ہے اور کچھ نہ نکلا ۔ یہ تو مجھے معلوم ہی تھا آپ نے میرے معلومات میں کیا اضافہ کیا ؟ آپ نے حیدری صاحب کا خط نہیں بھیجا[1] ۔ پھر یاد دلاتا ہوں کیونکہ آپ کے آنے کی توقع نہیں ہے ۔ دیکھیں آپ کا ضمیر کیا دکھلاتا ہے[2] ۔ مہاراجہ بہادر کا بھی خط آیا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اُن کو بھی آپ کی رائے سے پورا اتفاق ہے ۔ حالانکہ میں نے کسی کو آپ کی رائے سے آگاہ نہ کیا تھا ۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نظام کا چیف سیکرٹری ہو تو گرامی وزیر اعظم ہونے کے قابل ہے ۔ یا کم از کم معزول شدہ وزیر یا پیشکار ۔

مسلمانوں کا کعبہ کے طواف سے متحد ہونا اور اس مرکز توحید کا قوم کے قلوب کے کیفیات کو ایک کر دینا ایک مشکل مضمون ہے۔ اس کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اور اچھا ہو تو داد دیجیے۔

ملت بیضا ز طوفش ہم نفس ہم چو صبح آفتاب اندر قفس

مندرجہ بالا مضمون کے علاوہ طواف کعبہ کا نظارہ اور مسلمانوں کا اس کا محافظ ہونا بھی اس میں مخفی ہے۔ لفظ ''بیضا'' ملاحظہ طلب ہے۔

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) سرکشن پرشاد کے نام اقبال نے ۱۴ اگست ۱۹۱۷ع کو جو خط لکھا، اس سے حیدری صاحب کی تجویز واضح ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

''حیدری صاحب نے . . . مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے اور پوچھا ہے کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی بھی اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے؟ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت عالیہ کی خالی ہے نہ اس کے متعلق انھوں نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے، لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا۔''

(شاد اقبال، صفحہ ۶۱)

مہاراجہ صاحب نے جواب میں فرمایا:

''قانون کی پروفیسری پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔ عملاً دنیا میں ہر پیشہ و فن کی انھیں لوگوں کے حصے میں کامیابی رہتی ہے جو موافقت زمانہ کے قوانین کو پیش نظر رکھ کر مشغول کار رہتے ہیں۔ سنا گیا کہ میر مجلسی کی کرسی پر نظامت جنگ بہادر فی الحال کرسی نشین ہیں لیکن زمانے کی تغیر پذیر اور انقلابی رفتار میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے

اور ہو رہا ہے ۔ چنانچہ آج ہی کل کا عملی انقلاب ہے اگرچہ ناگفتنی ہے :

کجا مانند آں رازے کزو سازند محفلہا

(شاد اقبال ، صفحہ ۶۲ - ۶۳)

(۲) اس سلسلے میں گرامی کا مشورہ یہ تھا :

''حیدر آباد سے اگر میر مجلسی کا منصب جلیلہ یا حضور بندگان عالی کی سیکریٹری کی خلعت ملے ، ضرور منظور کر لیجیے گا ۔ گرامی کی پیش گوئی غلط نہیں ہو سکتی ۔ اسلام میں الہام غلط نہیں ہوتا ۔''

اسی بنا پر اقبال نے مذاق کیا ہے کہ ''اقبال نظام کا چیف سیکریٹری ہو تو گرامی وزیر اعظم ہونے کے قابل ہے یا کم از معزول شدہ وزیر یا پیشکار !''

(۲۹)

لاہور ، ۳ ستمبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

میں نے سنا تھا کہ آپ بابو رحمت اللہ[۱] کے مکان سے کسی اور جگہ چلے گئے ۔ اس واسطے خان نیاز الدین خاں صاحب کو زحمت دی گئی ۔ مگر معلوم ہوا کہ آپ ابھی تک اسی مکان میں ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ کوئی مقدمہ دیوانی بھی شروع کر رکھا ہے ۔ الحمدللہ کہ فوج داری نہیں ۔

تقریظ کے اشعار آپ نے خوب لکھے ، مگر یہ اشعار تو پہلے حصہ کی تقریظ کے لیے زیادہ موزوں ہیں ۔ دوسرے حصہ میں جو اب شائع ہوگا حیات ملی یعنی اجتماعی زندگی کے اصول پر بحث ہے اور خالص اسلامی نکتہ خیال سے ۔ اس کے علاوہ یہ اشعار بہت تھوڑے ہیں ۔ میرا مقصد کچھ شاعری نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس ملیہ پیدا ہو ، جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا ۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت ہے نہ شہرت ۔ کیا عجیب کہ نبی کریم کو میری یہ کوشش پسند آجائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے ۔

حیدر آباد سے جو مفصل خط آپ کو آیا ہے اس کے مضمون سے مجھے بھی آگاہ کیجیے ۔ آپ لکھتے ہیں ۔ ''لاہور آن کر عرض کروں گا'' مگر اس پیش گوئی کے لیے کہ گرامی لاہور کبھی نہ آئے گا کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں ۔ جالندھر اور ہشیار پور کا ہر شیر خوار بچہ بلا تامل ایسی پیش گوئی کر سکتا ہے ۔

یونیورسٹی ۲ کی تکمیل کے لیے ابھی عرصہ کی ضرورت ہے اور کچھ عجب نہیں کہ شاید یونیورسٹی کبھی بروئے کار بھی نہ آئے ۔ ایک گروہ حیدر آباد میں مخالف ہے اور جس طریق پر انھوں نے کام شروع کیا ہے اس سے یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی ۔ یونیورسٹی کامیابی کے ساتھ چلانے کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے اور آدمی وہاں پر موجود نہیں ۔ جو آدمی وہاں پر موجود ہیں وہ اپنے ذاتی مفاد کی غرض سے اپنے سے قابل تر اور زیادہ کارکن آدمیوں کو حیدر آباد نہ گھسنے دیں گے ۔ یونیورسٹی کا معاملہ ان وجوہات سے مشتبہ نظر آتا ہے ۔ باقی رہی چیف ججی سو اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہاں پر یہ جگہ خالی بھی ہے اور اگر خالی بھی ہو تو وہاں کے حق دار لوگ موجود ہیں ۔ ایک گمنام خط حیدر آباد سے مجھے آیا تھا جس میں حیدری صاحب کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا تھا ۔ راقم خط کے مضمون کا لب لباب یہ ہے کہ ہم لوگ شب و روز دعا کر رہے ہیں کہ آپ یہاں پر تشریف لائیے مگر بعض آدمی جو بظاہر آپ کے دوست ہیں ، حقیقت میں آپ کے یہاں پر آنے سے خوش نہیں وغیرہ وغیرہ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا حیدری صاحب کا مخالف ہے ۔ بہر حال ایک مدت سے اقبال اپنے سارے معاملات خدا کو سونپ چکا ہے اور اپنے آپ کو محض ایک لاش جانتا ہے جس کی حس و حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ باقی خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ فقط والسلام !

مخلص محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) بابو رحمت اللہ جالندھر میں ایک صاحب تھے جن کے مکان میں

گرامی ان دنوں قیام فرما تھے۔ یہ بات اس خط سے واضح ہوتی ہے جو گرامی نے خان نیازالدین خاں کو لکھا تھا:

"اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو وہی مکان بابو رحمت اللہ صاحب سے ہم کو مکرر کرایہ پر لے دیجیے۔ بہ نسبت میری تحریر کے آپ کا اثر زیادہ ہوگا۔ دو چار ماہ جالندھر میں رہوں گا اور آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی . . . . جالندھر کی آب و ہوا میرے مزاج کی ادا شناس ہے۔ میں اچھا تھا، یہاں بیمار رہ ہوں:

آں آب و ہوا شود علاجم مادر زادے شود مزاجم

(۲) یہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کا ذکر ہے جو اس وقت زیر تجویز تھی اور بعد میں قائم ہو کر نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔

(۳۰)

لاہور، ۶ اکتوبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

آپ کا خط آج ملا، الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ کل پرسوں مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ جالندھر میں ہیں۔ میں حیدر آباد جانے کو تھا مگر بخار کی وجہ سے رک گیا۔ اس کے بعد حیدری صاحب کا پھر تار آیا اور میں نے پھر جانے کا قصد کیا اور ان کو تار بھی دیا کہ اکتوبر کی کسی تاریخ یہاں سے روانہ ہوں گا۔ مگر کل ان کا خط آیا کہ ممکن ہو سکے تو نومبر میں آؤ۔ نومبر میں مجھے فرصت نہیں۔ اس واسطے اب بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ وہاں جا سکوں۔ حیدر آباد سے اور خطوط بھی مجھے آئے ہیں، جن سے وہاں کے حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مفصل گفتگو آپ سے اس وقت کروں گا، جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ کب تک آنے کا قصد ہے؟ میرے والد مکرم آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں وہ یہاں ۹ اکتوبر کو آئیں گے اور کچھ روز قیام کریں گے۔ اگر آپ ان سے ملنے کے لیے دو چار یوم کے لیے آجائیں تو بہت اچھا ہو۔ باقی خدا کے فضل و کرم

ہے خیریت ہے۔ فقط ! آپ کا مخلص محمد اقبال ، لاہور

(۳۱)

لاہور، ۱۱ اکتوبر ۷ء

جناب مولانا گرامی !

السلا علیکم ، آپ کا خط ابھی ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ لاہور ضرور تشریف لائیے۔ حیدر آباد سے حیدری صاحب کا پھر کوئی خط نہیں آیا۔ البتہ مہاراجہ بہادر کا ایک خط آیا تھا۔ آپ سے ملاقات ہوگی تو مفصل باتیں ہوں گی۔

سید صاحب[1] نے جو رقعہ لکھا ہے اس سے اُن کا مقصود واضح نہیں ہوتا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ رواج ہر ضلع بلکہ ہر گاؤں کا مختلف ہوتا ہے۔ اگر کسی خاص مقام کا رواج معلوم کرنا ہو تو وہاں کے واجب العرض وغیرہ کو دیکھنا چاہیے۔ البتہ بعض بعض جگہوں اور قبائل کے رواج کے متعلق چیف کورٹ نے فیصلہ جات کر دیے ہیں۔ وہ ان کے پڑھنے سے معلوم ہوجائے گا۔ پنجاب کے عام رواج پر ریٹیگن[2] کی کتاب مستند ہے، جس کی قیمت سولہ روپیہ ہے۔ اگر شاہ صاحب کو مطلوب ہو تو یہاں سے بھجوائی جا سکتی ہے۔ مگر شاہ صاحب کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اُن کو چاہیے کہ وہ اپنے معاملے میں کسی وکیل سے مشورہ کریں۔ ممکن ہے کہ اُن کے ضلع یا قصبے کے رواج کے متعلق چیف کورٹ کا کوئی فیصلہ موجود ہو۔ اگر کوئی فیصلہ موجود نہ ہوا تو پھر فیصلہ فریقین کی شہادت زبانی و تحریری پر ہوگا۔ فقط !

مخلص محمد اقبال لاہور

تعلیقات

(۱) سید صفدر علی شاہ صاحب جالندھر کے سادات میں سے تھے اور گرامی کے دوست تھے۔

(۲) جسٹس ریٹیگن پنجاب چیف کورٹ (بعد میں ہائی کورٹ) کے چیف جج تھے۔ انھوں نے پنجاب کے عام رواج پر ایک کتاب لکھی تھی،

جو سند مانی جاتی تھی۔ لاہور کی ریٹیگن روڈ آج بھی ان کے نام کی یاد دلا رہی ہے۔ یہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے عقب میں واقع ہے۔

(۳۲)

لاہور، ۱۳ اکتوبر ۱۷ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

کل ایک خط لکھ چکا ہوں امید ہے کہ ملاحظہ عالی سے گذرا ہوگا۔ یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ آپ نے جو گولیاں مجھ کو دی تھیں، اُن کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟ کیا ایک روز کھائی جائے گی یا دو صبح و شام۔ اور نیز یہ کہ کس چیز کے ساتھ کھائی جائے اور پرہیز وغیرہ کسی چیز سے ہو، تو اس سے آگاہ کیجیے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ محرم میں ضرور تشریف لائیے۔ میں آپ کا منتظر ہوں۔

محمد اقبال، لاہور

(۳۳)

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ تعمیل ارشاد میں میں نے ایک خط لالہ شوچرن داس صاحب[1] کے نام اور ایک خط پنڈت کیول کرشن[2] بیرسٹر ایٹ لاء کے نام لکھا ہے۔ امید کہ وہ آپ کی مدد کریں گے۔ جو واقعات آپ نے لکھے ہیں، ان سے تو مقدمہ آپ کے حق میں ہونا چاہیے۔ کیا جو مکان آپ نے ہبہ کیا تھا وہ آپ نے خود خریدا تھا یا باپ سے ورثہ میں ملا تھا؟ کیا یہ مکان کبھی کرایہ پر دیا گیا اور اگر دیا گیا تو کرایہ نامہ کس کے نام تھا؟ ہبہ کیسے ہوئے کس قدر عرصہ ہوا؟ اور اتنا عرصہ کون قبضے میں رہا؟ والسلام!

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ ہمشیرہ صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

محمد اقبال، لاہور

میں نے عرض کیا تھا کہ جو مفصل خط آپ کو حیدر آباد سے آیا ہے،

اس کے مضمون سے مجھے آگاہ کیجیے - آپ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا - وہ خط اگر آپ نے تلف نہ کیا ہو تو بھیج دیجیے - مقدمہ کا فکر نہ کیجیے - انشاء اللہ آپ کے حق میں ہوگا - کاغذات کی ایک نقل مجھے بھجوا دیجیے کہ میں دیکھ کر اپنی رائے مفصل عرض کروں گا - والسلام!

محمد اقبال

جو سوال میں نے لکھے ہیں، ان میں سے پہلے سوال کا جواب نہایت ضروری ہے -

تعلیقات

اگرچہ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر یہ اکتوبر اور دسمبر ۱۹۱۷ع کے درمیانی عرصے کا معلوم ہوتا ہے -

(۱ و ۲) لالہ شوچرن داس اور پنڈت کیول کرشن بیرسٹر ایٹ لاء جالندھر میں اقبال کے دوست تھے - موخر الذکر اقبال کے شاگرد بھی تھے اور شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے -

(۳۴)

لاہور، ۱۲ دسمبر ۱۹۱۷ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم!

آپ کا خط مل گیا ہے جو واقعات مقدمہ آپ نے تحریر کیے ہیں ان سے یقینی امید ہے کہ مقدمہ[1] آپ کے حق میں ہوگا - آپ پنڈت کیول کرشن صاحب سے ضرور ملیں - وہ میرے دوست بھی ہیں اور شاگرد بھی اور شعر کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں اور نہایت محبت کرنے والا دل اس پر مستزاد - وہ ضرور آپ کے معاون ہوں گے - مہربانی کر کے لکھیں کہ آیا آپ ان سے ملے یا نہیں -

تھوڑے سے حالات تو حیدر آباد کے لکھنے چاہئیں جو آپ کو خط سے معلوم ہوئے ہیں - ہاں ترک گرامی[2] کے اشعار نہایت عمدہ ہیں - زبان خوب، بندش چست اور مضامین نفیس - اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے - میں نے

عرصہ سے کوئی شعر نہیں لکھا ۔ فارسی کا کوئی نہایت شگفتہ مصرع لکھیے ، شاید قبض کی حالت مبدل بہ بسط وانشرح ہو جائے ۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) یہ مقدمہ مولانا گرامی نے اپنی بہن کے خلاف جدی مکان سے بے دخلی کا کیا تھا ، جس کا فیصلہ آخر راضی نامہ پر ہوا تھا ۔ باخبر حلقوں کا بیان ہے گرامی کی بہن کا نام فضل بی بی تھا اور ان کی شادی شیخ نصیر الدین سے ہوئی تھی ۔

(۲) ترک گرامی سے مراد مولانا گرامی کی اہلیہ اقبال بیگم ترک تھیں ، جو اردو میں شعر کہتی تھیں ۔

(۳۵)

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط کئی دن ہوئے ملا ۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے ۔ کل خان نیاز الدین خاں صاحب کا خط آیا تھا ۔ جالندھر بلاتے ہیں ، میں ضرور حاضر ہوتا ، مگر چونکہ والد مکرم پرسوں تشریف لائے ہیں ، اس واسطے معذور ہوں ۔ کل شیخ عمر بخش صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ۔ ان کی معرفت میں نے اپنا عذر خاں صاحب کی خدمت میں پہنچا دیا ہے ۔ خان صاحب بڑی خوبی کے آدمی ہیں اور مجھے اُن سے اُنس ہے ۔ مگر افسوس کہ جالندھر لاہور سے دور ہے ورنہ ان سے ہر روز ملاقات ہوتی ۔

امید کہ آپ کو اپنے مقدمے سے جلد فرصت ہو جائے گی ۔ کیول کرشن صاحب کام بھی خوب کریں گے ۔ آپ کے فارسی اشعار نہایت مزے کے ہیں ۔[۱]

کہ با شکستہ دلاں ذوقِ امتحاں بخشد

سبحان اللہ کیا خوب مصرع ہے ۔ گرامی عمر میں بڑھتا ہے مگر اس کا

دل جوان رہتا ہے ۔

کہیے حیدر آباد کا کب تک قصد ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ باقی خیریت ۔ والسلام !

محمد اقبال ، لاہور

۲۷ دسمبر ۱۷ء

تعلیقات

(۱) گرامی کے ان فارسی اشعار کی داد اقبال نے دی ہے :

نگاہ بخشد و دل بخشد و زباں بخشد چرا گناہ نہ بخشد کسی کہ جاں بخشد

ستم ظریفی آں چشم فتنہ مست مپرس کہ باشکستہ دلاں ذوق امتحاں بخشد

(دیوان گرامی ، صفحہ ۳۳)

(۳۶)

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی ملا ۔ مثنوی کی داد کا شکر گزار ہوں اور ایک کاپی ڈاک میں ڈالتا ہوں ۔ اگر اقبال حکیم سنائی ہے تو گرامی کیا ہوگا ؟

تعجب ہے آپ نے میرے عذرات سے یہ سمجھا کہ میں حق گوئی سے پہلو تہی کرتا ہوں ۔ یہ بات صحیح نہیں ہے ۔ جو کچھ مجھے معلوم ہے مجھے اس کے کہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا اور حق امر کے اخفا کو میں گناہ عظیم جانتا ہوں ۔ واقعی میں اور شیخ عبدالقادر آپ کے ہاں گئے تھے اور دعوت کھائی تھی ۔ لیکن جو عذرات میں نے کیے تھے ان کا مقصود صرف یہ تھا کہ گواہی لاہور میں ہو جائے اور مجھے جالندھر جانا نہ پڑے ۔ مصارف کے متعلق جو عذر کیا گیا تھا ، اس کا مقصود بھی سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مصارف خواہ پانچ ہوتے خواہ پچاس وہ ہر صورت میں آپ کو واپس ملنے تھے ۔ لیکن تمام امور سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں حق گوئی سے پہلو تہی کرتا ہوں ، یہ مجھ پر صریح ظلم ہے ۔ آپ کے ساتھ تو تعلقات ہیں جس آدمی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ ہو ، میں اس

کے لیے بھی حق گوئی کے لیے تیار ہوں ۔ انشاء اللہ !

گزشتہ چند ہفتوں سے میری طبیعت بوجہ درد گردہ خراب تھی اور اب تک ہے ۔ اور سفر میں مجھ کو ہمیشہ تکلیف ہو جایا کرتی ہے ۔ بہر حال اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں ضرور جالندھر جا کر ہی گواہی دوں تو میں آپ کے لیے یہ تکلیف برداشت کرنے کو ہر وقت تیار ہوں ۔ آپ کے لیے میرا جالندھر جا کر گواہی دینا اور لاہور میں بذریعہ کمیشن گواہی دینا بالکل برابر ہے ۔ اس میں قطعاً کوئی فرق نہیں ۔ تاہم آپ کی خواہش کے مطابق عمل درآمد کرنے میں مجھے کیوں کر دریغ ہو سکتا ہے ۔ باقی رہا یہ امر کہ میری گواہی کا فائدہ ہوگا یا نہیں یا اس میں نقصان کا احتمال ہے یا نہیں اس پر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔

میرا فرض صرف اس قدر ہے کہ حق بات کہوں اور آپ کی خواہش کے مطابق عمل کروں ۔ والسلام !

مخلص ، محمد اقبال

تعلیقات

یہ خط اسی دیوانی مقدمے کے سلسلے میں ہے ، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے ۔ گرامی ، اقبال کی شہادت مکان کے قبضہ کے بارے میں عدالت کے ذریعے دلوانا چاہتے تھے مگر اقبال جالندھر جانے کی بجائے لاہور میں کمیشن کے ذریعے بیان دینے کے حق میں تھے ۔ گرامی اس کو پہلو تہی سمجھتے تھے ، حالانکہ اس سے اخفائے حق کا کوئی پہلو نہیں نکلتا تھا ۔

(۳۷)

لاہور ۱۰ جون ۱۸ ع

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

بہت عرصے کے بعد آپ کا والا نامہ ملا ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ الحمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں ۔ مقدمہ کا راضی نامہ ہو گیا ۔ اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ۔ اب شکوہ شکایت کیا ہوگی ۔ آپ نے کام تو وہی

کیا جس کے لیے میں ابتدا سے مصر تھا۔ اور یہ اصرار فریق ثانی کی ہمدردی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کی عزت و آبرو کے احساس کی وجہ سے۔ مجھ سے صدہا لوگوں نے پوچھا اور اس مقدمہ بازی پر استعجاب کیا۔ گرامی سے پنجاب کے لوگوں کو محبت ہے۔ بلکہ بعض لوگ، جن میں میں خود بھی شامل ہوں، اس کو ولی مانتے ہیں۔ پھر اس قسم کی مقدمہ بازی کو خلاف توقع جان کر ان کے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ میری دلی کیفیت تو یہ ہے کہ ایسے معاملے میں روپیہ کا نقصان بھی برداشت کر جاؤں اور پروا نہ کروں۔

اسی معیار کی عینک سے آپ کو بھی دیکھتا ہوں۔ باقی رہا میرا گواہی دینے کے لیے نہ آنا، سو اس کے لیے میں حاضر تھا جیسا کہ میں نے آپ کو لکھا بھی تھا۔ بلکہ آپ مقدمہ کے خوف سے بھاگ کر دہلی میں نواب سراج الدین خان سائل[1] کے یہاں پناہ گزین تھے۔ اگر آپ مجھے لکھتے تو اس سے محفوظ جگہ آپ کے لیے تجویز کر دیتا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

لاہور تشریف لانے کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا، اس پر لاہور کی تمام آبادی میں کسی کو بھی اعتبار نہیں۔ حتیٰ کہ سادہ لوح بچے بھی اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ اشعار آپ نے خوب لکھے[2]۔ میرا دل تو آپ کے ہر ہر لفظ پر پھڑک جاتا ہے: شور شیریں را زبان تیشہ فرہاد دہ۔ اے سبحان اللہ للّٰہ درک۔

پنجاب یونیورسٹی میں اب فارسی کے ایم۔ اے۔ کا امتحان بھی ہوا کرے گا۔ میں اس کے لیے کورس تجویز کر رہا ہوں۔ آپ کا مطبوعہ کلام کچھ ہو تو اس میں درج کروں۔ وہ مثنوی جو آپ نے شائع کی تھی، کیا اب بھی کہیں سے مل سکتی ہے؟ میرا ارادہ ہے کہ اس امتحان میں ایک پرچہ ہندوستان کے فارسی شعرا کا ہو۔ اس ضمن میں آپ بھی آ جائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ آپ کی لاپروائی نے کلام جمع ہونے نہ دیا۔ بہر حال مثنوی کا وہ حصہ جو آپ نے شائع کیا تھا، اگر مل سکتا ہو تو اس کا پتا دیجیے یا اس کو پھر شائع کیجیے۔

نواب ذوالفقار علی خاں آپ کو بہت یاد کرتے ہیں ۔ دو چار روز ہوئے شملہ چلے گئے ۔ طبائع کی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے ۔ مولوی ظفر علی خاں بھی حیدر آباد پہنچ گئے ۔ آپ نے اخباروں میں پڑھ لیا ہوگا ۔ مقدمہ میں راضی نامہ ہو گیا ہے تو بہن کے ساتھ صلح (یعنی حقیقی معنوں میں) بھی رکھیے ۔ اللہ تعالیٰ برکت دے گا ۔ ہمشیر دنیا میں ماں کی قائم مقام ہے ۔ والسلام !

آپ کا مخلص محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی ۲۰ شوال ۱۲۸۰ھ (۲۹ مارچ ۱۸۶۴ع) کو پیدا ہوئے ۔ ''مرزا سراج الدین احمد خاں'' سے تاریخ ولادت برآمد ہوتی ہے ۔ ان کی پہلی شادی والئی پاٹوڈی کی ہمشیر سے ہوئی تھی ۔ دوسرا نکاح داغ کی لے پالک بیٹی لاڈلی بیگم سے کیا ۔ داغ ہی سے تلمذ تھا ۔ بہت دن تک حیدر آباد میں داغ ہی کے پاس رہے اور وہاں سے ایک رسالہ ''معیار الانشا'' نکالتے تھے ۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۵ع کو ۸۲ برس کی عمر میں انتقال کیا ۔ مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا ۔ ایک ضخیم مثنوی ''نورٌ علیٰ نور'' میں جہانگیر اور نور جہاں کی حیات معاشقہ بیان کی ہے جو نامکمل رہ گئی ۔ ''بہ جنت جانشین داغ آسود'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

(۲) جن اشعار نے اقبال کو متاثر کیا وہ دیوان گرامی کے صفحہ ۸۳ پر موجود ہیں ۔ دو شعر یہ ہیں :

عشق می ورزی ملامت را مبارک باد دہ
ننگ را آتش زن و ناموس را برباد دہ
کوہ کن خود جان شیریں داد اے عشق غیور
شور شیریں را زبان تیشۂ فرہاد دہ

(۳۸)

لاہور، ۱۲ اکتوبر ۱۸ء

جناب مولانا گرامی مدظلہ العالی۔

گرامی کو خاک پنجاب جذب کرے گی یا خاک دکن؟ اس سوال کے جواب کے لیے حسب الحکم مراقبہ کیا[1]، جو انکشاف ہوا معروض ہے۔

گرامی ''مسلم'' ہے اور ''مسلم'' تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے۔ یہ ایک قوۃ نورانیہ ہے کہ جامع ہے جواہر موسویت و ابراہیمیت کی۔ آگ اسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں بستیاں اس میں سمائی ہوئی ہیں۔

پانی آگ کو جذب کر لیتا ہے، عدم بود کو کھا جاتا ہے، پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلل تمام تناقضات کی ہو، اسے کون جذب کرے؟ مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت حیات موت کو اپنے اندر جذب کر کے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے۔

شاید نضیر نام ایک شخص تھا کہ ہجرت سے پہلے حضور علیہ السلام کو سخت ایذا دیتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جب حضور شہر میں داخل ہوئے تو ایک مجمع عام میں آپ نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ ذو الفقار حیدری نے ایک آن میں اس کم بخت کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی، لیکن وہ ہستی جس کی آنکھوں میں دوشیزہ لڑکیوں سے زیادہ حیا تھی، جس کا قلب تاثرات لطیفہ کا سرچشمہ تھا، جو اہل عالم کے لیے سراپا رحمت و شفقت تھی، اس درد انگیز منظر سے مطلق متاثر نہ ہوئی۔ نضیر کی بیٹی نے باپ کے قتل کی خبر سنی تو نوحہ و فریاد کرتی اور باپ کی جدائی میں درد انگیز اشعار پڑھتی ہوئی (یہ اشعار حماسہ میں منقول ہیں) دربار نبوی میں حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر! اشعار سنے تو حضور اس قدر متاثر ہوئے کہ اس لڑکی کے ساتھ مل کر رونے لگے۔

یہاں تک کہ جوش ہمدردی نے اُس سب سے زیادہ ضبط کرنے والے انسان کے سینے سے بھی ایک آہ سرد نکلوا کے چھوڑی ! پھر نضیر کی تڑپتی ہوئی لاش کی طرف اشارہ کرکے فرمایا : ''یہ فعل محمد رسول اللہؐ کا ہے'' اور اپنی روتی ہوتی آنکھ پر انگلی رکھ کے کہا : ''یہ فعل محمد بن عبداللہ کا ہے'' پھر حکم دیا کہ نضیر کے بعد کوئی شخص مکہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔ غرض کہ اس طرح مسلم حنیف جذبات متناقض یعنی قہر و محبت کو اپنے قلب کی گرمی سے تحلیل کرتا ہے اور اس کا دائرۂ اثر اخلاق تناقضات تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام طبعی تناقضات پر بھی حاوی ہے۔ پھر ''مسلم'' جو حامل ہے محمدیت کا اور وارث ہے موسویت و ابراہیمیت کا کیوں کر کسی ''شے'' میں جذب ہو سکتا ہے ؟ البتہ اس زمان و مکان کی مقید دنیا کے مرکز میں ایک ریگستان ہے ، جو مسلم کو جذب کر سکتا ہے اور اس کی قوت جاذبہ بھی ذاتی اور فطری نہیں بلکہ مستعار ہے ایک کفِ پا سے ، جس نے اس ریگستان کے چمکتے ہوئے ذروں کو کبھی پا مال کیا تھا۔

شیخ محمد اقبال صاحب[۲] آپ کا دستی خط لائے تھے۔ جو کسی مسلم کا عزیز ہے وہ میرا عزیز ہے۔ وہ جب چاہیں تشریف لائیں۔ میرا دروازہ کسی پر بند نہیں اور اگر میں کچھ جانتا ہوں تو وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اس کے معاوضہ میں نہ اطاعت چاہتا ہوں ، نہ محبت ، نہ عزت ، نہ روپیہ۔ اشعار کی داد نہ دوں گا جب تک لاہور میں تشریف نہ لائیں۔ ابھی نیازالدین صاحب کا خط ملا ہے۔ وہ بھی لکھتے ہیں کہ گرامی صاحب لاہور آنے کا وعدہ کرتے ہیں مگر مشکل یہ ہے کہ کسی کو اعتبار نہیں آتا۔ بخار لاہور میں ہر سال ہوتا ہے۔ اب کے سال نسبتاً کم ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کا فضل ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ الحمد للہ کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ ابھی آپ کی بڑی ضرورت ہے۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) گرامی دربار حیدر آباد سے سبکدوش ہوکر وطن واپس آ چکے تھے

اور یہ اقبال ہی کی کشش کا نتیجہ تھا ، جس کا اظہار گرامی نے اپنے کئی خطوں میں کیا ہے ۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :

''حضرت مجدد عصر تسلیم ! گرامی حیدر آباد میں ، اقبال لاہور میں ۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جس کی کشش زبردست ہوگی وہ دوسرے کو کھینچ لے گا ۔ میرا ضمیر یہ کہہ رہا ہے کہ اقبال اور گرامی ایک جگہ ہوں گے ۔''

دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں :

''حضرت مجدد عصر ڈاکٹر صاحب ۔ تسلیم ! آپ کا خط مل گیا ۔ نہ کسی محفلِ نشاط کی دعوت ، نہ کسی انجمن کی کشش گرامی کو لاہور کھینچ سکتی ہے ۔ ہاں ڈاکٹر کی محبت کی نسبت گرامی کچھ نہیں کہہ سکتا ۔

رشتہٴ در گردنم افگندہ دوست

دوری میں نزدیکی ہے ، نزدیکی میں دوری ۔ گرامی دوری کو نزدیکی پر ترجیح دیتا ہے ۔

رباعی

از دوریِ قرب ناصبوری خیزد — کو قرب کہ در زمین دوری خیزد
ہاں مہرہٴ عشق غایبانہ می باز — صد فتنہٴ خفتہ در حضوری خیزد''

تیسرے خط میں شکایت کرتے ہیں :

''ایک مدت سے خط و کتابت کا سلسلہ بند ہے ۔ اگر یہی لیل و نہار ہیں ، گرامی کا پنجاب میں رہنا نقش بر آب ہے ۔

گرامی بہت جلد دکن چلا جائے گا ۔ سر اقبال کے جذبہٴ محبت نے گرامی کو حیدر آباد سے کھینچا تھا ورنہ بہشت سے نکل کر دوزخ میں آنا گرامی کی حماقت کی دلیل ہے ۔''

اُدھر حیدر آبادی دوست اور قدر دان بار بار انھیں وہاں بلاتے رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ان کا وظیفہ بھی عمداً روک لیتے تھے تاکہ گرامی تنگ آ کر خود ہی وہاں چلے آئیں ۔ آخر ایک خط میں گرامی نے اقبال کو لکھا :

"گرامی جالندھر میں ہے ، ہر روز صبح سے شام تک واجب التعظیم مہمان مرشد دہر امام شہر یعنی حضرت ملک الموت کے قدوم میمنت لزوم کا چشم براہ ہے ۔ دیکھیے کب تشریف لاتے ہیں ۔ پنجاب میں ملاقات ہوگی یا دکن میں ۔ آثار سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ دکن میں ملاقات ہوگی۔ امیر مینائی ، داغ دہلوی ، حبیب کنتوری ایک جگہ جمع ہیں ۔ گرامی کی جگہ ابھی تک خالی ہے اور یہ سب حضرات گرامی کے چشم براہ ہیں :

پاک از عدم آمدیم و ناپاک شدیم   آسودہ در آمدیم و غم ناک شدیم
بودیم در آب دیدہ در آتش دل   از خاک بر آمدیم و در خاک شدیم

اس پر اقبال نے مراقبہ کیا کہ "گرامی کو خاک پنجاب جذب کرے گی یا خاک دکن" اور جو انکشاف ہوا اپنے اس خط میں بے کم و کاست بیان کر دیا ۔ حیات و ممات کی حکمت پر فلسفیانہ بحث اس سے بہتر کیا ہوگی ؟ پھر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اشارہ کتنا بلیغ ہے کہ "مسلم کو موت نہیں چھو سکتی کہ اس کی قوت حیات موت کو اپنے اندر جذب کرکے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے ۔ گرامی مسلم ہے ، تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کر سکے ۔ یہ ایک قوت نورانیہ ہے کہ جامع ہے موسویت و ابراہیمیت کی ۔ آگ اسے چھو جائے تو برد و سلام بن جائے ، پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے ، آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہوئی ہیں ۔"

انشاء اور طرز بیان کے اعتبار سے بھی یہ خط ادب عالیہ میں شمار ہونے کے قابل ہے ۔

کچھ اسی قسم کے خیالات اقبال نے مثنوی "رموز بے خودی" میں "ملت محمدیہ" کے بارے میں ظاہر کیے ہیں :

زانکہ ما را فطرت ابراہیمی است   ہم بہ مولیٰ نسبت ابراہیمی است
از تہ آتش بر اندازیم گل   نار ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار   چوں بباغ ما رسد گردد بہار

(اسرار و رموز ـ صفحہ ۱۳۸)

(۲) یہ شیخ محمد اقبال صاحب بی ـ اے ، ایل ـ ایل ـ بی گرامی کے ملنے

لے تھے - ہوشیار پور میں رہتے تھے ، اپنے کسی کام کے سلسلے میں لاہور
کر اقبال سے ملے تھے - ۱۹۶۶ع میں بعارضۂ قلب لائلپور ریلوے اسٹیشن
انتقال کیا -

(۳۹)

ڈیر مولانا گرامی !

کئی روز ہوئے ایک خط لکھا تھا - معلوم نہیں آپ تک پہنچا یا نہ
نچا - وہ خط آپ کے دستی خط کے جواب میں تھا - آج آپ کا خط ملا -
حمد للہ کہ آپ بخیریت ہیں - یہاں بھی تا دم حال خدا کا فضل ہے اور
م سب بخیریت ہیں - لاہور میں اب بیماری کمی پر ہے - اللہ تعالیٰ جلد
س بلائے بے درماں کو دفع کرے اور اپنی عاجز مخلوق پر رحم فرمائے -
ق خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا - گرامی سال خوردہ ہے -
نی سالوں اور برسوں کو کہا جاتا ہے پھر بوڑھا کیوں کر ہو سکتا ہے -
ڑھا تو وہ ہے جس کو سال اور برس کہا جائیں - والسلام !

مخلص محمد اقبال لاہور

۴ نومبر ۱۸ع

(۴۰)

لاہور ، ۲۰ نومبر ۱۸ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام لیکم !

والا نامہ مع غزل ملا - سبحان اللہ ! کیسی دلآویز غزل ہے - ایک
یک شعر پر دل تڑپتا ہے ، کس کس کی داد دوں - اگر آپ اس طرح کلام
رسال فرماتے رہیں تو میں تھوڑے عرصے میں آپ کا مجموعہ تیار کر کے
نیا کے سامنے اس بیش بہا خزانے کو پیش کر دوں گا - افسوس ہے آپ نے
ب تک اس طرف توجہ نہ کی - جو کچھ یاد آتا ہے لکھتے جائیے اور
جھے بھیجتے جائیے - اس زمانہ انحطاط میں کسی مسلمان کا ایسا کلام ہونا
س بات کی دلیل ہے کہ قوم میں زندگی کی قوتیں ابھی باقی ہیں -

آپ ہمیشہ لکھتے ہیں کہ آ، ہوں مگر آ بھی چکیے - اب لاہور میں

بیماری نہیں ہے ۔ نواب ذوالفقار علی خاں جو بیماری کے خوف سے اب تک شملے میں تھے ، وہ بھی لاہور پہنچ گئے اور آپ تو اللہ والے ہیں ، آپ کو کیا خوف ہو سکتا ہے ۔ ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون ۔

حلیمہ رض کی روایت آپ نے خوب لکھی اور شعر نے تو مجھ پر ایسا اثر کیا کہ قریباً بے ہوش ہو گیا ۔ کئی دن سے طبیعت پر قبض تھی ۔ اس شعر نے ایسی کشایش کی کہ دل کا بخار سیال بن کر آنکھوں کی راہ سے نکل گیا ۔ الحمد للہ علی ذالک ۔ آپ اس کشایش کے محرک ہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور کلام کی تاثیر میں اور اضافہ کرے ۔ کل ایک استاد کا شعر سر خوش کے تذکرہ میں نظر آیا :

کشیدہ ام ز جنوں ساغرے کہ ہوش نماند
دگر معاملہ با پیر مے فروش نماند

گذشتہ رات سینکڑوں دفعہ یہ شعر پڑھا اس امید میں کہ اس کی تاثیر سے دل کی قبض رفع ہو ، مگر کشایش نہ ہوئی ۔ مگر ''بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو'' نے تیر بہدف کا کام کیا ۔ للہ در من قال ۔

مندرجہ بالا شعر بھی خوب ہے ۔ اس پر چند اشعار لکھے ۔

چند اشعار ''دنیاے عمل'' پر لکھے تھے جو عرض کرتا ہوں :

ہست ایں می کدہ و دعوت عام است ایں جا
قسمتِ بادہ باندازۂ جامُ است ایں جا

حرف رازے کہ بروں از حد صوت است ہنوز
از لب جام چکید است و کلام است ایں جا

نشہ از حال بگیرند و گذشتند ز قال
نکتہٗ فلسفہ دردِ تہ جام است ایں جا

ما دریں رہ نفسِ دہر برانداختہ ایم
آفتابِ سحرِ او لب بام است ایں جا

اے کہ تو پاس غلط کردۂ خود میداری
آنچہ پیش تو سکون است خرام است ایں جا

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) ''دنیائے عمل'' کے زیر عنوان جو اشعار اقبال نے اس خط میں لکھے ، وہ پیام مشرق کے صفحات ۱۴۴ - ۱۴۵ پر ''جہان عمل'' کے عنوان سے شائع ہوئے - اقبال نے دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''حرف رازے کہ بروں از حد صوت است ہنوز'' لکھا تھا - گرامی نے ''حرف آں راز کہ بیگانہ ز صوت است ہنوز'' کی شکل دے دی - گرامی اقبال کو لکھتے ہیں :

''ڈاکٹر صاحب - تسلیم !

ہست ایں میکدہ و دعوت عام است ایں جا
قسمت بادہ باندازۂ جام است ایں جا

سبحان اللہ ! کیا شعر ہے - مصرع ثانی جواب نہیں رکھتا یا اپنا ثانی نہیں رکھتا - دعوت عام دلیل اثبات -

حرف آں راز کہ بیگانہ ز صوت است ہنوز
از لب جام چکیدست و کلام است ایں جا

واہ واہ ! راز کو حرف اور صوت کا لباس پہنا دو تو وہ کلام ہو جاتا ہے - اور کلام کی تعریف بھی یہ ہے کہ وہ حرف اور صوت سے مرکب ہو :

دوش در بت کدہ مستانہ در آمد اقبال
گردش چشم بتاں گردش جام ست ایں جا

اقبال کی غزل عرفی کی غزل کا جواب ہے ، بلکہ بڑھ کر -

ایک غزل اور خدمت میں بھیجتا ہوں - امانت گرامی ہے اور رہین اقبال - حضرت اقبال اللہ والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں - میں تو ایک سخت گنہگار ہوں - قال کی گرداب میں پھنسا ہوا ہوں - جو کہتا ہوں وہ نہیں کرتا -

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی غزل پر ایک غزل لکھی ہے - وہ زمانہ نہیں ، وہ زمین نہیں ، وہ آسمان نہیں ، وہ پیر و مرشد نہیں ، حضرت امیر خسرو نہیں - اس زمانہ میں گرامی تصوف کے رنگ میں کیا لکھ سکتا ہے - ان حضرات کی تاثیر کا عشر عشیر بھی گرامی کو مل جائے ، تو گرامی

کا کلام گرامی قدر ہو جائے - غور سے اس غزل کو دیکھیں اور مجھے لکھیں -

حضرت چراغ دہلوی

اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در وے چوں بو بہ گلاب اندر
در سینہ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

ہمارے ایک حاذق دوست کا اصرار تھا کہ ''دریا بہ حباب اندر'' ضرور لائو اور یہی رنگ ہو - اپنی پوری غزل بھیجتا ہوں - امانت رکھیے - والسلام !

راقم گرامی

محلات کی خدمت اقدس میں اللہ والے کا سلام کہہ دیجیے -''

مگر اقبال نے ۲ دسمبر ۱۹۱۸ع کے خط میں پھر لکھا کہ ''بیگانہ صوت است ہنوز'' خوب ہے مگر افسوس کہ ''بیگانہ صوت'' راز کی صفت میں واقع ہوا ہے ''حرف'' کی صفت میں واقع ہونا چاہیے تھا - مجھے اپنا مصرع ابھی تک کھٹکتا ہے - طبیعت حاضر ہو تو پھر غور کروں گا -

لیکن پیام مشرق میں یہ مصرع اب بھی اسی طرح نظر آتا ہے :

حرف آں راز کہ بیگانہ صوت است ہنوز

البتہ اس نظم کے آخر میں اس شعر کا اضافہ ہو گیا ہے :

ما کہ اندر طلب از خانہ بروں تاختہ ایم
علم را جاں بادیدیم و عمل ساختہ ایم

(۲۱)

لاہور ، ۲ دسمبر ۱۸ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

والا نامہ مل گیا ہے - غزل کیا ہے دفتر معرفت ہے - یہ غزل[۱] کئی دفعہ آپ سے سن کر مزے لے چکا ہوں - آج قند مکرر کا مزہ دے گئی - ابھی

اس کے دو شعر مولانا اکبر کو لکھے ہیں کہ تنہا خوری نہ ہو . . . مرگ است بخواب اندر ، سبحان اللہ ! فلسفہ حال کے بعض حقائق ان اشعار میں ایسی خوبی سے نظم ہوئے ہیں کہ اگر ان حقائق کے مغربی معلم سنیں تو پھڑک جائیں ـ یہ فغان فطرت ہے ـ اُدھر کسب و آورد ـ ''بیگانہ صوت است ہنوز'' خوب ہے ـ مگر افسوس ہے کہ ''بیگانہ صوت'' راز کی صفت میں واقع ہوا ہے ''حرف'' کی صفت میں واقع ہونا چاہیے تھا ـ مجھے اپنا مصرع ابھی تک کھٹکتا ہے ـ طبیعت حاضر ہو تو پھر غور کروں گا ـ اس جگر کاوی کا اندازہ عام لوگ نہیں لگا سکتے ـ ان کے سامنے شعر بنا بنایا آتا ہے ـ وہ اس روحانی اور لطیف کرب سے آشنا نہیں ہو سکتے جس نے الفاظ کی ترتیب پیدا کی ہے ـ جہاں اچھا شعر دیکھو سمجھ لو کہ کوئی نہ کوئی مسیح مصلوب ہوا ہے ـ اچھے خیال کا پیدا کرنا اوروں کے لیے کفارہ ہونا ہے ـ امید کہ مزاج بخیر ہوگا ـ والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) گرامی کی جس غزل کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے ، اس کا مطلع اور ''بخواب اندر'' والا شعر یوں ہیں :

پنہانم و پیدایم کیفم بشراب اندر
پیدایم و پنہانم داغم بکباب اندر
رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگ است بخواب اندر

(دیوان گرامی ، صفحہ ٦٦)

(۴۲)

ڈیر مولانا گرامی ! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ ابھی ملا ہے ـ الحمد للہ کہ خیریت ہے ـ

مصرع ''ایں سِرّ خلیل است'' الخ حاضر ہے ـ تصرف بے جا کی

کون سی بات ہے ۔ آپ کا مال ہے مگر آپ نے جو مصرعے لگائے ہیں ان سے قلب کو تسکین نہیں ہوئی ۔ قلب کچھ اور مانگتا ہے اور معلوم نہیں کیا ؟ چند اشعار خان نیاز الدین خاں صاحب کے خط میں تھے ۔ غزل پوری کر کے ارسال فرمائیے ۔ پھر ایک ہی دفعہ داد دوں گا ۔ ''با سوختگاں قصہ ز کوثر نتواں گفت'' خوب مصرع[1] ہے ۔ اقبال بھی غزل ضرور لکھے گا مگر گرامی کی لطافت اور حلاوت کہاں سے لائے گا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ عجیب و غریب مضامین خیال میں آ رہے ہیں مگر ان کی تکمیل کے لیے فرصت اور وقت کہاں سے آئے گا ۔ گذشتہ شب سے بارش ہو رہی ہے ۔ سردی پھر عود کر آئی ہے ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال ، لاہور

۱۶ فروری ۱۶ع

تعلیقات

(۱) اس خط میں گرامی کے جن اشعار کی داد دی گئی ہے ، وہ یہ ہیں :

با دل شدگاں قصہ ز محشر نتواں کرد ۔۔۔ با سوختگاں حرف زکوثر نتواں گفت

آں رمز جلیل است ابو جہل چہ فہمد ۔۔۔ آں سرّ خلیل است باآزر نتواں گفت

یہ شعر بھی اسی غزل کا ہے :

در دیدۂ معنی نگہاں حضرت اقبال ۔۔۔ پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

(دیوان گرامی صفحہ ۳۰ - ۳۱)

(۴۳)

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم*

خط ملا ۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے ۔ میں ابھی تک علیل ہوں ۔ کسی قدر افاقہ ضرور ہے ، الحمد للہ علیٰ ذالک ، دو چار روز میں دہلی جانے کا قصد ہے کہ حکیم صاحب اور ڈاکٹر انصاری سے مشورہ کروں ۔

اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

بھائی صاحب سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے - والد مکرم ابھی یہیں ہیں اور سلام کہتے ہیں - علی بخش کے پھوڑے کا اپریشن کرا دیا تھا - اب بالکل اچھا ہے گو کسی قدر کمزور ہے - والسلام !

آپ کا مخلص محمد اقبال

*یہ خط غالباً فروری یا مارچ ۱۹۱۹ع کا ہے -

(۴۲)

لاہور ، ۱۶ مارچ ۱۹ع

جناب مولانا گرامی - السلام علیکم !

کیا خوب - گرامی تو اقبال کو پورا سال ٹالتا رہے اور اقبال ایک ہی خط سے آ جائے ، یہ کیوں کر ممکن ہے - اصل بات یہ ہے کہ شاعر جس قدر بلند نظر ہوگا اس قدر سادہ دل بھی ہوگا - حضرت یہ توقع آپ کی مبنی بر انصاف نہیں - پہلے آپ لاہور تشریف لائیے ، پھر اقبال بھی جالندھر آئے گا -

نیاز الدین خاں صاحب کا خط مجھے بھی آیا تھا ، آپ نے تو ان کو شاعر بنا دیا - واقع میں اوروں کی انتہا اُن کی ابتدا ہے - کل کسی ہندو فارسی شاعر کا ایک شعر نظر سے گذرا ، کیا لطیف و نازک مضمون پیدا کیا ہے :

بسکہ بے روئے تو در پرواز رنگ گلشن است
رشتۂ نظارہ بندد بر ہوا گلدستہ را

دہلی میں نواب صاحب لوہارو سے ملاقات ہوئی تھی - وہ آپ کے بڑے مداح ہیں - مجھ سے بھی شعر کی فرمائش کرتے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے شعر پڑھنا سوء ادب ہے -

بہر حال کچھ نہ کچھ اشعار انھیں سنانے پڑے - تعجب ہے کہ لوگ مجھے شاعر سمجھ کر مجھ سے شعر کی فرمائش کرتے ہیں حالانکہ مجھے شاعری سے کچھ سروکار نہیں -

آپ کی غزل لاجواب ہے[1]: ''عشوہ مفروش کہ محمود غلام است اینجا''

للہ درک ۔ گرامی خود بوڑھا مگر اس کا فن جوان ہے ۔

جب پیر ہو گئے ہیں تو یہ فن جواں ہوا

"آفتاب لب بام" بھی خوب نکلا ۔ لیکن "خام" ابھی باقی ہے ۔ اس پر ضرور لکھیے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص محمد اقبال

خان صاحبان نیاز الدین خان و امیر الدین خان کی خدمت میں آداب عرض ہو ۔

تعلیقات

(۱) جن اشعار کی طرف اس خط میں اشارہ کیا گیا ہے ، وہ گرامی کی اس غزل کا مطلع اور مقطع ہیں ، جو دیوان گرامی کے صفحہ ۔ پر موجود ہے ۔

عشق را لاف مزن کار تمام است اینجا
عشوہ مفروش کہ محمود غلام است اینجا
جلوہ افروز گرامی ست بہ خاک پنجاب
آفتاب است ولے بر لب بام است اینجا

اس زمین میں دیگر اساتذہ نے بھی طبع آزمائی کی ہے مثلاً عرفی ، نظیری ، مخفی وغیرہ ۔

(۴۵)

لاہور ، ۴ جنوری ۲۰ء

جناب مولانا گرامی !

السلام علیکم ۔ شیخ عمر بخش صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے علاج کے لیے لاہور تشریف لاتے ہیں مگر حسب معمول آپ تشریف نہ لائے ۔ میں اس سے پہلے بھی کئی دفعہ آپ کو لکھ چکا ہوں کہ اپنا علاج لاہور آ کر کرائیے ، مگر آپ نے اپنی غفلت سے مرض کو پرانا کر لیا ہے ۔ اس مرض میں دوا سے زیادہ فائدہ پرہیز میں ہے ، جو آپ سے ناممکن ہے ۔

بہتر ہو کہ آپ کچھ مدت کے لیے یہاں آ کر ڈاکٹر محمد حسین صاحب[1] سے علاج کرائیے ، بشرطیکہ پرہیز کرنے کا ارادہ مستحکم ہو جائے ۔ شاعرانہ کمال نے آپ کی قوت ارادی کو فنا کر دیا ہے ۔ تخیل کی قیمت عزم و ارادہ ہے ، جو شاعر کو ادا کرنی پڑتی ہے ۔ باقی توفیق الٰہی شامل ہو تو کچھ مشکل نہیں ۔ تمام وہ چیزیں جو شکر پیدا کرنے والی ہوں یک قلم چھوڑ دینی چاہیں اور چند روز نعماے دنیا کی طرف سے مستغنی ہو جانا چاہیے ۔ میرے جہاد کو دیکھیے کہ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک دفعہ کھاتا ہوں اور تمام ثقیل اور دیر ہضم چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں ۔ امید کہ آپ بھی ایسا کریں گے ۔ زیادہ کیا عرض کروں بجز اس کے خدا کے فضل و کرم سے سب طرح خیریت ہے ۔ جنوری کے مہینے میں لاہور میں خوب رونق ہوتی ہے ۔ سردی بھی خوب ہے ، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) ڈاکٹر محمد حسین لاہور کے مشہور معالج تھے ۔ وطن شکرگڑھ تھا اور اقبال کے دوست تھے ۔ میٹرک تک ہم جماعت رہے ۔ ۲۶ اپریل ۱۹۳۹ء کو بعارضہ فالج دماغی ان کا انتقال ہوا ۔ (مجاہد کبیر ، ۱۹۶۲ء ، صفحہ ۲۳۶) کرنل ڈاکٹر بشیر حسین ریٹائرڈ ڈائرکٹر ہیلتھ سروسز مغربی پاکستان انھی کے فرزند ہیں ۔ بڑے مخیر تھے ۔ ہزاروں روپے تبلیغ اسلام کے لیے دیے ۔ ساملی سینی ٹوریم انھیں نے بنایا تھا ، پھر اسے حکومت کے حوالے کر دیا ۔ ڈاکٹر محمد حسین شاہ جب کبھی اقبال سے ملنے آتے تو اقبال اٹھ کر استقبال کرتے اور جاتے وقت بھی اسی طرح رخصت کرتے ۔ اس سے اخلاص و محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

(۲۶)

لاہور ، ۱۲ جولائی ۲۰ء

جناب گرامی !

میاں عبدالعزیز[1] آپ کے منتظر ہیں ۔ کئی روز ہوئے کہتے تھے گرامی

تعزیت کے لیے ضرور آئے گا - بہت بہتر ضرور تشریف لائیے - ایک دو روز میں بارش بھی ہو جائے گی - فقیر صاحب[2] تک آپ کا پیغام پہونچا دیا ہے - وہ خود پوچھتے تھے کہ چاول کہاں پہونچاؤں - ریل کے ذریعے پہونچ نہیں سکتے کہ باربرداری بند ہے - کسی آتے جاتے آدمی کے بدست ارسال کریں گے - اگر آپ یہاں تشریف لے آتے (جس کا مجھے یقین نہیں) تو یہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے -

سندھی مہاجرین[3] کابل کا نظارہ بڑا رقت انگیز تھا - لوگ ہزاروں کی تعداد میں اسٹیشن پر ان کے استقبال کو حاضر تھے - اہل لاہور نے بڑے جوش سے ان کا خیر مقدم کیا - وہ شعر میں نے غزل سے کاٹ دیا ہے - وقت ملاقات گفتگو ہوگی - والسلام -

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) میاں عبدالعزیز بیرسٹر، لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں - وہ جب ولایت سے نئے نئے بیرسٹری کرکے آئے تو پہلے ہوشیار پور میں پریکٹس شروع کی، جہاں گرامی بھی موجود تھے - دونوں میں بے تکلفی اس حد تک بڑھ گئی کہ ایک مرتبہ گرامی نے احباب کو چائے کی دعوت دی، جس میں میاں صاحب کو بھی بلایا مگر وہ کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تو گرامی نے یہ اشعار لکھ کر ان کی خدمت میں ارسال کر دیے:

در مہر و وفا و علم و حکمت ہمہ طاق
عباس و گرامی و حکیم و اسحاق
جمع آمدہ در بیت گرامی امروز
زیں غصہ خود شد لکدکوب نفاق

امروز چہ روز روز عیداست ولے
عید من و ماہ رمضان آفاق
ہنگامہ گرم و چائے جوش اخلاص
باغ ارم این ست چہ ہند و چہ عراق

بگذاشتہ یار را فروشد در غار
دادیم عزیز را گرامی سہ طلاق
(دیوان گرامی ، صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۴)

میاں عبدالعزیز کے والد مولوی الٰہی بخش بھی گرامی کے خاص دوستوں میں تھے - ان کا انتقال ۱۹۲۰ء میں ہوا -

میاں عبدالعزیز بلدیہ لاہور کے صدر ، لاہور کارپوریشن کے پہلے میئر تھے ، پنجاب اسمبلی کے رکن اور کل ہند راعین کانفرس کے صدر کی حیثیت سے قومی کاموں میں خاص دلچسپی لیتے رہے ہیں - ہندوستان کے عظیم قومی رہنما لاہور میں آپ ہی کے مہمان ہوتے تھے - اب موصوف بڑھاپے کے باعث خانہ نشین ہیں -

(۲) فقیر صاحب سے مراد فقیر سید نجم الدین ہیں ، جو لاہور کی مشہور فقیر فیملی سے تعلق رکھتے تھے - گرامی نے ۱۴ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے خط میں ہوشیار پور سے اقبال کو لکھا تھا :

"جناب سید فقیر نجم الدین خان بہادر کی خدمت میں گرامی کی طرف سے چاول کا شکریہ ادا کر دیجیے اور وہ چاول اپنے پاس گرامی کی امانت رکھیے - گرامی چند روز تک خدمت میں حاضر ہوگا -"

(۳) برطانیہ نے پہلی عالمی جنگ کے دوران خلافت اور جزیرۃ العرب کے احترام و تحفظ کے جو وعدے مسلمانان ہند سے کیے تھے ، جنگ کے بعد انہیں پس پشت ڈال دیا اور ایسی روش اختیار کی جو احترام خلافت اور تقدس جزیرۃ العرب کے سراسر خلاف تھی - لہٰذا مسلمانوں کے لیے کھلم کھلا برطانیہ کی شدید مخالفت کے سوا چارہ نہ رہا - اس سلسلے میں ایک تحریک ہجرت کی بھی تھی جو اصولاً مذہبی ارشادات کی بنا پر جاری ہوئی اور اس کا ایک اہم مقصد دنیا پر یہ آشکارا کرنا تھا کہ مسلمانان ہند برطانیہ سے اتنے بیزار ہیں کہ ملک چھوڑ کر جانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں - اس وقت تک کسی اور اجتماعی تحریک کا فیصلہ نہیں ہوا تھا - ہمارے ہمسایہ ملک افغانستان نے مہاجرین کا خیر مقدم کیا - چنانچہ یہاں سے

لوگ قافلہ در قافلہ جانے لگے - ان میں سے ایک بڑا قافلہ سندھی مہاجرین کا تھا جس کے سالار مرحوم جان محمد جونیجو بیرسٹرایٹ لاء تھے - اقبال کے مکتوب میں اسی قافلہء مہاجرین کا ذکر ہے جو لاہور سے گزرا تھا -

افغانستان کے وسائل اس زمانے میں ایسے نہ تھے کہ لامحدود مہاجرین کے لیے اسباب معیشت مہیا ہو جاتے - اس لیے مہاجرین کو روکنا پڑا - جو جا چکے تھے ، ان میں سے بھی اکثر واپس آ گئے - اس اثنا میں ترکِ موالات کی تحریک اعلیٰ پیمانے پر شروع ہو چکی تھی جسے کانگرس نے عدم تعاون کے نام سے اختیار کیا اور یہ محض اسلامی ہی نہیں ملکی تحریک بھی بن چکی تھی - یوں ہجرت کے بجائے خود ملک کے اندر حکومت برطانیہ سے پُر امن اور موثر مقاطع کا جہاد شروع ہو چکا تھا اور ہر مسلمان کے لیے اس جہاد میں شرکت ہی حصول مقاصد کا ایک اہم ذریعہ بن گئی تھی -

(۴۷)

لاہور

ڈیر مولانا گرامی !

عید مبارک ہو - آپ حیدر آباد چلے گئے یا ابھی ہوشیار پور میں ہی مقیم ہیں - لاہور آئیے تو آپ کا علاج اچھی طرح کرایا جائے ، پھر تندرست و توانا ہو کر یہ سفر کیجیے - بھلا یہ شعر دیکھیے کیسا ہے[1] :

کم نہ شود خزانہء مدت بے نہائتت
یک دو نفس زیادہ کن غنچہء نیم باز را

مقصود یہ ہے کہ تیرے پاس وقت کا ایک لازوال خزانہ ہے - پھر غنچہ کی عمر اگر تھوڑی سی زیادہ کر دے تو اس میں کوئی کمی نہ ہوگی - بہ نظر انتقاد ملاحظہ کیجیے -

مولوی میر حسن صاحب کی خدمت میں بھی میں نے یہ شعر سیالکوٹ لکھا ہے دیکھیں ان کی کیا رائے ہے ؟

میں ایک روز دانت کے درد سے لاچار رہا - مسوڑا پھول گیا تھا - آخر ڈاکٹر کے نشتر نے آرام دیا -

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

یہ خط غالباً ۱۹ جولائی ۱۹۲۰ع سے پہلے کا ہے -

(۱) اقبال عرفی کی اس غزل کے جواب میں غزل لکھ رہے تھے ، جس کا مطلع ہے :

خیز و بجلوہ آب دہ سرو چمن طراز را
آب و ہوا زیادہ کن باغچہٴ نیاز را

کچھ معلوم نہیں اقبال کے اس شعر کے متعلق مولانا سید میر حسن یا گرامی نے کیا رائے دی ، مگر اقبال نے خود ہی اسے حذف کر دیا اور اس کی جگہ دوسرا شعر لکھا :

دیدۂ خواب ناک او گر بہ چمن کشادۂ
فرصت یک نظر بدہ نرگس نیم باز را

اور یہی شعر ''کشادۂ'' کی جگہ ''کشودۂ'' اور ''فرصت'' کی جگہ ''رخصت'' کی جزوی تبدیلی کے ساتھ پیام مشرق میں موجود ہے (صفحہ ۱۷۵) -

(۴۸)

لاہور ، ۱۹ جولائی ۲۰ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

آپ کا خط مل گیا ہے - الحمدللہ کہ خیریت ہے - آپ نے شعر کا مطلب جو اس خط میں لکھا وہی میرے ذہن میں تھا - لیکن شعر غزل سے نکال دیا ہے ، اس واسطے کہ پہلے مصرع کی ترکیب فلسفیانہ ہے ، شاعرانہ نہیں - میں نے ہر چند سوچا کوئی بات نہ نکلی اور نہ اچھے الفاظ ملے ، جو اس مضمون کو ادا کرنے کے لیے موزوں ہوں - غرض کہ اس شعر کو نکال کر دوسرا شعر لکھا ہے ، جو مضمون میں اس سے کسی قدر مختلف ہے :

دیدۂ خواب ناک او گر بچمن کشادۂ
فرصت یک نظر بدہ نرگس نیم باز را

آپ کو معلوم ہوگا عرفی کی غزل ہے ۔ مجھے ذرا کمزور نظر آئی اس واسطے اس پر غزل لکھنے کی جرأت ہوئی ۔ ورنہ اس کی غزل پر غزل لکھنا گراسی کا کام ہے ، نہ اقبال کا کہ ایک آدھ شعر اچھا نکل گیا ۔ عرفی کا مطلع ہے :

خیز و بجلوہ آب دہ سرو چمن طراز را
آب و ہوا زیادہ کن باغچۂ نیاز را

میں نے عرض کیا ہے[۱] :

خیز و نقاب بر کشا پردگیان ساز را
نغمۂ تازہ یاد دہ مرغ نوا طراز را

برہمنے بغزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ بندہ شدی ایاز را

جادہ ز خون رہرواں تختۂ لالہ در بہار
ناز کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را

سجدۂ تو بر آورد از دل کافراں خروش
اے کہ دراز تر کنی پیش کساں نماز را

گرچہ متاع عشق را عقل بہاے کم نہد
من نہ دہم بہ تخت جم آہ جگر گداز را

''حرف نگفتۂ شما بر لب کو دکاں رسید''
از من بے زبان بگو خلوتیان راز را

بس اتنے ہی شعر تھے ، مقطع لکھنے کی عادت ہی نہیں ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ آپ نے مولانا فاخر پر خوب رباعی لکھی[۲] ، دونوں شعروں میں ایک جہان معنی آباد ہے ۔ آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ اسرار خودی کا انگلستان میں خوب چرچا ہو رہا ہے ۔ کیمبرج یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اس پر متعدد لیکچر دیے ہیں اور اس کے مطالب پر مختلف ادبی سوسائٹیوں میں خوب بحث ہو رہی ہے ۔ انگریزی ترجمہ موسم سرما میں شائع ہوگا ۔ اس وقت پریس میں ہے ۔ مسٹر محمد علی[۳] نے ایک پبلک ڈنر میں جس میں ایرانی و ترک و عرب تھے ، تقریر کرتے ہوئے اس

کے اشعار سنائے تو وہ لوگ محو حیرت و استعجاب ہو گئے۔ اس کی تفصیلی کیفیت اخبار بمبئی کرانیکل میں چھپی ہے۔ کل شوکت علی صاحب[۴] سے معلوم ہوا۔ میں نے خود وہ اخبار نہیں دیکھا۔

اگست کے مہینے میں کشمیر جانے کا قصد ہے۔ دیکھیے ارادہ پورا ہوتا ہے یا نہیں۔ آپ کب تک لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔

امل افزوں ز عمر دہ کرگس!

اے سبحان اللہ حقائق و معانی سے لبریز ہیں یہ تینوں شعر جزاک اللہ۔ ان اشعار سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گرامی زندہ جاوید ہے۔ علاج مرگ کی کیا فکر ہے، لیکن اگر نتیجہ مطلوب ہو تو ایک چھوٹی سی رباعی[۵] عرض ہے، جو تین چار روز ہوئے لکھی تھی:

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم　　اگر درس حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نہ داری　　وگر جانے بہ تن داری نمیری

زیادہ کیا عرض کروں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص، محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اشعار کی ترتیب بدل گئی ہے۔ (دیکھیے پیام مشرق، صفحہ ۱۷۵)

(۲) مولانا فاخر پر جو رباعی گرامی نے کہی تھی، وہ یہ ہے:

علامۂ دہر شیخ اکمل فاخر　　سجادہ نشین شاہ اجمل فاخر
گفتم کہ بود ثانی شبلی و جنید　　زد نعرہ بچرخ عقل اول فاخر

(رباعیات گرامی، صفحہ ۲۵۷)

(۳) رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ء — ۴ جنوری ۱۹۳۱ء) مسلمانان ہندوستان کے شہرۂ آفاق رہنما "کامریڈ" اور "ہمدرد" کے ایڈیٹر۔ زندگی کا بڑا حصہ قومی تحریکات میں گزارا۔ قید بھی ہوئے۔ صحت بھی تباہ کی اور زندگی کی ہر متاع بے دریغ قربان کر ڈالی۔ یہ دعوت لندن میں دی گئی تھی جب مولانا وفد خلافت لے کر حکومت برطانیہ کو آخری مرتبہ

تنبیہ کرنے گئے تھے - پہلی گول میز کانفرنس کے رکن کی حیثیت سے بھی لندن گئے تھے وہیں انتقال ہوا اور سید امین الحسینی مفتی فلسطین کے اصرار پر انھیں مسجد قدس کے ایک حجرے میں جو مشرق جانب ہے ، دفن کیا گیا -

(۴) رئیس الاحرار کے بڑے بھائی ، تحریک خدام الحرمین اور تحریک خلافت کے بانیوں میں سے ایک - وفات ۲۷ نومبر ۱۹۳۸ع -

مولانا گرامی نے ان مجاہد بھائیوں کی شان میں مندرجہ ذیل رباعی کہی ، جو غیر مطبوعہ ہے :

خوش دولت مادرست خوش بخت پدر
کاوردہ دو آفتاب یعنی دو پسر
یک جذبہ و یک ضمیر و یک دل یک جان
جوہر بہاں شوکت است شوکت جوہر

اقبال نے مولانا محمد علی کی وفات پر جو نظم کہی تھی اس کا ایک شعر یہ ہے :

خاک قدس او را باغوش تمنا در گرفت
سوے گردوں رفت زاں را ہے کہ پیغمبر گزشت

(۵) اقبال کی یہ رباعی پیام مشرق میں موجود ہے (صفحہ ۴۲) -

(۴۹)

لاہور ، ۷ نومبر ۲۰ع

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

علی بخش کے بدست بیگم گرامی صاحبہ کا تحفہ پہنچا ہے جس کے لیے میری بیوی نہایت سپاس گذار ہے اور کہتی ہے کہ میں اس کا شکریہ بیگم گرامی تک پہنچاؤں - آپ کا بہت انتظار رہا افسوس آپ نہ آئے پر نہ آئے - اگر آپ آتے تو خوب لطف صحبت رہتا - شیخ نصیرالدین[۱] کے کتب خانے سے طالب آملی[۲] کے دیوان کا ایک قدیم خوشخط نسخہ نکلا ہے ، وہ بھی آپ کو دکھلاتے - اس کے علاوہ شاہ نعمت اللہ ولی[۳]

کرمانی کا مشہور قصیدہ "حالت روز گار می بینم" پروفیسر براون[4] کی تاریخ ادبیات فارسی کی تیسری جلد میں، جو حال میں انگلستان سے چھپ کر آئی ہے، شائع ہوا ہے۔ یہ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ ہندوستان میں جو نسخے اس قصیدہ کے مروج ہیں، بہت غلط ہیں۔ پروفیسر براؤن نے جو نسخہ شائع کیا ہے، بہت صحیح ہے۔ اس کے بہت سے اشعار قابل غور اور حیرت انگیز ہیں۔ آپ آتے تو ان اشعار کی باریکیوں پر گفتگو ہوتی۔ ہاں خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ آپ نے سعدی کی غزل پر غزل لکھی تھی۔ "فرسنگ است۔ آہنگ است" اس پر چند اشعار میں نے بھی لکھے ہیں۔ فی الحال ایک دو شعر عرض کرتا ہوں[5]:

بیا کہ ساقیٔ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز باد بہاراں چو نقش ارژنگ است
بر آ ز کہنہ سرائے کہ ریختند ز خاک
جہان دل شدگاں آفریدۂ چنگ است
بلند تر ز سپہر است منزل من و تو
براہ قافلہ خورشید میل فرسنگ است

والسلام۔ محمد اقبال

تعلیقات

(۱) شیخ نصیر الدین کا اصل وطن ہوشیار پور تھا پھر یہ لاہور منتقل ہو گئے۔ خاندانی رئیس تھے۔ ان کے دادا اور چچا سکھوں کے وقت میں کشمیر کے گورنر تھے۔ خود شیخ صاحب بھی بلند مناصب پر فائز رہے شجرہ نسب حسب ذیل ہے:

شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر (وفات ۱۸۴۵ع)

شیخ امام الدین گورنر کشمیر — شیخ فیروزالدین (وفات ۱۸۸۰ع)

نواب شیخ غلام محبوب سبحانی (المتوفی ۱۹۰۳ع)

شیخ نصیرالدین (المتوفی ۱۹۲۰ع)

میاں ریاض الدین سپرنٹنڈنٹ پولیس

میاں غیاث الدین (وفات ۱۹۶۳ع) — میاں جی ـ معین الدین سی ایس پی سابق الیکشن کمشنر

(۲) طالب آملی جہانگیر کے دربار کا ملک الشعرا تھا ـ ماژندران سے ہندوستان آیا اور لاہور، آگرہ اور دہلی پھرتا پھراتا کشمیر پہنچا ـ اس جگہ کی خوبی اور آب و ہوا کی لطافت دامن گیر ہوئی ـ وہیں رہ پڑا اور ۱۶۲۵ع میں یہ بلبل بستان سخن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ـ اس کا دیوان ابھی تک غیر مطبوعہ تھا ـ لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید نے ۱۹۶۵ع میں اس کے کلام کا انتخاب مطبع فیروز سنز کراچی سے چھپوا کر شائع کر دیا ہے اور شروع میں طالب آملی کے حالات بھی لکھے ہیں ـ

(۳) شاہ نورالدین سید نعمت اللہ بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ کمال الدین جو طریقت میں سلسلہ نعمت اللہی کے مؤسس تھے، مہدی بیانی کی کتاب ''کارنامہ بزرگان ایران'' کے مطابق دو شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۷۳۱ھ (۲۶ دسمبر ۱۳۲۰ع) کو اور سعید نفیسی کی ''تاریخ نظم و نثر در ایران'' کے مطابق پنجشنبہ ۲۲ رجب ۷۳۱ھ (یکم مئی ۱۳۳۱ع) کو قصبہ کوہ بنان (کرمان)

میں پیدا ہوئے ۔ شیخ رکن الدین شیرازی ، شیخ شمس الدین مکی ، سید جلال الدین خوارزمی اور قاضی عضدالدین سے ادبیات و کلام و حکمت الٰہی اور فقہ کا علم حاصل کیا پھر قادری طریقہ کے مطابق سلک تصوف میں داخل ہو کر مصر ، کربلا ، کاظمین ، نجف ، دیار مغرب ، مکہ ، مدینہ ، بلخ اور ماوراء النہر کے سفر اختیار کیے ۔ اس کے بعد قصبہ ماہان میں خانقاہ تعمیر کی ۔ پچیس سال ہدایت و ارشاد اور وعظ و تبلیغ میں گزار کر پنج شنبہ ۲۲ رجب ۸۳۴ھ (۵ اپریل ۱۴۳۱ء) کو ایک سو تین برس کے سن میں انتقال کیا ۔ شاعری میں سید تخلص تھا ۔ ایک دیوان یادگار باقی ہے ۔ پانچ سو کے قریب رسالے بھی لکھے ، جن میں امانت ، برزخیہ ، شرح اخلاص ، شرح فاتح ، شرح گلشن راز ، منہاج المسلمین اور نصیحت ملوک وغیرہ بہت مشہور ہیں ۔

آپ کا ایک قصیدہ ایران اور پاکستان و ہند میں بے حد شہرت رکھتا ہے ۔ اس قصیدے کے بارے میں مشہور ہے کہ شاہ نعمت اللہ ولی کو مراقبہ میں آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کے متعلق جو کچھ نظر آیا وہ رموز و کنایات میں بیان کر دیا ۔ پروفیسر براؤن کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ قصیدہ شاہ نعمت اللہ ولی کے اس کلیات سے نقل کیا تھا جو سب سے قدیم اور صحیح ہے اور وہ آپ کی خانقاہ میں موجود ہے ۔

(۴) پروفیسر ڈاکٹر ای جی براؤن کیمبرج یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کے صدر اور مشہور مستشرق تھے ۔ وہ ۷ جنوری ۱۸۶۲ء کو انگلستان کے ایک قصبہ یولی میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے علم طب اور علوم مشرق میں اعزاز کے ساتھ ڈگریاں حاصل کیں مگر طب کو پیشہ نہیں بنایا بلکہ عربی ، فارسی اور ترکی زبانوں ہی کی بدولت شہرت حاصل کی اور ایران کا سفر بھی کیا ۔ اسلام اور عرب و عجم کے تمدن سے انہیں دلی اُلفت تھی ۔ مشرق کا معاملہ جب کبھی پیش آتا ، وہ اپنے ہم وطنوں کے خلاف مشرق والوں کی حمایت میں انصاف سے کام لیتے ۔ تاریخ ادب ایران ، انقلاب ایران ، ایرانیوں کے ساتھ ایک سال ، ایک قدیم تفسیر قرآن ، ترکی شاعری کی تاریخ ، ایران کی مختلف زبانوں کی شاعری ، اسلامی قلمی نسخوں کی دستی فہرست ،

تذکرۃ الشعراء ، تاریخ طبرستان اور طب عرب وغیرہ بیسیوں شہرہ آفاق تصانیف ان کی یادگار ہیں ۔ ان کی وفات پر جو ۶ جنوری ۱۹۲۲ع کو واقع ہوئی ، علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھ کر اپنی مثنوی اسرار خودی کے انگریز مترجم ڈاکٹر نکلسن کو بھیجا ۔

(قطعۂ تاریخ وفات پروفیسر ای جی براؤن اعلی اللہ معادہ)

نازش اہل کمال ای جی برون — فیض او در مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتم او سینہ چاک — از فراق او دل مشرق دونیم
تابفردوس برین ماوا گرفت — گفت ہاتف "ذالک الفوز العظیم"

۱۹ ۰ ۲۶

(۵) اقبال نے جس غزل کے تین شعر گرامی کو بھیجے تھے وہ پیام مشرق کے صفحات ۱۷۷ - ۱۷۸ پر چھپ چکی ہے ۔ پہلے شعر کا دوسرا مصرع تبدیل ہو کر یوں ہوگیا ہے :

چمن ز باد بہاراں جواب ارژنگ است

دوسرا شعر پیام مشرق میں شامل نہیں کیا گیا ۔

(۵۰)

لاہور - ۲۴ مارچ ۲۱ع

حضرت گرامی ۔ السلام علیکم !

والا نامہ ملا ۔ الحمد للہ کہ آپ مع الخیر پہنچ گئے ۔ بیگم صاحبہ کو بھی صحت ہو گئی ۔ اصل میں وہ مراقبہ میرا نہ تھا ، آپ کا تھا ۔ آپ نے اس پر اعتبار نہ کیا ، میں نے اعتبار کر لیا ۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے آپ کے تردد کا خاتمہ ہوا ۔ اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے تو کوئی فکر و تردد نہیں ہوتی ، بلکہ افکار نزدیک نہیں پھٹکتے ۔ کل سردار امراؤ سنگھ صاحب[1] آئے تھے ، آج شملہ جائیں گے ۔ آپ کو بہت بہت سلام کہتے تھے اور شہزادی دلیپ سنگھ[2] تو آپ کو دیکھنے کی مشتاق ہی رہیں ۔ انھوں نے پیغام بھی بھیجا تھا ۔ میں نے جواباً لکھ بھیجا تھا کہ گرامی صاحب ہشیار پور تشریف لے گئے ۔ الہامی غزل ابھی ختم نہیں ہوئی[3] ۔

"نمازے" والا شعر اس طرح پر لکھنے کا حکم ہوا ہے :

رہ دیر تختہ، گل ز جبین سجدہ ریزم
کہ نیاز من نگنجند بہ دو رکعت نمازے

ایک اور شعر بھی القا ہوا مگر یہ ابھی خراد پر ہے ۔

ہمہ ذرہ ہائے عالم بہ طواف خویش گردد
خرد ایں دو حرف گوید بحکایت درازے

علوم جدیدہ نے بڑی تحقیق و تدقیق کے بعد یہ معلوم کیا ہے کہ ذراتِ عالم اپنے محور پر حرکت کر رہے ہیں ۔ پہلے مصرع میں عالم کھٹکتا ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) سردار امراؤ سنگھ پنجاب کے مشہور جاگیردار تھے اور علامہ اقبال کے شیدائی تھے ۔ پٹیالہ میں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے ۔

(۲) شہزادی بمبا مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی اور دلیپ سنگھ کی بیٹی تھی ۔ کرنل سدر لینڈ سے بیاہی گئی جو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کا پرنسپل اور مشہور سرجن تھا ۔ شہزادی دلیپ سنگھ نے زندگی کا بیشتر حصہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں گزارا اور یہیں فوت ہو کر جیل روڈ والے قبرستان میں سپرد خاک ہوئی ۔ گرامی نے اس کی وفات پر یہ قطعہ کہا :

اے دخت دلیپ سنگھ اے در یتیم   اے نکتہ شناس بندگی آزادی
اے نور نگاہِ پادشاہِ پنجاب   از تخت شنشہی کجا افتادی
ہر چیز کہ در کان نمک شد نمک است   ضرب المثل آمد اے شہنشہ زادی

(دیوان گرامی ، صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۳)

بڑی مخیر اور خدا ترس خاتون تھی ۔ اپنی کوٹھی بھی ایک مسلمان کاردار کو بخش گئی ۔ حضرت علامہ کی اتنی عقیدت مند تھی کہ چلم بھروا کر حقہ خود ان کے سامنے رکھتی تھی ۔ اکثر ان کے ہاں آیا کرتی تھی ، فنون لطیفہ کی بے حد دلدادہ تھی ۔ مصوری کے بعض نادر نمونے اس کے

پاس تھے جو آجکل قلعۂ لاہور کے میوزیم میں آویزاں ہیں ۔

(۳) ''الہامی غزل ابھی ختم نہیں ہوئی ۔ نمازے والا شعر اس طرح پر لکھنے کا حکم ہوا ہے ۔ ۔ ۔'' وغیرہ فقرات سے پتا چلتا ہے کہ اس خط سے قبل بھی اقبال نے کوئی خط لکھا تھا جس میں اس غزل کے چند شعر گرامی کو بھیجے تھے لیکن وہ بد قسمتی سے اس مجموعۂ خطوط میں موجود نہیں ۔ یہ فقرات دراصل گرامی کے اس خط کے جواب میں ہیں جو انھوں نے ہوشیار پور سے ۱۵ شعبان المکرم ۱۳۳۹ھ (۲۴ اپریل ۱۹۲۱ع) کو لکھا تھا :

حضرت ڈاکٹر صاحب !

تسلیم ۔ گرامی کچھ بیمار رہتا ہے ۔ پیری و ہزار علت ۔ گرامی کو حکم ہوا ہے کہ دکن کو جاؤ ۔ غالباً ملک الموت کو فرمان الٰہی یہی ہے کہ گرامی کی روح کو حیدر آباد میں نکالا جائے ۔ پا بہ رکاب ہوں ۔ عنان گسستہ پہنچوں گا :

از کہ بگریزیم از خود ایں محال   از کہ بر تابیم از حق ایں وبال

گرامی پرانا آدمی ہے ، سال خوردہ ہے ۔ جوہر محبت گرامی کے دل درد منزل میں بہت ہے ۔ اسی جوہر محبت کا تقاضا تھا کہ گرامی نے اقبال کو دیکھ لیا مگر ایک حسرت رہی ، وہ یہ کہ ہائی کورٹ کی ججی پر جلوہ افروز نہ دیکھا ۔ ہاں قلم روئی معانی میں گورنر کی کرسی پر جلوہ فرما دیکھتا ہوں اور یہی ابدی عہدہ جلیلہ ہے ۔

حیدر آباد جاتا ہوں ، بہتر یہ ہے کہ تمام نمائش اور ریاکاری کو یہاں ہی چھوڑ جاؤں ۔

فرمائیے الہام کا کیا حال ہے ؟ وہ غزل پوری ہوئی ؟ پوری ہو گئی ہوگی ، مگر گرامی اس قابل نہیں کہ اس کو وہ الہام آمیز کلام بھیجا جائے :

ز ستیز آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

پہلے مصرع کو دوسرے مصرع سے کوئی ربط نہیں ۔ المعنی فی البطن شاعر ۔

یوں چاہیے :

دو شرارہ در کشاکش دو حریف در ستیزہ
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

اور دوسرا شعر یوں کر دیجیے :

بہ طوافِ محورِ خود ہمہ ذرہ ہاست گرداں
دوسہ حرف عقل گوید بہ حکایت دازے

مثنوی اسرار خودی میں فلاطونِ حکیم کی اضافت غلط ہے ۔ یوں کیجیے :

راہب دیرینہ افلاطون حکیم

حضرت ڈاکٹر صاحب ! میں نے پہلے لکھ دیا تھا کہ ریاکاریاں اور لابہ کوشیاں پستی آباد یعنی پنجاب ہی میں چھوڑ جاتا ہوں ۔ میرا ضمیر ان فروگذاشت کو دیکھ رہا تھا مگر ریا غالب تھی ۔ راستباری کو کام میں نہ لا سکا ۔ مجھے امید ہے کہ اس راستبازانہ تحریر سے ناراض نہیں ہوں گے ۔ انشا اللہ حیدر آباد پہنچ کر پھر خط لکھوں گا ۔

راقم گرامی

افسوس شیخ معظم کے دربار عالی شان سے ہمارے جالندھری سیدالسادات محروم رہے ۔ گرامی کی وقعت پنجاب میں یہ ہے ۔ حیدر آباد میں گرامی نے جس کی سفارش کی وہ کامیاب ہو گیا ۔ والسلام !

اقبال کی زیر بحث غزل پیام مشرق کے صفحہ ۱۷۶ - ۱۷۷ پر موجود ہے ۔ اس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے ''کہ ز ستیز آشنایاں . . . الخ'' والے شعر کو اقبال نے اسی طرح رکھا ہے ۔ گرامی کو لفظ ''ستیز'' پر اعتراض تھا ۔ انھوں نے اس کی جگہ ''کشاکش'' کا لفظ تجویز کیا اور مشورہ دیا کہ پہلے مصرع کو یوں کر دیا جائے :

دو شرارہ در کشاکش دو حریف در ستیزہ

مگر اس ترمیم سے نیاز و ناز پیدا ہونے والی بات ختم ہو جاتی تھی اور شعر بلند سطح سے گر کر پست سطح پر آ جاتا تھا اس لیے اقبال نے گرامی کا مشورہ قبول نہیں کیا ۔

دوسرے شعر ''ہمہ ذرہ ہائے عالم . . . الخ'' کی جگہ گرامی نے جو

شعر تجویز کیا وہ بھی اقبال کے خیال کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا تھا ، اس لیے اسے غزل سے خارج کر دیا ۔

(۵۱)

لاہور - ۳۱ مارچ ۲۱ع

ڈیر مولانا گرامی !

خط ملا ۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے ۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کو مجھ پر بدظنی ہوئی ہے کہ میں نے آپ کے بعض خطوط عمداً آپ تک نہیں پہنچائے ۔

افسوس ہے کہ گرامی کے بےلوث قلب میں ایسے خیالات کی بھی گنجائش ہے ۔ میں ایسا کرنے کو گناہ عظیم جانتا ہوں ۔

ظہوری کے شعر میں جو تصرف آپ نے کیا لاجواب ہے[1] ۔ مولانا روم نے بھی اس خیال کو ظاہر کیا ہے ۔ مگر افسوس ہے اس وقت شعر یاد نہیں آتا ۔ گرامی کے تصرف کا صلہ دست بوسی ہی تھا ۔ ظہوری کا انصاف بھی ویسا ہی قابل داد ہے جیسا کہ آپ کا تصرف ۔ البتہ عرفی کے عتاب کو میں حق بجانب سمجھتا ہوں ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ عرفی کا پہلا مصرع اس قابل ہے کہ اس میں تصرف کیا جائے اور لفظ ''دراز'' شعر کو زندہ کرنے کے لیے ضروری ہے ۔ مگر بحیثیت مجموعی آپ کا مصرع ''براہ تست مرا رشتۂ امید دراز'' کھٹکتا ہے ۔ بھلا اگر یوں لکھیے تو کیسا ہو[2] :

ز فیض مژدۂ لطف تو روز عیش دراز
بہ عہد وعدۂ وصل تو عمر غم کوتاہ

زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام !

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) ظہوری اور عرفی ایسے اُساتذہ کے اشعار میں گرامی کا تصرف کرنا

اور اقبال کا داد دینا کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے مگر قرین قیاس یہ ہے کہ یہ اشعار کسی قدر کمزور ہوں گے ، گرامی نے بادنئی تصرف ان میں جان ڈال دی ہوگی ۔ ویسے ظہوری کی پیروی میں گرامی نے پانچ چھ غزلیں کہی ہیں ۔ ایک غزل میں کہا ہے :

گرامی دماغِ ظہوری نداشت　　خبر را ز خود بےخبر سا ختیم

(دیوان گرامی ، صفحہ ۱۷)

قصائد میں عرفی کے جانشین بنتے ہیں :

بہ صورت جانشین عرفیم در معنیم عرفی
کہ گردد مستقل قائم مقام آہستہ آہستہ

(دیوان گرامی ، صفحہ ۸۵)

(۲) اقبال کا گرامی کو شعر میں تبدیلی کرنے کامشورہ دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے استفادہ کرنے میں سبکی محسوس نہیں کرتے تھے ۔

(۵۲)

ڈیر مولانا گرامی !

نہ سلامے نہ پیامے ۔ کل زمیندار میں آپ کی غزل دیکھی تو معلوم ہوا کہ آپ زندہ سلامت موجود ہیں ۔ واللہ ذالک ۔ شیخ محمد اقبال[۱] کا خط میرے نام آیا تھا جس میں وہ ہشیار پور کی دعوت دیتے ہیں ۔ افسوس ہے کہ گرمی بہت ہے ورنہ آپ کی زیارت کا ایک اور موقع مل جاتا ۔ اس کے علاوہ میں کشمیر سے بیمار واپس آیا ۔ ٹانگ میں درد ہے ، جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بھی دقت ہے ۔ آج علاج شروع کیا ہے ۔ شیخ محمد اقبال سے میری مجبوری کا ذکر کر دیجیے ۔ ان کے کارڈ کا جواب اس واسطے نہ لکھ سکا کہ وہ کارڈ کہیں گم ہو گیا اور اُن کا پتا مجھے یاد نہ تھا ۔

---

(۱) شیخ محمد اقبال بی ۔ اے ، ایل ۔ ایل ۔ بی ہوشیار پور ۔ دیکھیے تعلیقہ نمبر ۲ برخط ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۸ع ۔

امید کہ گرامی اور گرامی کے نصف بہتر کا مزاج بخیر ہوگا ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔

محمد اقبال لاہور

۱۴ جولائی ۱۲ء

(۵۳)

لاہور ، ۲۰ جولائی ۱۲ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

والا نامہ ملا ۔ خدا کے فضل سے اب قدرے آرام ہے ۔ گو حرکت میں ابھی تک اشکال ہے ۔ میری خبر کے لیے آپ آ چکے ۔ اگر میں لاہور میں مرا اور آپ اس وقت میاں میر میں ہوئے تو میں اپنے ورثاء کو وصیت کر جاؤں گا کہ مولانا گرامی کو اطلاع نہ دی جائے تاکہ ان کو سفر کی تکلیف نہ ہو ۔

آپ کی رباعیاں خوب ہیں ۔ ''در پردہ امام سہرہ بازی مائیم''[1] ۔ بیماری کے عالم میں مجھے بھی شاعری کی سوجھی ہے ۔ کل رات یہ قطعہ[2] خیال میں آ گیا ۔ ملاحظہ فرمائیے مگر کسی کو سنائیے نہیں کہ اس کی اشاعت ممنوع ہے ۔

مخلص محمد اقبال

با نویسندۂ کردار چناں گفت شریف
اے کہ از خامۂ تو کار جزا را تاسیس
زاں کہ آں راندۂ درگاہ ز رہ برد مرا
این گناہے کہ ز من رفت بہ شیطاں بنویس
گفت ابلیس و چہ خوش گفت کہ تقصیرم چیست
رفتم از راہ ز تلبیس وزیر انگلیس

تعلیقات

(۱) ان رباعیوں میں سے ایک رباعی یہ ہے :

شیخیم مقدسیم غازی مائیم — از راہ نشینانِ حجازی مائیم
بے پردہ بہ کعبہ سبحہ گرداں بودیم — در پردہ امام سہرہ بازی مائیم

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۲۵)

(۲) قطعۂ مندرجہ میں شریف سے مراد شریف حسین والیے حجاز ہے جس نے برطانیہ کی شہ پر ترکوں سے غداری کی ، حرمین کے اندر ترکوں اور دوسرے مسلمانوں کا خون بہایا ، لیکن جب برطانیہ کا مطلب حاصل ہو گیا تو شریف حسین سے متوقع سلوک نہ کیا ۔ آخر وہ ۱۹۲۴ء میں حجاز سے نکالا گیا ۔

(۵۴)

لاہور ، ۱۶ ستمبر ۲۱ء

ڈیر گرامی ۔ السلام علیکم !

آخر ماجیب تمنا تھی !

اس مصرع نے مجھے بے ہوش کر دیا ۔ اکبر مرحوم[1] کے انتقال سے پہلے ہی میری طبیعت افسردہ ہو رہی تھی ۔ اس مصرع نے نشتر کا کام کیا ۔ دل تو چاہتا تھا کہ اقبال کی خاطر ہوشیار پور کا مختصر سا سفر کرلوں مگر ایمان کی بات ہے کہ کسی خوشی کی تقریب میں شامل ہونے کو دل نہیں چاہتا ۔ اکبر مرحوم بے نظیر آدمی تھے ۔ وہ اپنے رنگ کے پہلے اور آخری شاعر تھے مگر شاعری کو چھوڑ کر ان کا پایہ روحانیات میں کم بلند نہ تھا ۔ اس بات کی خبر شاید ان کے عزیزوں کو بھی نہ تھی ۔ یوں تو کئی سالوں سے ان کے وقت کا بیشتر حصہ قرآن پڑھنے میں گذرتا تھا اور ان کی زندگی رفیق اعلیٰ سے ملنے کے لیے ایک تڑپ تھی مگر گذشتہ دو سال سے تو وہ موت کے بہت متمنی تھے ۔ کوئی خط ایسا مشکل سے ہوگا جس میں انھوں نے اس خواہش کا اظہار نہ کیا ہو ۔

ایک انگریزی مصنف لکھتا ہے کہ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی ہے ، زندگی سے محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ طویل العمری سے عروس حیات سے ہمارا اختلاط بڑھتا رہتا ہے اور اختلاط کا نتیجہ اُنس ہے ۔

بہر حال وجہ خواہ کچھ بھی ہو ، میں نے تو یہ کلیہ صوفی اکبر مرحوم کی صورت میں صحیح نہ پایا ۔ خدا ان کو غریق رحمت کرے ۔ مسلمانان ہند کو اپنے اس نقصان کا شاید پورا پورا احساس نہیں ہے ۔

اقبال محمد صاحب کو میرا یہ خط سنا دیجیے اور ان سے میری طرف سے معذرت کیجیے کہ افسردگی کی حالت میں لطف محفل کچھ نہیں - زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا - آپ کا خط زمیندار میں اشاعت کے لیے بھیج دیا ہے - گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے گا -

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی نے ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ع کو اس دنیا میں قدم رکھا اور ستمبر ۱۹۲۱ع میں انتقال کر گئے - نائب تحصیل داری سے ملازمت شروع کی اور سیشن جج کے عہدے سے پنشن لی - شاعری کی ابتدا غزل سے ہوئی لیکن بعد میں ان کی شاعری تہذیب جدید کے خلاف ایک موثر احتجاج بن گئی - بڑے خلیق اور منکسرالمزاج تھے - مفکر ، مصلح اور صوفی تھے - شوخی اور ظرافت ان کی سرشت میں شامل تھی ، قوم کے حالات کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا اور جو کچھ لکھا ، حقائق کی بنا پر لکھا - ان کا کلام تین جلدوں میں شائع ہو چکا ہے - اقبال ان کے بہت بڑے مداح اور قدر شناس تھے - راجہ غلام حسین کے انگریزی اخبار نیو ایرا لکھنؤ میں ایک مضمون لکھ کر بھی انہیں اردو زبان کا ہیگل قرار دیا ہے - یہاں تک کہ ان کا مرثیہ بھی کہا ہے :

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر حیاتش بہ حق بود روشن دلیلے
سر ذروۂ طور معنی کلیمے بہ بت خانۂ دور حاضر خلیلے
نوائے سحر گاہِ او کارواں را اذانِ درائے پیام رحیلے
ز دلہا بر افگندۂ لات و عزیٰ بجاں ہا کشانندۂ سلسبیلے
دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی ،
دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

مولانا گرامی نے ان کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے :

ز مرگ جگر سوز اکبر چہ گویم کہ کلکِ قضا خط کشیدش بدفتر
خوشا اکبر و مرحبا رفتنِ او کہ می رفت و می گفت اللہ اکبر

(دیوان گرامی ، صفحہ ۲۱۲)

(۵۵)

لاہور ، ۲۵ دسمبر ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ !

والا نامہ ابھی ملا ۔ غزل[۱] مرسل خدمت ہے ۔ میں نے وہ غزل بشیر کو اسی خیال سے نہیں دی تھی ۔ لیکن میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ گرامی صاحب نے تمھارے لیے غزل ارسال کی ہے ۔ مہربانی کرکے بعد از نظر ثانی جلدی بھیج دیجیے ۔ منیر کی قوالی غزل اس زمین میں مشہور ہے جسے قوال عام طور پر گاتے ہیں ۔ میں نے نہ چاہا کہ شائع ہونے کے بعد اس پر کوئی اعتراض کر دے ، اس واسطے بعض باتوں کی طرف توجہ دلائی ۔ اگر آپ کو مجھ سے اتفاق نہ ہو تو اسی طرح رہنے دیجیے ۔ کیونکہ آپ کا مذاق زیادہ معتبر ہے ۔

مقطع کی نسبت تو میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ بارگاہ نبوی میں مقبول ہوا ۔ مفصل کیفیت اس بات کی کل آپ کی خدمت میں لکھنے کو تھا کہ کسی قوت نے روک دیا ۔ دل کہنے لگا کہ اس امر کا انکشاف نامناسب ہے ۔ یہ حقیقت نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہے انشاء اللہ بالمشافہ عرض کروں گا ۔ بھلا یہ شعر کیسا ہے ۔[۲] (نظیری اور حافظ کی غزلیں اس زمین میں مشہور ہیں ۔ شاید آپ کی غزل بھی ہے ۔)

نہال ترک ز برق فرنگ بار آورد
ظہور مصطفوی را بہانہ بو لہبی است

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) یہ غزل گرامی نے میاں بشیر احمد مدیر ہمایوں کے لیے بھیجی تھی مگر اس میں کچھ سقم تھے اس لیے اقبال نے ان کے حوالے نہ کی بلکہ گرامی کو واپس کر دی ، مبادا شائع ہونے کے بعد کوئی اس پر اعتراض کرے ۔

(۲) یہ شعر جس غزل کا ہے وہ پیام مشرق کے صفحہ ۱۹۷ پر چھپ چکی ہے۔

(۵۶)

لاہور، ۲۹ دسمبر ۲۱ء

ڈیر مولانا گرامی۔ السلام علیکم!

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ واہ کیا خوب کہی کہ غزل ٹھیک کر کے کیوں نہ بھیج دی! کل کو یہ کہو گے کہ خاکم بہ دہن مولانا نظامی کے سکندر نامے کی اصلاح کر کے بھیج دو۔ کہیے لاہور آنے کا قصد بھی ہے یا نہیں۔ آخر یہاں کے لوگ بھی آپ پر حق رکھتے ہیں اور اشتیاق میں کسی سے کم نہیں۔ کل مرزا جلال الدین[۱] آپ کو لینے کے لیے جالندھر آنے والے تھے مگر میں نے اُن کو روک دیا ہے اس خیال سے کہ سردی میں آپ کو سفر ناگوار ہوگا۔ علاوہ اس کے مرزا صاحب کو مایوسی سے بچانا مقصود تھا۔ آپ نے اس مصرع کے متعلق کچھ نہ لکھا کہ کیا رائے ہے: ''بندگی بابہ، جبروت خدائی مفروش''[۲]

ظہور مصطفوی والا شعر آپ نے پسند کیا۔ نظیری کی غزل اس پر خوب ہے مگر خواجہ حافظ کی غزل سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ اگر اس زمین میں آپ پہلے نہیں لکھ چکے تو ضرور لکھیے اور جو شعر ہوں خط میں تحریر فرمائیے۔ آپ کو گزشتہ ہفتہ خط لکھنے کے بعد ایک آدھ شعر اور ہو گیا تھا۔[۳]

بشاخ زندگی ما نمی ز تشنہ لبی است
تلاش چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی است

رہ عراق و خراساں زن اے مقام شناس
دلم گرفتہ ز آہنگ بربط عربی است

متاع قافلۂ ما حجازیاں بردند
ولے زباں نہ کشائی کہ یار ما عربی است

ز من نواے بلندے مجو کہ در چمنم
ہنوز زمزمہ پست است و خندہ زیر لبی است

حدیث دل بہ کہ گویم چہ چارہ بر گیرم
کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی است

خیریت سے آگاہ کیجیے - آپ کا شعر دیرینہ غلامی را . . . الخ کل عبدالقادر آفندی[۴] خلف سردار ایوب خاں مرحوم مجھ سے نقل کرکے لے گئے -

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) مرزا جلال الدین بیرسٹر ادب اور موسیقی کا نہایت شستہ مذاق رکھتے تھے - اقبال کے جگری دوستوں میں سے تھے اور اس دوستی کی بنا پر زندہ رہیں گے -

(۲) ''بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش'' اقبال کی اس نظم کا آخری مصرع ہے جو پیام مشرق کے صفحہ ۱۵۷ پر ''بندگی'' کے عنوان سے شائع ہوئی ہے -

(۳) جو اشعار اقبال نے یہاں درج کیے ہیں ، پیام مشرق میں اشاعت کے وقت ان میں قطع و برید ہو گئی ہے - چنانچہ ''رہ عرق و خراساں . . . الخ'' والا شعر غزل سے خارج ہو گیا ہے - چوتھا شعر بدل کر یوں کر دیا گیا ہے :

غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیر لبی است

آخری شعر کا پہلا مصرع اس طرح بدلا گیا ہے :

حدیث دل بکہ گویم چہ راہ بر گیرم

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷)

(۴) عبدالقادر آفندی خلف سردار ایوب خاں اقبال کے دوست تھے - کابل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، مادری زبان فارسی تھی ، شعر کا نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے -

اس خط کے جواب میں گرامی نے لکھا :

حضرت ڈاکٹر صاحب تسلیم !

مسنج معنی من در عیار ہند و عجم
کہ اصل ایں گہر از گریہ‌ہائے نیم‌شبی است

گرامی سفید ریش ہے ۔ غزالان معانی کو دام میں نہیں لا سکتا ۔ ممکن ہے ریش سفید سے رم کرتی ہوں ۔ چند روز صبر کیجیے ۔ خضاب سے ریش دلریش کا منہ کالا کروں گا پھر غزل لکھوں گا ۔ جناب نے صحیح کہا ہے :

از خضابم نہ رسد مطلب دیگر بہ خیال
ایں قدر ہست کہ آہو نظران رم نہ کنند

آپ کے اس شعر کی نسبت مکرر بے خودانہ لکھتا ہوں کہ برادرم ایں بیت برادر ندارد ۔

متاع قافلۂ ما حجازیان بردند
ولے زبان نکشای کہ یار ما عربی است

بے مثل شعر ہے ۔ در نایاب ہے ، درد مند دل کی حالت کا آئینہ ہے ، گرامی بے خبر بھی اس مضمون سے باخبر ہو سکتا ہے ۔ بہت ہاتھ پیر مارتا ہوں کہ آپ کی تقلید کروں ، نہیں کر سکتا ۔ آخر یہ شعر نکالا ہے :

حدیث دل بہ زبان نگاہ می گویم زبان ما عجمی و حبیب ما عربی است
بہ نیم خندہ گرامی شبم بروز آور تصرف اثر نالہ ہائے نیم شبی است

(دیوان گرامی میں ''تصرف'' کی جگہ ''کرشمہ'' کر دیا گیا ہے صفحہ ۱۰۲) ۔

بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

اس مصرع میں لفظ ہمہ ، مصرع کی جان ہے ۔ آپ نے اس کا پہلا مصرع نہیں لکھا مگر میں نے صور علمیہ میں پہلا مصرع پڑھ لیا ۔ کیا یہی ہے ؟

گفت رفرف شب معراج کہ اے ختم رسل
بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

رفرف کو خبر ہے کہ کوئی انسان یہاں تک نہیں آیا ۔ الا وہ انسان کامل

جس کو وحی ہوئی کہ اے محمد کہہ دو کہ میں بھی تمہارے مثل ایک بشر ہوں :

احمد اندر احد کمر بند است　　　یعنی ایں بندہ آں خداوند است

والسلام

گرامی

(۵۷)

لاہور ، ۳۰ دسمبر ۱۲۱ع

مخدومی مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

کل ایک عریضہ لکھ چکا ہوں ، آپ کی رباعی[1] کی داد دینا بھول گیا :

با خود در بےخودی رسیدن سہل است

بےخود در خود رسی حضوری این است

سبحان اللہ ایک نہایت طویل و عریض مضمون کو آپ نے ایک مصرع میں نظم کر دیا ۔ سلطان ابو الخیر کی روح بھی تڑپ اٹھی ہوگی ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ رباعیاں بھی کہیں آپ کی لاپروائی کی نذر نہ ہو جائیں ۔ مہربانی کرکے ان کو لکھتے جائیے اور محفوظ رکھیے ۔

کل ایک غزل[2] کے چند اشعار آپ کی خدمت میں لکھے تھے ، ان میں ایک شعر یہ تھا :

ز من نوائے بلندے در چمنم

ہنوز زمزمہ پست است و ۔ زیرلبی است

گذشتہ رات چارپائی پر لیٹا تو طبیعت پھر اس شعر کی طرف عود کر آئی ۔ اس ہیولیٰ سے یہ صورت پیدا ہوئی :

غزل بہ زمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں

ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیر لبی است

''رہ عراق و خراساں زن اے مقام شناس'' الخ ۔ یہ شعر غزل سے نکال دیا ہے ۔ عراق ، خراسان ، مقام۔ہندوستان میں کون سمجھے گا[3] ؟

ان اشعار میں جو آپ کو ناپسند ہو کاٹ دیجیے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) جس رباعی کا یہ شعر ہے ، وہ رباعی یہ ہے :

از غصہ بہ خود میچ 'دوری این ست
حسرت مفروش ناصبوری این ست
با خود در بے خودی رسیدن سهل ست
بے خود در خود رسی حضوری این ست

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۱۸۵)

(۲) یہ غزل پیام مشرق میں چھپ چکی ہے (صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷) اس میں ''ز من نوائے بلندے . . . .'' والا شعر نہیں رکھا گیا بلکہ ''غزل بہ زمزمہ خوان . . . .'' والا رکھا گیا ہے ۔

(۳) عراق ، خراسان اور مقام چوں کہ ایرانی موسیقی کی اصطلاحات ہونے کی وجہ سے عام فہم نہ تھیں ، اس لیے یہ شعر اس غزل سے نکال دیا گیا :

رہ عراق و خراسان زن اے مقام شناس
دلم گرفتہ ز آہنگ بربط عربی است

مگر پیام مشرق کی نظم ''بہ مبلغ اسلام در فرنگستان'' میں یہ دوسرے مصرع کی تبدیلی کے ساتھ یوں نظر آتا ہے :

رہ عراق و خراسان زن اے مقام شناس
بہ بزم اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۵۹)

(۵۸)

لاہور ، ۵ جنوری ۲۲ء

مخدومی مولانا ۔ السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی ملا ۔ آپ نے اس غزل کے اشعار پسند فرمائے ، مجھے اس سے بے حد مسرت ہوئی ۔ اس پر غزل ضرور لکھیے ۔ مجھے تو آپ کے اس

شعر[1] نے تڑپا دیا :

کتاب عقل ورق در ورق فروخواندیم
تمام حیلہ فروشی و مدعا طلبی است

مضمون میرے حسب حال تھا ، تمام عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گذری اور آخر یہ معلوم ہوا کہ کتاب حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں۔ عقل اس سے بڑھتی ہے مگر دل روشن نہیں ہوتا ۔ آپ کا شعر پڑھتے ہی میری آنکھوں سے اس زور کے ساتھ آنسو اُمڈے کہ ضبط نہ ہو سکا :

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں
نے عقل نہ عشق نے تصرف نہ اثر
پیچیدہ بہ خویش مردہ در تابوتیم[2]

سبحان اللہ ! سبحان اللہ ! آپ کے ایک ایک مصرع میں سو سو بوتل کا نشہ ہے ، اسی واسطے تو گرامی پیر مغاں ہے ۔

ذو الفقار علی خاں لاہور ہی میں ہیں اور کئی دفعہ مجھ سے دریافت کر چکے ہیں کہ گرامی صاحب کب آتے ہیں ، آخر تنگ آکر اُن سے کہہ دیا کہ مولانا گرامی مجھ سے ناراض ہیں ، اس واسطے امسال تشریف نہیں لائے ۔ اگر حقیقت میں آپ کا مقصد لاہور آنے کا ہو تو میں علی بخش کو آپ کے لانے کے واسطے جالندھر بھیج دوں ۔ مرزا جلال تو اب مصروف ہیں ، نہیں آ سکیں گے ۔ آپ کے ایک اور مداح بھی لاہور میں تبدیل ہو کر آئے ہیں ۔ وہ بھی کئی بار پوچھ چکے ہیں ۔ غرض یہ کہ لاہور میں آپ کی بڑی مانگ ہے ۔ باقی رہا میں ، سو میرے لیے آپ کا یہاں قیام کرنا تقویت روح کا باعث ہے ۔ خدا جانے زندگی کب تک ہے ، کچھ عرصہ کے لیے آ جائیے تاکہ میں بھی آپ کی صحبت سے مستفیض ہو جاؤں ۔ یہ صحبتیں کسی زمانے میں تاریخ کے ورق بن جائیں گی ۔

ہاں اس غزل کا آخری شعر بھی لکھ دوں :

مسنج معنی من در عیار ہند و عجم
کہ اصل ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی است

عیار بھی بمعنی ترازو فارسی میں آیا ہے - ''بندگی باہمہ جبروت خدائی مفروش''[۳] کے متعلق آپ نے کچھ نہ فرمایا ، اس کی اصلاح کیجیے - میں اس مصرع سے ایک عجیب و غریب مضمون پیدا کروں گا - لفظ ہمہ کھٹکتا ہے - اگر آپ کے خیال میں ''ہمہ'' لفظ قابل اعتراض نہیں ہے تو پھر میں پہلا مصرع لکھوں گا - امید کہ مزاج بخیر ہوگا - والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) گرامی کے جس شعر نے اقبال کو تڑپایا وہ اس غزل کا شعر ہے جو دیوان گرامی کے صفحہ ۲۱ پر موجود ہے - غزل کا مطلع ہے :

نہاں بہ پردۂ فطرت ہزار بوالعجبی ست
تبسم سبب امتیاز بے سببی ست

(۲) یہ شعر جس کی اقبال نے تعریف کی ہے گرامی کی اس رباعی سے لیا گیا ہے :

ما زمزمہ سنج گلشن لاہوتیم — اُفتادہ بدام فتنۂ ناسوتیم
نے عقل نہ عشق نے تصرف نہ اثر — پیچیدہ بہ خویش مُردہ در تابوتیم

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۱۵۳)

(۳) یہ مصرع اسی طرح اقبال کی نظم ''بندگی'' کے آخر میں موجود ہے - اس میں کوئی تبدیلی عمل میں نہیں آئی - پہلا مصرع خود لگا کر شعر کو یوں پورا کیا :

گردِ راہیم ولے ذوق طلب جوہر ماست
بندگی با ہمہ جبروت خدائی مفروش

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۵۷)

(۵۹)

مخدومی مولانا السلام علیکم !

علی بخش کو ہشیار پور جانے کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے - وہ آج جانے

کو تھا مگر میں نے اسے اس خیال سے روک لیا ہے کہ شاید آپ اس کے ہمراہ آنے کا فیصلہ کر لیں ۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں مہربانی کرکے بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے کہ آپ کا کیا فیصلہ ہے تاکہ اگر آپ آئیں تو میں اسے جالندھر ٹھہرنے اور آپ کے لانے کے متعلق ضروری ہدایات دے کر یہاں سے چلنے کی اجازت دوں ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

۶ جنوری ۲۲ء

(۶۰)

لاہور ، ۷ جنوری ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

کئی روز ہوئے خط لکھا تھا جس کا جواب آپ کے ذمہ ہے ، خدا کرے آپ بخیریت ہوں ۔

آپ نے سن لیا ہوگا کہ امسال اقبال خلاف توقع خطاب یافتہ ہوگیا[۱] ۔ اس اعزاز کی اطلاع میں آپ کو خود دیتا مگر جس دنیا کے میں اور آپ رہنے والے ہیں ، وہاں اس قسم کے واقعات احساس انسانی سے بہت نیچے ہیں ۔

نہ من بر مرکب ختلی سوارم نہ از وابستگانِ شہر یارم
مرا اے ہم نفس دولت ہمیں بس چو کاوم سینہ را ، لعلے برآرم[۲]

خیر خیریت جلد لکھیے ، گھر میں میری طرف سے آداب ۔ آپ لاہور کب تک آئیں گے ؟

مخلص محمد اقبال ۔ لاہور

تعلیقات

(۱) گرامی کا جواب یہ تھا کہ ''اقبال کو سر کا خطاب ملا ، ایک جہان شور در سر ہے ۔ بے معنی شور ہے ۔ اس شور سے بُوے حسد آ رہی ہے ۔ گویا آپ کے سر نے خیرہ سروں کو سر بہ زانو کر دیا ۔ گرامی اقبال

ہے بھی زیادہ خوش ہے مبارکباد عرض کرتا ہے . . . .''

پھر یہ رباعی بھی کہی :

ہر نکتۂ علامہ وفا آہنگ است ہر حرف کلید حکمت و فرہنگ است

اقبال سر اقبال شد از جوہر علم حاسد عو عو کند علاجش سنگ است

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۳۰۰)

(۲) یہ رباعی پیام مشرق میں شامل ہو چکی ہے مگر اس کے تیسرے مصرع میں ''ہم نفس'' کی جگہ ''ہمنشین'' کر دیا گیا ہے - اب اسے یوں پڑھنا چاہیے -

مرا اے ہمنشیں دولت ہمیں بس چو کاوم سینہ را لعلے برآرم

(پیام مشرق ، صفحہ ۵۷)

(۶۱)

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

علی بخش آج صبح (۱۰ جنوری ۲۲ع منگل) ہوشیار پور روانہ ہو گیا - چوں کہ نواب صاحب[۱] کا تقاضا ہے کہ آپ لاہور میں آن کے دہلی جانے سے پہلے تشریف لائیں ، اس واسطے میں نے آسے تاکید کر دی ہے کہ وہ ہوشیار پور صرف ایک روز ٹھہرے - لہٰذا علی بخش ۱۱ جنوری یعنی بدھ کی شام کو آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گا - ۱۲ جنوری یعنی جمعرات کے روز آپ وہاں سے سوار ہو جائیں - علی بخش کو میں نے ہدایات دے دی ہیں - امید کہ خدا تعالیٰ آپ کو سفر کی توفیق عطا فرمائے گا - والسلام !

محمد اقبال ، لاہور

بدیدن کارڈ ہذا آپ سفر کے لیے تیار ہو جائیں - یہ کارڈ اسی واسطے لکھا ہے کہ شاعر کی نازک طبیعت پر سفر کی فوری تیاری ناگوار نہ گذرے -

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) نواب صاجب سے مراد نواب سر ذوالفقار علی خاں ہیں -

(۶۲)

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی ملا ہے - غزل آپ کی خوب رہی -

''عنایت ازلی پردہ دار بے سببی ست''

نظیری کے مصرع سے بڑھ گیا - (عنایت ازلی سببی ست) لفظ ''پردہ دار'' نے مصرع کو کہیں سے کہیں پہ اور شعر میں درد پیدا کر دیا -[۱]

علی بخش حاضر ہوتا ہے - میں پہلے ایک کارڈ لکھ وں - آپ اتنے عرصے میں خضاب کر لیں ورنہ لاہور میں آ کر ے گا کہ میں نے مہندی اور وسمہ آپ کے لیے منگوا رکھا ہیں) سید علی امام کے چھوٹے بھائی سید حسن امام[۲] ملے سے آپ کا ذکر آیا تھا - وہ ایک مقدمے کے لیے آئے ہوئے ہیں اور کچھ روز ٹھہریں گے - آپ تشریف لے آئیے تو ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی - ان کے ملنے سے ممکن ہے کہ آپ کے لیے کچھ اچھا نتیجہ نکلے اگرچہ آپ کو ان باتوں کی کوئی پروا نہیں - باقی خیریت ہے - تمام دوست آپ کے لیے چشم براہ ہیں -

نواب صاحب اور مرزا صاحب سلام علیکم عرض کرتے ہیں - شیخ اصغر علی صاحب کمشنر ہو کر ملتان چلے گئے ہیں - باقی خیریت ہے اور تشریف آوری کی تاکید اکید - والسلام !

محمد اقبال

تعلیقات

یہ خط غالباً ۱۰ جنوری ۱۹۲۲ع کے بعد کا ہے -

(۱) اقبال نے جس شعر کی داد دی ہے ، وہ یوں ہے :

دلیل عفو گناہم سبب نمی خواہد — عنایت ازلی پردہ دار بے سببی ست

(دیوان گرامی ، صفحہ ۲۱)

(۲) سید حسن امام پٹنہ (بہار) کے مشہور نواب سید امداد امام اثر

کے چھوٹے فرزند تھے - ۳۱ اگست ۱۸۷۱ع کو پیدا ہوئے، ۱۸۹۲ع میں بیرسٹری کرکے پٹنہ میں پریکٹس شروع کی - ۱۹۱۲ع میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے - ۱۹۱۶ع میں جب پٹنہ میں ہائی کورٹ قائم ہو گئی تو ججی سے مستعفی ہو کر پھر پریکٹس کرنے لگے اور تادم مرگ وہیں رہے - قوم پرست مسلمان تھے - اپنے علم و فضل، اپنی عقل و فہم، اپنی روشن دماغی، اپنی اصابت رائے سے ملک و قوم کو فائدہ پہنچایا - کسی سیاسی اسیر کی وکالت کے لیے لاہور تشریف لائے کہ اقبال سے کچھری میں ملاقات ہو گئی، اپنے بڑے بھائی سید علی امام کی وفات کے چھ ماہ بعد ۱۹ اپریل ۳۳ع کو انتقال فرمایا (زمانہ جون ۱۹۳۳ع) -

(۶۳)

لاہور ۲۵ جنوری ۲۲ع

مخدومی مولانا گرامی - السلام علیکم!

میں آپ کو خط لکھنے کو ہی تھا کہ آپ کا والا نامہ مل گیا - الحمدللہ کہ خیریت ہے -

ہر دیدہ و خواندہ شد فراموش الا تو ندیدہ در ضمیری

سبحان اللہ! ثم سبحان اللہ! یہ غزل[1] تو مخزن میں شائع ہونی چاہیے یا کسی اور رسالے میں - اخبار اس کے قابل نہیں - "یک شعر دل آویزے" کی سند کا منتظر ہوں[2] - ضرور تلاش کیجیے ورنہ ایسا اچھا شعر ہاتھ سے جائے گا - رخصت ہوتے وقت میں نے دو شعر آپ کو سنائے تھے - آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کچھ اور شعر اس غزل[3] پر ہو گئے تھے، وہ بھی عرض کرتا ہوں:

گماں مبر کہ سرشتند در ازل گل ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیر وجود

بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ بر لالہ رنگ و آب افزود

بہ علم غرّہ مشو کار مے کشی دگرست
فقیہ شہر گریباں و آستین آلود

نظر بہ خویش فروبستہ، نشان این است
دگر سخن نسراید ز غایب و موجود

بہ دیریان سخن نرم گو کہ عشق غیور
بنائے بتکدہ افگند در دل محمود

بہار تا بہ گلستاں کشید بزم سرود
نوائے بلبل شوریدہ چشم غنچہ کشود

یہ چند شعر آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہو گئے تھے ۔ شاید کچھ اور بھی ہو جائیں ، آپ یہاں تھے تو تحریک تھی ۔ آپ کے چلے جانے سے وہ تحریک غزل خوانی بھی افسردہ ہو کر مر گئی ۔ اقبال آپ کا پیر نہیں گرامی پیر اقبال ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ آج صبح مرزا سلطان احمد[۴] کہیں سے سن کر کہ آپ ابھی لاہور ہی میں ہیں ، آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے ، ابھی اٹھ کر گئے ہیں ۔ اپنی بزم احباب سے میرا سلام عرض کیجیے ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) یہ غزل جس کا ایک شعر دیا گیا ہے ، دیوان گرامی (صفحہ ۹۱ - ۹۲) میں چھپ چکی ہے ۔ اس کا مطلع یہ ہے :

در فقر نہفتہ اند میری از گرسنگی چکیدہ سیری

(۲) اقبال کے ۹ فروری ۲۲ع کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ گرامی نے "یک شعر دل آویزے" کی کوئی سند تلاش کرکے بھیجی تھی مگر اقبال کا اس سے اطمینان نہ ہوا ۔

(۳) اقبال کی یہ غزل پیام مشرق میں موجود ہے مگر اس کے اشعار کی ترتیب بدلی ہوئی ہے ۔ (پیام مشرق ، صفحہ ۱۶۷ - ۱۶۸)

(۴) خان بہادر مرزا سلطان احمد قادیان ضلع گورداس پور (انڈیا) میں

پیدا ہوئے ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند تھے ۔ تعلیم سے فارغ ہو کر محکمۂ مال سے وابستہ ہوئے اور پٹوار سے ترقی کر کے پہلے نائب تحصیلدار پھر تحصیلدار اور بعد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ۔ آخر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے عہدے سے پنشن لی ۔ کچھ عرصہ ریاست بہاول پور میں وزیر بھی رہے ۔ مشرقی زبانوں میں آپ کو خاصی دسترس تھی ۔ نکتہ سنجی اور مضمون آفرینی میں خدا داد ذہانت پائی تھی ۔ عالمانہ اور دقیق مضامین میں آپ نے اشہب قلم دوڑا کر ملک بھر سے خراج تحسین حاصل کیا ، بے شمار کتابیں لکھیں ۔ ۱۹۳۱ء میں بعارضۂ فالج انتقال کیا ۔ اپنے دور کے تمام اہل فضل و کمال سے ان کے دوستانہ مراسم تھے ۔

(٦٤)

لاہور ٦ فروری ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی !

والا نامہ پہنچا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ آپ کے خط کا بڑا انتظار تھا ۔ غزل تنقید کے لیے ہی تو آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی ، اس پر خوب تنقید کیجیے اور مفصل تحریر فرمائیے ۔ پھر میں اس پر انشا اللہ نظر ثانی کروں گا ۔

نواب صاحب[1] دہلی سے چند روز کے لیے لاہور آ گئے تھے مگر ۸ فروری کو پھر واپس چلے گئے ہیں ، پھر کچھ دنوں کے بعد آئیں گے ۔ آج سردار امراؤ سنگھ صاحب[2] بھی شملہ سے مع اہل و عیال آ گئے اور دو ماہ لاہور میں قیام کریں گے ، وہ بھی آپ سے ملنے کے بڑے مشتاق ہیں ۔ باقی رہا آپ کے دوست شاہ صاحب[3] کا کام (غالباً آپ کے خط میں انھیں کے کام کی طرف اشارہ ہے) سو اس کی نسبت عرض یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے کام لینے کے دو طریق ہیں : اول یہ کہ جب نواب صاحب اور شاہ صاحب کے افسر لاہور میں ہوں تو آپ خود مع شاہ صاحب یہاں تشریف لے آویں اور اپنی موجودگی میں نواب صاحب کو افسر مذکور کے پاس بھیجیں ۔ اس

کام میں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گا ۔

دوم یہ کہ آپ نواب صاحب کو بذریعہ خطوط یاد دہانی کراتے رہیں مگر جہاں تک مجھ کو تجربہ ہے مقدم الذکر طریقہ ہی درست ہے اور اگر کامیابی ہو سکتی ہے تو اسی طریق سے ۔ علیٰ ہٰذالقیاس ملک عمر حیات خان صاحب[۴] سے بھی اگر کام لینا ہو تو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ۔ آپ کی موجودگی کا اثر اور ہے اور آپ کے خطوط کا اثر اور ۔ بلکہ آپ کی موجودگی شاید آپ کے شعر سے بھی زیادہ موثر ہو ۔ دنیا کے معاملات میں شاعر کا وجود اس کے کلام سے زیادہ ضروری ہے ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ آپ خیریت مزاج سے مطلع فرمائیے ۔ آپ کو کیا تکلیف ہو گئی تھی ؟ الحمدللہ کہ اب آپ کا مزاج بخیر ہے ۔ شاید مجھے کچھ عرصہ کے لیے ہندوستان سے باہر سفر کرنا پڑے ۔ مفصل پھر عرض کروں گا ۔ غزل پر مفصل تنقید ارسال فرمائیے اور نیز آپ نے ''یک شعر دل آویزے'' کی سند بھی نکالی یا نہیں ؟ سند کا شعر مل گیا ہو تو ضرور لکھیے اور جلد ۔ مرزا جلال الدین صاحب سلام شوق کہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ مولانا گرامی پھر کب تشریف لائیں گے ؟

مخلص محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) نواب سر ذوالفقار علی خان ۔

(۲) سردار امراؤ سنگھ جاگیردار پنجاب ۔ انہوں نے اقبال کے متعلق انگریزی میں مضامین بھی لکھے ہیں ۔

(۳) سید صفدر علی شاہ صاحب گرامی کے دوست ۔

(۴) ملک عمر حیات خان ٹوانہ پنجاب کے مشہور رئیس تھے ۔ انگریزی فوج میں اعزازی جرنیل کا عہدہ ملا ۔ کالرا سٹیٹ ان کی جاگیر تھی ۔ ملک خضر حیات خان ٹوانہ انہی کے فرزند ہیں ۔

(۶۵)

لاہور ، ۹ فروری ۲۲ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

والا نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں -

مہربانی کرکے غزل کے تمام اشعار پر اعتراض لکھیے تاکہ میں پورے طور پر مستفید ہو سکوں - آپ نے صرف ایک شعر کی تعریف کر دی اور باقی اشعار چھوڑ گئے - میں چاہتا ہوں اُن پر اعتراض کیجیے - آپ کے کسی شعر میں اگر کوئی بات مجھے کھٹکے تو میں بلا تکلف عرض کر دیا کرتا ہوں - آپ کیوں ایسا نہیں کرتے ؟ مجھے تو تعریف سے اس قدر خوشی نہیں ہوتی جس قدر اعتراض سے کیونکہ اعتراض کی تنقید سے علم میں اضافہ ہوتا ہے -

گرامی کا جسم جہان سے رخصت ہو سکتا ہے مگر گرامی اس جہان میں رہے گا - وہ ایک زندہ ہستی ہے ، اسے فنا نہیں ہے - ترکوں کے ساتھ اتحادیوں کا جو عہد نامہ[1] ہوا تھا ، اس کی رو سے مقامات مقدسہ فلسطین و شام کے لیے ایک کمیشن مقرر ہونے والی ہے جس کے ممبر مسلمان ، عیسائی و یہود ہوں گے - گورنمنٹ نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا میں اس کمیشن کا ممبر بننا قبول کر سکتا ہوں - اس کمیشن کے اجلاس مقام یروشلم میں ہوں گے اور دو تین سال میں متعدد بار یہاں سے یروشلم جانا پڑے گا - بعد کامل غور آج میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا - گورنمنٹ کی خدمت میں بھی آج جواب لکھ دیا جائے گا - انکار کے وجوہ مفصل پھر عرض کروں گا ، جب ملاقات ہوگی - خط میں لکھنا مناسب نہیں ہے - باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے - سردار امراؤ سنگھ تشریف لے آئے ہیں - کل دیر تک آپ کا تذکرہ رہا اور شعر بازی ہوتی رہی - آپ کب تک لاہور آنے کا قصد کر رہے ہیں - سند[2] جو آپ نے لکھی ہے ٹھیک معلوم ہوتی ہے مگر حق بات یہ ہے کہ ابھی میرا اطمینان نہیں ہوا - ایک شعر اور تلاش کر لیجیے - نظیری کے مطلع سے

آپ کا مطلع کوسوں آگے ہے اور باقی اشعار بھی لا جواب ہیں - غزل تمام کر کے ارسال فرمائیے - اسی واسطے تو میں کہا کرتا ہوں کہ گرامی جہانگیری بہار کا آخری پھول ہے جو ذرا دیر کے بعد شاخ سے پھوٹا - افسوس کہ آج خانخاناں نہ ہوئے کہ ان کو معلوم ہوتا کہ خاک پنجاب شیراز و نیشا پور سے کسی طرح کم نہیں - بھلا یہ مطلع کیسا ہے[۳]:

نگار من کہ جمالش چناں دلآویز است
ستیزہ خوی و جفا جوی و فتنہ انگیز است

خط جلدی میں لکھا گیا معاف فرمائیے -

آپ کا مخلص محمد اقبال

غزل کی تنقید کے لیے تاکید مزید ہے -

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اقبال کے ایک اور خط سے جو ۲۲ فروری ۱۹۲۲ع کو انھوں نے مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام لکھا ، اس عہد نامہ اور کمیشن کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہوتی ہیں ، اس لیے اس خط کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے :

''ہندوستان سے باہر سفر کرنے کے متعلق عرض یہ ہے کہ عہد نامہ سورے کی رو سے ایک کمیشن مقرر ہوگی ، جو مقامات مقدسہ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرے گی - اس کمیشن کے ممبر مسلمان ہوں گے - گورنمنٹ نے مجھے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مجھ سے میرا عندیہ دریافت کیا تھا مگر مالی مشکلات سے مجبور ہو کر مجھے یہ آفر نامنظور کرنا پڑی - یہ رائل کمیشن ہوگی اور اس کمیشن کے ممبروں کو قاعدہ کی رو سے سوائے اخراجات سفر کے اور کوئی معاوضہ نہیں ملتا - چونکہ میں دولت مند آدمی نہیں ہوں اور یہ کام قریباً دو سال جاری رہے گا اور

اجلاسوں کے لیے ہر سال فلسطین جانا پڑے گا ، اس واسطے
مجبوراً با دل ناخواستہ مجھے انکار کرنا پڑا ـــــ سید حسن امام
بھی ایک ایسی ہی کمیشن پر گئے تھے مگر وہ وسائل
مالی کے اعتبار سے اس کام کو نبھا سکتے تھے ، میرے
حالات مختلف ہیں ۔ مجھ سے ایک بہت بڑی مالی قربانی کے
بغیر ، جس کا میں حالات موجودہ میں متحمل نہیں ہو
سکتا ، یہ کام نہیں ہو سکتا ۔ سرکار نے فراست باطن سے
معلوم کر لیا کہ حج و زیارت کے لیے سفر ہے ۔ حج کے
لیے نہیں تو زیارت کے لیے ضرور ہے ، مگر افسوس کہ
میں اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا ۔ بہت سوچ بچار کے
بعد آخر پرسوں میں نے جواب دے دیا ہے ۔ ممکن ہے
کہ گورنمنٹ کی طرف سے پھر اصرار ہو ، لیکن میں نے
تمام مشکلات کا حال صحیح صحیح لکھ دیا ہے ۔"

بعد میں حالات ایسی صورت اختیار کرتے گئے کہ یہ کمیشن مقرر ہی نہ ہو سکا ۔

(۲) یہ سند "یک شعر دلاویزے" کے بارے میں تھی جس سے اقبال کی تسلی نہ ہوئی ۔

(۳) نظرثانی کے بعد اقبال نے اس شعر کو یوں کر دیا :

نگار من کہ بسی سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است

(پیام مشرق ، صفحہ ۲۳۷)

(٦٦)

لاہور ، ۱۰ فروری ۲۲ع

ڈیر مولانا گرامی السلام علیکم !

خان نیاز الدین خاں صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں اور اس کے لیے ۲۱ فروری مقرر فرمائی ہے ۔ اگر واقع

میں آپ کا قصد لاہور کا ہو تو علی بخش کو جالندھر بھیج دوں کہ آپ کو لے آئے ۔ اس کے جانے سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ ابھی تشریف لے آئیں اور سردی کے باقی ایام یہیں بسر کیجیے ۔ نواب صاحب آج دہلی جائیں گے اور دو چار روز کے بعد پھر تشریف واپس لائیں گے ۔ سردار امراؤ سنگھ آپ کو بہت یاد کرتے ہیں اور علاوہ ان کے شہزادی دلیپ سنگھ صاحبہ بھی مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی ہیں ، پرسوں انہیں کے پاس تھا اور وہیں چاء پی ۔ میں نے فی الحال اس خط مطلوبہ[۱] کے جواب میں انکار کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے مگر غالباً ادھر سے پھر اصرار ہوگا ۔ ایسی صورت میں جتنے دن آپ کے ساتھ گزر جائیں ، غنیمت ہے ، امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

محمد اقبال ، لاہور

اس خط کے جواب اور اس سے پہلے جو خط لکھ چکا ہوں ، اس کا جواب جلد مرحمت فرمائیے ۔

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اقبال کو فلسطین کمیشن میں کام کرنے کی جو پیش کش حکومت برطانیہ نے کی تھی ، یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے ۔ اقبال بعض مصالح اور دقتوں کی بنا پر اس کمیشن میں شریک ہونے سے ہچکچاتے تھے مگر پھر یہ کمیشن مقرر ہی نہ ہو سکا ۔ البتہ اقبال وقتاً فوقتاً اپنے جذبات کا اظہار کرتے رہے :

جلتا ہے مگر شام و فلسطین پہ مرا دل
تدبیر سے کھلتا نہیں یہ عقدۂ مشکل

(''دام تہذیب'' ضرب کلیم ص ۱۵۵)

ہے خاک فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پہ حق نہیں کیوں اہل عرب کا

مقصد ہے ملوکیت انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں نارنج کا یا شہد و رطب کا

(''شام و فلسطین'' ضرب کلیم ، صفحہ ۱۵۹)

(٦٧)

لاہور ، ۱۷ فروری ۲۲ع

مخدومی جناب مولانا گرامی !

السلام علیکم ! والا نامہ ابھی ملا ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ بنائے بت کدہ افگند[1] کے متعلق میں آپ کی خدمت میں لکھنے ہی کو تھا کہ آپ کا والا نامہ مل گیا ۔ مولانا جامی کا شعر آپ نے خوب نکالا ۔ ''یک تلخے'' کے قیاس پر صد نالہ شبگیرے[2] بھی ہو سکتا ہے مگر پرانی زبان میں قیاس نہیں چل سکتا ۔ اس کے لیے بھی سند نکالنی ہوگی ۔ گو مجھے یقین ہے کہ یہ بھی صحیح ہوگا اور آپ کا ارشاد نقش کالحجر ہوگا ۔ خان نیازالدین صاحب کا خط آیا تھا ، وہ لکھتے ہیں کہ فلسطین کے سفر کے لیے ضرور جانا چاہیے مگر ان کو سب حالات معلوم نہیں ۔ آپ سے ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کروں گا ۔ میں نے فی الحال گورنمنٹ کے خط کا جواب دے دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ پھر اصرار ہو ۔ اگر ایسا ہوا تو مفصل خط لکھوں گا اور اگر سفر کا قصد مصمم ہو گیا اور وہ تمام دقتیں رفع ہو گئیں ، جو اس وقت حائل ہیں تو آپ سے ملنے کے لیے جالندھر بھی آوں گا ۔ فی الحال آپ اس معاملے کو پرائیویٹ تصور فرمائیے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ غزل لکھنے کا لطف یکجائی میں ہے ۔ آپ جالندھر میں ، میں لاہور میں ، غزل کا لطف خاک آئے ۔ اس مطلع[3] میں ''چناں'' کا لفظ مجھے بھی کھٹکتا تھا مگر ''بہار رخش'' بھی لطیف نہیں ۔

اصل بات یہ ہے کہ مطلع ہی اور لکھنے کی ضرورت ہے ۔ میں فکر کروں گا ۔ فی الحال ایک دو شعر اور ذہن میں ہیں[4] ملاحظہ فرمائیے ۔

برون او ہمہ بزم و درون او ہمہ رزم
زبان او ز مسیح و دلش ز چنگیز است
ز خاک تا بہ فلک ہر چہ ہست رہ پیماست
قدم کشائے کہ رفتار کارواں تیز است

"قدم کشائے" پر اعتراض ہو تو "دمے مائیست" یا "سبک خرام" ہو سکتا ہے ، مجھے تو قدم کشائے ہی خوب معلوم ہوتا ہے ، آپ کی کیا رائے ہے ؟ نواب صاحب ۲۱ کو واپس آئیں گے ۔ شہزادہ صاحب بہادر شاید ۲۵ تاریخ کو رونق افروز ہونے والے ہیں ۔ والسلام !

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) "بنائے بتکدہ افگند" کا استعمال اقبال کے اس شعر میں ملتا ہے :

بہ دیریاں سخنِ نرم گو کہ عشق غیور
بنائے بتکدہ افگند در دل محمود !

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۶۸)

گرامی کی رائے اس شعر کے متعلق یہ تھی "سبحان اللہ ! سخن گفتی الحق چہ در سفتی ۔"

(۲) جب ہم کلام اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک غزل میں یہ دلآویز شعر نظر آتا ہے :

صد نالۂ شبگیرے ، صد صبح بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے ، یک شعر دلآویزے

(پیام مشرق ، صفحہ ۱۹۱)

(۳) یہ مطلع ابتدا میں اس طرح تھا :

نگار من کہ جمالش چناں دلاویز است
ستیزہ خوی و جفا جوی و فتنہ انگیز است

گرامی کے اعتراض کرنے پر اقبال نے اسے بدل کر یوں کر دیا :

نگار من کہ بسی سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است

(پیام مشرق صفحہ ۲۳۷ - ۲۳۸)

(۴) یہ اشعار بھی اسی نظم کے ہیں جس کا مطلع اوپر درج ہو چکا ہے - پیام مشرق میں یہ نظم ''صحبت رفتگاں'' کے عنوان سے نظر آتی ہے - ''قدم کشائی'' بھی اسی طرح موجود ہے کیونکہ اقبال کو یہی خوب معلوم ہوا -

(٦٨)

لاہور ، ۲۳ مارچ ۲۲ء

مخدومی مولانا - السلام علیکم !

آپ کا خط ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ آپ خیرت سے ہیں - میری حالت ابھی تک بدستور ہے ، چلنے پھرنے سے قاصر ہوں - انگریزی دوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوا - آج سے حکیم اجمل خاں صاحب[۱] کی دوا شروع کی ہے جو کل دہلی سے آئی تھی - آج پندرہ روز ہوگئے کہ مکان سے نیچے نہیں اتر سکا اور ابھی خدا جانے یہ قید کتنے روز باقی ہے - آپ مستجاب الدعوات ہیں - میرے لیے اوقات خاص میں دعا فرمائیے - باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس سے مجھے کوئی تعلق نہیں ، وہ سلسلہ اب اور لوگوں کے سپرد ہے - تاہم اگر میں اچھا ہوتا اور کہیں جا آ سکتا تو آپ کے ارشاد کی ضرور تعمیل کرتا - والسلام !

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) مسیح الملک حکیم اجمل خاں دہلی کے شہرۂ آفاق طبیب تھے - خاندانی خطاب حاذق الملک تھا اور یہ دہلی کے بے تاج بادشاہ سمجھے جاتے تھے - دہلی کا طبیہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ انھی کا قائم کیا ہوا ہے -

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے بھی دہلی میں حکیم صاحب کے زیر سرپرستی استحکام حاصل کیا ، قومی کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے ، آزادیٔ ہند کی تحریک میں پیش پیش رہے ، دسمبر ۱۹۲۸ء میں فوت ہوئے ۔

(٦٩)

لاہور ، ۱۲ اپریل ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

میں ابھی تک علیل ہوں ، گو پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے ۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے ۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے دہلی سے دوا بھیجی تھی مگر اس سے بھی بہت کم فائدہ ہوا ۔ کل گورداس پور سے ایک حکیم صاحب خود بخود تشریف لے آئے تھے ۔ انھیں کسی سے میری علالت کا حال معلوم ہوا تھا ۔ دوا دے گئے ہیں ، جس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا کیونکہ جن اجزا سے یہ مرکب ہے ان میں سے ایک اخلاص بھی ہے جو ان حکیم صاحب کو خود بخود میرے مکان تک لے آیا ۔ بہرحال خدا تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہوں ۔

میاں ریاض صاحب[1] نے آپ کو لاہور کی دعوت دی اور انجمن حمایت اسلام لاہور نے دعوت دی ۔ افسوس ہے آپ نے کسی کی دعوت قبول نہ کی ۔ میری تو یہ رائے ہے کہ ضرور ان دونوں کی دعوتوں کو قبول فرمائیے ۔

میں تو اپنے آپ کو اس درد کی وجہ سے رفتنی سمجھتا تھا مگر محض اس خیال سے تسکین تھی کہ پاؤں کا درد ہے ۔ حرکت محال ہے ، رفتنی نہیں آمدنی ہوں ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ ممکن ہے تو لاہور ضرور آئیے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام بھی سنائیے ۔

کل بمبئی سے ایک عرب کا خط آیا ہے جو اسرار خودی کو عربی میں

ترجمہ کرانا چاہتا ہے اور اس کی اجازت مانگتا ہے ۔ میں نے اسے اجازت دے دی ہے ۔

مخلص محمد اقبال

سید عبدالقادر صاحب[۲] نے مسودہ شاہ صاحب کی عرضی کا دکھایا تھا ۔ میں نے اس کو ضروری مشورہ اس کی تحریر کے متعلق دیا تھا ۔ وہ پھر نہیں آئے ۔ عرضی بھیجی گئی تو نواب صاحب سے بھی کہوں گا ۔

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) میاں ریاض الدین صاحب میاں سراج الدین تاجر کتب کشمیری بازار کے فرزند تھے ۔ انہوں نے کوچہ کوٹھی داراں میں ایک حویلی بھی ''ریاض منزل'' کے نام سے تعمیر کی تھی جو بعد میں ملک لال دین قیصر نے خرید لی تھی ۔ میاں ریاض الدین رئیسوں کی طرح رہتے تھے ۔ نہایت کشادہ دست تھے ، ان کا دستر خوان بڑا وسیع تھا ۔ ان کے مکان پر اکثر ادب و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی تھیں جن میں مشاہیر ملک شرکت فرماتے تھے ۔

(۲) سید عبدالقادر جالندھر کے سادات سے تھے ۔ تکمیل تعلیم کے بعد پہلے آگرہ کالج اور پھر اسلامیہ کالج لاہور میں تاریخ کے پروفیسر رہے ۔ انہوں نے ہر قومی تحریک میں حصہ لیا ۔ قائم مقام پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد اپنا سب کچھ جالندھر میں چھوڑ آنے کے بعد لاہور میں کتابوں کی دکان کھول لی تھی ، جو اب بھی ''حق برادرز'' کے نام سے انار کلی میں موجود ہے ۔ اتوار ۲۲ جنوری ۱۹۵۶ع کو لاہور میں انتقال کیا ۔

سید عبدالقادر کی انگریزی بہت اچھی تھی ۔ انہوں نے گرامی کے دوست سید صفدر علی شاہ کی عرضی کا مسودہ تیار کر کے اقبال کو دکھایا تھا ۔

گرامی کی مندرجہ ذیل سطور اسی خط کا جواب معلوم ہوتی ہیں :

گورداسپور کا حکیم الٰہی حکیم ہے ۔ مشیت ازلی نے بھیجا ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت مرحمت فرمائی ۔ مرکب دوائی میں ایک جز اخلاص کا ہے اور یہ جز عین شفا ہے ۔ الحمد للہ جوہر فرد کو آرام ہو گیا ۔ گرامی عید پر لاہور آئے گا ۔ اوروں کے واسطے ایک عید ، گرامی کے واسطے دو عیدیں ہیں : ایک عید شوال ایک عید صحت جوہر فعال ۔

حضرت سید صاحب اور ان کے گھر کے لوگ ڈاکٹر صاحب کے واسطے دست بدعا ہیں ۔ والسلام !

حضرت علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام میں نظم پڑھ رہے ہیں کہ دردمند رو رہے ہیں اور گرامی اپنی بہانہ فروش کاہلی کے زہر خند پر ہنس رہا ہے ۔

بہ بیں تفافت راہ از کجاست تا بہ کجا

گرامی

(۷۰)

لاہور ، ۲۴ اپریل ۲۲ع

مخدومی مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

نوازش نامہ لاہور سے ہوتا ہوا آج مجھے لدھیانے میں ملا ۔ میں چند روز سے یہاں ہوں ۔ کل لاہور واپس جاؤں گا ۔ مجموعہ اُردو[1] ابھی تیار نہیں ہوا ۔ پیام مشرق خدمت والا میں پہونچے گا ۔ میں آٹھ روز سے یہاں ہوں ۔ لاہور ہوتا تو کتاب آپ کی خدمت میں پہونچ جاتی ۔ اس کی اشاعت کو دو ہفتہ سے زیادہ نہیں گزرا ۔ علی بخش کی دعوت ایسی ہی تھی ، جیسا آپ کا یہ فقرہ کہ گرامی دکن سے اقبال کو دیکھنے آیا تھا ۔ باقی رہا دکن سے حکم آنا اور آپ کا وہاں جانا سو یہ ایک امر محال ہے ۔ آپ کو خدا کا حکم بھی ہوشیار پور سے نہ ہلا سکے گا ، دکن تو در کنار رہا ۔ اُردو نثر میں بھی ایک کتاب[2] لکھ رہا ہوں ۔ انشاء اللہ شائع ہونے پر آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی ۔ مولانا جامی کی غزل پر جو دو شعر آپ نے لکھے ہیں ، لاجواب ہیں اور بالخصوص آں یک اندیش الخ[3] سبحان اللہ ۔

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا ۔ گھر میں میری طرف سے آداب عرض کیجیے ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) بانگ درا جو ان دنوں زیر ترتیب تھی ۔

(۲) اُردو نثر میں جو کتاب اقبال لکھنا چاہتے تھے ، معلوم نہیں کس موضوع پر تھی ، آیا لکھی بھی گئی یا نہیں ۔

(۳) کرد از نیم نظر خیبرِ کفرم بدونیم
آں یک اندیش کہ تیغِ دو زبان است او را

یہ پوری نعت دیوانِ گرامی میں موجود ہے (ص ۲-۳) ۔

(۷۱)

لاہور ، ۱۴ مئی ۲۲ع

مخدومی جناب مولانا !

السلام علیکم ! آپ کا والا نامہ مل گیا تھا ۔ افسوس ہے کہ سید صفدر علی شاہ صاحب کا کام نہ ہو سکا مگر نواب صاحب نے تو اپنا فرض پوری طرح ادا کیا ، ان سے کوئی شکایت نہیں ۔

ایک تو معاملہ ہی ایسا کہ جس میں کم از کم مجھے توقع کامیابی کی نہ تھی ۔ دوسرا وہ معاملہ ایسے لوگوں سے تھا جن سے مسلمانوں کو زمانۂ حال میں کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکے گا ۔ اگر خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے شر سے ہی محفوظ رکھے تو غنیمت سمجھنا چاہیے ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

کشمیر میں چودھری خوشی محمد[1] کو لکھا تھا ، وہاں سے بھی مایوسی ہوئی ۔ یہ خط چودھری صاحب کا ہے ، شاہ صاحب کو دے دیجیے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، کب تک لاہور آنے کا قصد ہے ؟

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) چودھری خوشی محمد ناظر "جوگی اور ناظر" جیسی عیرفانی نظم کے مصنف تھے - ۱۸۷۲ء میں ہریا والا ضلع گجرات میں پیدا ہوئے - علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی اور ریاست جموں و کشمیر میں ملازم ہوئے - مختلف محکموں میں کام کرنے کے بعد بہت عرصہ کشمیر اور لداخ کے گورنر اور پھر ریاست کے مشیر مال مقرر ہوئے - ان کے اُردو کلام کا مجموعہ "نغمۂ فردوس" کے نام سے چھپ چکا ہے - پنشن پانے کے بعد چک جھمرہ ضلع لائل پور میں مقیم ہو گئے، جہاں ان کی بہت بڑی زمینداری تھی - وہیں یکم اکتوبر ۱۹۴۴ء کو انتقال کیا - اقبال کے نہایت مخلص دوست تھے - اقبال نے گرامی کے دوست سید صفدر علی شاہ صاحب کے کام کے سلسلے میں چودھری خوشی محمد ناظر کو بھی خط لکھا تھا اور ان کا جوابی خط بجنسہ گرامی کو بھیج دیا تھا -

(۷۲)

لاہور، ۱۶ مئی ۲۲ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام!

کل نیاز الدین خاں صاحب کا خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ نظم خضر راہ آپ کو پسند نہیں اور آپ کی رائے میں اس کے تمام اشعار بے لطف ہیں اور بعض غلط - غلط اشعار کے متعلق تو میں فی الحال عرض نہیں کرتا - آپ مجھے اغلاط سے آگاہ فرمائیں گے تو عرض کروں گا - باقی آپ کے اعتراض کا پہلا حصہ صحیح ہے، مگر یہ اعتراض گرامی کے شایان شان نہیں - اگر کوئی اور آدمی یہ اعتراض کرتا تو مضائقہ نہ تھا - یہ اعتراض منصور کے لیے شبلی کا پھول ہے - آپ کو معلوم ہے کہ اس نظم کا بیشتر حصہ خضر کی زبان سے ادا ہوا ہے اور خضر کی شخصیت ایک خاص قسم کی شخصیت ہے، وہ عمر دوام کی وجہ سے سب سے زیادہ تجربہ کار آدمی ہے اور تجربہ کار آدمی کا یہ خاصہ ہے کہ اس کی قوت متخیلہ کم ہوتی ہے

اور اس کی نظر حقائق واقعی پر جمی رہتی ہے۔ اس کے کلام میں اگر تخیل کی رنگینی ہو تو وہ فرض رہنمائی کے ادا کرنے سے قاصر رہے گا۔ پس اس کے کلام میں پختگی اور حکمت تلاش کرنی چاہیے نہ تخیل۔ اور خاص کر اس حالت میں جب کہ اس سے ایسے معاملات میں رہنمائی طلب کی جائے جن کا تعلق سیاسیات اور اقتصادیات سے ہو۔

قرآن شریف کی سورہ کہف پڑھیے اور حضرت موسیٰ اور خضر کے قصے کو ملاحظہ فرمائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے خضر کی اس خصوصیت کو کس خوبی سے ملحوظ رکھا ہے۔ ایک سطحی نظر سے دیکھنے والا آدمی تو کشتی توڑنے اور ایک بچے کو قتل کر ڈالنے یا ایک یتیم کی دیوار کو گرا دینے میں کوئی غیر معمولی بات نہ دیکھے گا اور شعریت تو اس قصے میں مطلق نہیں۔ لیکن غور کرنے پر خضر کے افعال کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ خضر کی طرف جو کلام منسوب کیا جائے اس میں رنگینی پیدا کی جا سکتی ہے۔ مگر وہ خضر کا کلام نہ رہے گا بلکہ نظیری یا عرفی کا کلام ہوگا۔ اور بالغ نظر اہل فن تخیل کی اس رنگینی کو بہ نگاہ استحسان نہ دیکھیں گے۔ ان رموز اور اسرار کو آپ سے بہتر کون جانتا ہے؟ مجھے یہ یقین ہے کہ نیاز الدین خان صاحب نے آپ کا اعتراض سمجھنے میں مزید غلطی کی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ کل پرسوں ایک خط ارسال کر چکا ہوں۔ افسوس کہ صفدر علی شاہ صاحب کے لیے کوئی تدبیر نہ ہو سکی۔

محمد اقبال

تعلیقات

"خضر راہ" اقبال کی ایک بہت ہی بلند پایہ نظم ہے۔ یہ جس زمانے میں لکھی گئی، اس وقت تک غالباً اس اسلوب و انداز کی نظموں سے اردو ادب کا دامن یکسر خالی تھا۔ یہ اقبال کی سابقہ نظموں سے بھی کسی حد تک مختلف تھی۔ اقبال کی نظم "شمع اور شاعر" پسند کرنے والوں کو یہ کچھ روکھی پھیکی نظر آتی تھی۔ گرامی کا نام لے کر خان نیاز الدین خاں

نے اس کے اشعار کی بے لطفی کا شکوہ کیا تھا اور اقبال نے اس کی صراحت کی تھی ۔

''خضر راہ'' کے بارے میں خان نیاز الدین خاں کی رائے سے ملتا جلتا ایک شذرہ سید سلیمان ندوی نے ''معارف'' اعظم گڑھ میں بھی لکھا تھا جس کا جواب اقبال نے ۲۹ مئی ۲۲ء کو انہیں یہ دیا تھا :

''جوش بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے مگر یہ نقص اس نظم کے لیے ضروری تھا (کم از کم میرے خیال میں) ۔ جناب خضر کی پختہ کاری ، ان کا تجربہ اور واقعات و حوادث عالم پر ان کی نظر ، ان سب باتوں کے علاوہ ان کا انداز طبیعت ، جو سورہ کہف سے معلوم ہوتا ہے اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو ۔ اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیے اور محض اس وجہ سے کہ ان کا جوش بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے انداز طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا ۔ یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائیں گے ۔''[۱]

اس نظم کے محاسن کا اندازہ کچھ اہل علم و فن ہی کر سکتے ہیں ۔ چنانچہ بزرگ محترم مولانا غلام رسول مہر نے میری فرمائش کے مطابق ان خطوں کی روشنی میں ''خضر راہ'' پر جو محاکمہ فرمایا ہے وہ موصوف کے شکریے کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے :

معاملے کا صرف ایک پہلو

حضرت علامہ مرحوم و مغفور نے بیان کردہ اعتراض کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ، اسے اصل معاملے کا صرف ایک پہلو سمجھنا چاہیے اور اجمال یا کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے مرحوم نے اسی پر اکتفا فرمایا ۔

۱۔ اقبال نامہ ۔ حصہ اول ، صفحہ ۱۱۸ - ۱۱۹ ۔

لیکن ''خضر راہ'' کے بعد حضرت کے بیشتر اردو اشعار اسی وضع و اسلوب کے رہے جو بظاہر اعتراض کا موجب بنا تھا ، پھر کیا ان کے سلسلے میں محض اتنا ہی جواب اطمینان بخش سمجھا جا سکتا ہے ؟ نیز کیا خضر راہ سے رفع اعتراض کے لیے محض اتنا ہی کہہ دینا کافی ہوگا کہ اس کے بیشتر اشعار ''خضر'' کی زبان سے ہیں لہٰذا ان میں تخیل کی رنگینی کے بجائے تجربے ، حکمت اور ادائے فریضۂ رہنمائی کا لحاظ ضروری تھا ورنہ وہ عرفی اور نظیری کا کلام بن جاتا ؟ جس کی نظر حقیقی شعریت پر ہو یا جو اقبال کے مقام شعر گوئی سے کچھ بھی آگاہی رکھتا ہو ، وہ ایسے خیال کو ایک لمحہ کے لیے بھی دل میں جگہ نہیں دے سکتا ۔

حقیقی شاعر کا مقصد

حقیقی شاعر کا مقصد اس کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے کہ قوم ہی کو نہیں عالم انسانیت کو صحیح راستے کی دعوت دے ، غلط روی سے روکے ، انحراف سے باز رکھے ، ٹھوکروں سے بچائے ، دوسروں کے گمراہ کن طور طریقوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ کر دے ۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ محض تخیل کی رنگینیوں سے دلربا تصویروں کی صفیں آراستہ کرتا جائے ، جو ہر آیند و روند کی نظریں بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیں ۔ لیکن نہ کسی کے دل میں عزم و ہمت کے چراغ روشن کر سکیں نہ کسی کے فہم و بصیرت کو جِلا دے سکیں نہ خواب کے ماتوں کو جگا سکیں ، نہ احساس زیاں سے بہرہ مندی بخش سکیں اور نہ کسی کو مطلوب منزل پر پہنچا سکیں ۔

قرب منزل اور انداز دعوت

یقیناً ''خضر راہ'' کا اسلوب و انداز اقبال کی سابقوں نظموں سے مختلف تھا لیکن یہ فکر و نظر کی رفعت و برتری کا کرشمہ تھا ۔ اقبال کی دعوت میں زیادہ پختگی اور استقامت پیدا ہو گئی تھی ۔ جس منزل مقصود کو وہ پہلے صرف فکر و خیال میں دیکھ رہے تھے ، وہ پہلی عالمی جنگ کے بعد

زیادہ محسوس و مشہود شکل میں سامنے آ گئی تھی ۔ ایک موقع پر اقبال نے کہا تھا :

صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
آہ ! اے رات ! بڑی دور ہے منزل میری

یہ افسردگی و پژمردگی نہیں بلکہ پیش نظر کام کی دشواری اور سنگینی کا احساس تھا ۔ ''خضر راہ'' کے وقت منزل کے مختلف پہلو قدرت نے اسی طرح روشن کر دیے تھے جس طرح سنیما کے پردے پر کہانیاں آ جاتی ہیں ۔ اگرچہ یہ کیفیت ہوی ہر آنکھ نہیں ، صرف اقبال کی آنکھ دیکھ رہی تھی ۔ لہٰذا نظم کے طرز و رنگ میں تبدیلی آ گئی ۔ تاہم آپ سوچیں ، غور کریں ، ڈھونڈیں کہ آیا اس قسم کے بدیع ، جامع اور دل پذیر انداز کی مثالیں اس سے پیشتر بھی اردو یا فارسی شاعری میں ملتی ہیں ۔

اسی وجہ سے اقبال کو حیرت ہوئی تھی کہ ایسا اعتراض گرامی سے منسوب ہو جو خود بڑا شاعر تھا ، اگرچہ صرف کلاسیکی انداز کے شعر کہنے میں عمر گزار دی تھی ۔

''خضر راہ'' پر مفصل بحث کا یہ مقام نہیں لیکن چند ایسی مثالیں ضرور پیش کر دینی چاہئیں جن سے کلاسیکی (جس کا نمائندہ گرامی تھا) یا عمومی نقطۂ نگاہ کے مطابق یقین ہو جائے کہ وہ محاسن شعری کا انتہائی نقطۂ اوج و عروج پیش کر رہے ہیں ۔

پہلا منظر

شاعری میں منظر کشی کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ ''خضر راہ'' کا موضوع منظر کشی نہ تھا ، تاہم جہاں کہیں اتفاقیہ موقع آ گیا ہے وہاں اس کمال کی کرشمہ فرمائیاں بھی دیدنی ہیں ۔ مثلاً ابتدا میں رات کے وقت ساحل دریا کی کیفیت ملاحظہ ہو :

شب سکوت افزا ، ہوا آسودہ ، دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب !

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفل شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مست خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتار طلسم ماہتاب

دیکھیے تین شعروں میں صرف چند چیزیں پیش کیں لیکن زمین سے آسمان تک پورے ماحول کی مکمل تصویر لفظوں میں اتار دی ۔ پھر منظر کی مناسبت سے الفاظ چنے ۔ گہوارے میں طفل شیر خوار کی نیند خوب گہری ہوتی ہے وہی کیفیت موج مضطر کے خواب کی ہے ۔ رات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ روشنی مدھم ہو جائے ۔ چنانچہ چاند کے نکل آنے سے ستاروں کے چراغوں کی لو بھی دھیمی ہو گئی ۔

دوسرا منظر

دوسرا منظر ملاحظہ فرمائیے جس کا تعلق صحرائی زندگی سے ہے ۔ فرماتے ہیں :

اے رہین خانہ ! تو نے وہ سماں دیکھا نہیں
گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل
وہ نمود اختر سیماب پا ہنگام صبح
یا نمایاں بام گردوں سے جبین جبرئیل
وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب
جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل[۴]
اور وہ پانی کے چشمے پر مقام کارواں
اہل ایماں جس طرح جنت میں گرد سلسبیل

اردو ہی نہیں ، کسی بھی زبان میں منظر کشی کے ایسے ٹکڑے تلاش کر دیکھیے ، نہیں ملیں گے ۔ پانچ شعروں میں جو کچھ پیش کر دیا ہے اس کی تفصیل کے لیے دفتر تیار کرا لیجیے ، لیکن یہ دل آویزی ، یہ نفوذ و تاثیر

ہرگز پیدا نہ ہوگی اور شاعر کا جو مقصد ہے (اس لیے کہ وہ کوئی بھی بات بے مقصد کہنے کا عادی نہیں) وہ صرف یہی شعر پورا کر سکتے ہیں۔ تشبیہات سب کی سب نئی ہیں اور ہر تشبیہ اپنی جگہ ایک خاص دعوت کی حامل ہے۔

تڑپا دینے والے اشعار

پھر دیکھیے، اس مختصر سی نظم میں دل کو تڑپا دینے والے اشعار کی بھی کمی نہیں۔ مثلاً:

بیچتا ہے ہاشمی، ناموس دین مصطفیٰ[۳]
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
آگ ہے، اولاد ابراہیم ہے، نمرود ہے!
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل[۴]
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے، ہیں آج مجبور نیاز

فکر و بیاں کے معجزے

ایسے شعر بھی خاصی تعداد میں ہیں جنھیں فکر و نظر، دل آویزیٔ اسلوب اور کمال حسن بیان کے معجزے قرار دینے میں بھی کسی کو تامل نہ ہوگا۔ مثلاً:

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی ''جاں'' اور کبھی ''تسلیم جاں'' ہے زندگی

یہ شعر، خصوصاً دوسرا مصرع اختصار الفاظ اور وسعت و بے کرانی معانی کے اعتبار سے بے شائبہ ریب، بے مثال ہے۔ انسان نے روے ارض پر ظہور آدم کے وقت سے اب تک ایثار و عزیمت کی جتنی داستانیں اپنے خون حیات سے مزیّن کیں یا آئندہ مزین کرے گا، ان سب کا نچوڑ صرف نو

لفظوں میں پیش کر دیا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے صرف تین لفظوں میں ! ''جاں'' اور ''تسلیم جاں'' :

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں ، پیہم دواں ، ہر دم جواں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو
سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی ، باقی بتان آزری
اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ ! اے ناداں ! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

پیغام اقبال

سب سے آخر میں ''خضر راہ'' سراپا اقبال کے پیغام کی آئینہ دار ہے - مثلاً :

ہمت عالی تو دریا بھی نہیں کرتی قبول
غنچہ ساں غافل ! ترے دامن میں شبنم کب تلک ؟
آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ! ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک ؟
ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہ گزر

یورپی استعمار کا انجام

شمع اور شاعر ۱۹۱۲ء میں سنائی گئی تھی ، اس میں ''جلوۂ تقدیر'' دکھاتے ہوئے فرمایا تھا :

دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی

ممکن ہے ۱۹۱۲ء میں یہ خیال اکثر لوگوں کو نیا معلوم ہوا ہو ، لیکن اقبال کے نزدیک نیا نہ تھا ، وہ تو مارچ ۱۹۰۷ء میں اہل یورپ کو سنا چکے تھے :

تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

۱۹۱۲ء میں یورپ کا استعمار کمالِ اوج پر پہنچا ہوا تھا اور بظاہر اس کی آہنی گرفت کو توڑنے والی کوئی قوت موجود نہ تھی لیکن تہذیب فرنگ کی خود کشی کے بارے میں پیش گوئی کرنے والے اقبال کو یقین تھا کہ اس دریا کی سطوت رفتار سے مرعوب و ہراساں ہونے کی کوئی وجہ نہیں ۔ خود اس کی موجیں ہی اسے زنجیر بن کر جکڑ لیں گی ۔ گویا تباہی کے سامان اس کے اندر ہی سے پیدا ہوں گے ۔

خود کشی کے ڈرامے کا پہلا ایکٹ

پہلی عالمی جنگ میں خود کشی کے ڈرامے کا پہلا ایکٹ دنیا کے سامنے آ چکا تھا ۔ اگرچہ اس وقت تک عالم اسلام کے احوال و ظروف نظر بظاہر

سازگار نہ تھے ، لیکن اقبال کے نزدیک منزل قریب تر آ گئی تھی ۔ دیکھیے وہ کس یقین و وثوق سے کہتے ہیں :

تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں ! آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
اپنی خاکستر سمندر کو ہے سامانِ وجود
مر کے پھر ہوتا ہے پیدا یہ جہانِ پیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

نئی پیش گوئی

محض یہی نہیں ، یہ بھی کہہ دیا :

آزمودہ فتنہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

۱۹۲۲ء میں کسے اندازہ ہو سکتا تھا کہ یہ "آزمودہ فتنہ" کون سا ہے ؟ بلکہ سالہا سال بعد تک بھی کچھ اندازہ نہ ہو سکا ۔ تاہم اقبال جانتے تھے کہ اتحادیوں نے جنگ میں کامیابی کے بعد صلح کا جو نقشہ تیار کیا ہے، اس میں دوسری عالمی جنگ کے اسباب بوجہ اتم فراہم کر دیے ہیں ، وہ ضرور بروے کار آئیں گے ۔ دوسری جنگ ضرور ہوگی ۔ "آزمودہ فتنہ" بجلی بن کر یورپ کے خرمن استعمار پر گرے گا اور اسے خاکستر بنا کر رکھ دے گا ۔ دانایانِ فرنگ کی کوئی "تدبیر"، کوئی مصلحت اندیشی ، کوئی حکمت عملی ، کوئی صواب دید ، کوئی ساز باز "تقدیر" کے اس سیل بے زنہار کو روک نہ سکے گا ۔ آخر ۱۹۳۹ء میں یہی ہوا ۔ موجِ مضطر ہی سطوت رفتار دریا کے لیے زنجیر پا بن گئی ۔ اسلام نے حریت عامہ کا جو خواب دیکھا تھا ، وہ ایک حقیقت ثابتہ بن کر آج سب کے سامنے آ چکا ہے ۔ یورپی استعمار ہی نہیں ، ہر استعمار ماضی کی ایک عبرت ناک داستان رہ گیا ہے ۔

حقیقت حال

اس نظم کے لیے کون یہ الفاظ دہرانے کی جسارت کرے گا جو خان نیاز الدین خان نے مولانا گرامی کی طرف سے پیش کیے تھے ؟ حضرت علامہ نے بجا فرمایا تھا کہ یہ اعتراض گرامی کا نہیں ہو سکتا ، خان صاحب کو اعتراض کے سمجھنے میں غلطی لگی ۔ ''خضر راہ'' یقیناً ایک بے مثال نظم تھی ۔ اس میں اقبال کی شاعری نئی اوج گاہوں پر پہنچ گئی تھی ۔ آج بھی یہ نہایت قابل قدر نظم ہے اور اس کے اکثر اشعار کی مثال کلام اقبال کے سوا اردو یا کسی دوسری زبان کی قومی شاعری میں نہیں مل سکتی اور مقام دعوت تو پہلے ہی یگانہ تھا ، آج بھی یگانہ ہے ۔

(۷۳)

لاہور ، ۲۴ مئی ۲۲ع

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

آپ کے دونوں خطوط مل گئے تھے مگر میں امتحانوں کے پرچوں میں سخت مصروف رہا ، اس واسطے جواب نہ لکھ سکا ۔ یہ کام ابھی تک جاری ہے اور غالباً پندرہ بیس روز اور جاری رہے گا ۔ اوروں کی نسبت میرے پاس کام بھی زیادہ ہوتا ہے کیوں کہ دیگر یونیورسٹیوں کے پرچے بھی ہوتے ہیں ۔ بہرحال خدا کے فضل و کرم سے اب کام کچھ ہلکا ہو چلا ہے ۔ ورنہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ گرامی کے خط کا جواب اقبال نہ لکھے ۔ باقی جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کی نسبت آپ کو اطمینان دلانے کی ضرورت نہیں ۔ آپ کو معلوم ہے کہ اقبال کے نزدیک آپ کا فرمودہ وحی و الہام ہے نہ کسی اور کا ۔ بلکہ آپ کے خط سے تو میرے خیال کی تائید ہوئی ۔ میں نے آپ کو لکھا بھی تھا کہ یہ اعتراض آپ کا نہیں ہو سکتا ۔ سننے والے کی غلطی ہوگی ، سو ایسا ہی ثابت ہوا ۔ اگر کوئی شخص دنیا میں ایسا موجود ہے ، جس کو گرامی کی نیت اور نیک نفسی میں شبہ ہے ، تو وہ اقبال کے نزدیک کافر ہے ۔ میں تو آپ کو ولی سمجھتا ہوں ، آپ کس خیال میں ہیں ۔

ہاں آپ کے ارشاد کا انشاء اللہ خیال رہے گا ۔ اطمینان فرمائیے ۔ لاہور آنے کا کب تک قصد ہے ؟ جولائی کے مہینے میں شملے جانے کا ارادہ ہے ۔ اب کے سال صحت خراب رہی ۔ اُمید کہ وہاں کی آب و ہوا سے فائدہ ہوگا ۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے آپ سے بھی ملوں گا انشاء اللہ ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے گھر میں میری طرف سے آداب عرض کر دیجیے گا ۔

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

گرامی کا نام لے کر خان نیاز الدین خان نے نظم ''خضر راہ'' پر جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے اپنے ۱۶ مئی ۲۲ع کے خط میں گرامی کو صاف لکھ دیا تھا کہ یہ اعتراض گرامی کا نہیں ہو سکتا ۔ مجھے یقین ہے نیاز الدین خاں صاحب کو آپ کا اعتراض سمجھنے میں غلطی لگی ہے ۔ چناں چہ ایسا ہی ثابت ہوا ۔ اس خط سے اقبال ہی کے خیال کی تائید ہوتی ہے ۔

یہ خط میاں عبدالمجید ایڈیٹر پاکستان ریویو لاہور سے دستیاب ہوا ہے ۔

(۷۴)

۲۲ جون ۲۲ع

بخدمت اقدس حضرت گرامی مدظلہ العالی استاد حضور نظام خلد اللہ ملکہ'

نوازش نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے ، مصروفیت مانع جواب رہی ۔ امید کہ مزاج والا بخیر ہوگا ۔ یہاں پر تو گرمی نے ناک میں دم کر رکھا ہے ، آج صبح قدرے بارش ہوئی مگر اب پھر وہی حال ہے ۔

اللہ اللہ ! کیا خوب غزل لکھی ہے[1] کہ در پردہ با پردہ در ساختم ۔ امید کہ یہ غزل ختم ہو گئی ہوگی ، باقی اشعار بھی ضرور روانہ فرمائیے ۔

نظیری کا ایک شعر صبح نظر سے گذرا - "کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ مانیست" ساری غزل ہی خوب ہے ، معلوم نہیں کبھی آپ نے اس پر غزل لکھی یا نہیں - ایک شعر میرے خیال میں بھی آ گیا[۲] :

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایمانیست

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے - خیریت مزاج سے آگاہ کیجیے - آپ تو لاہور آنے کا قصد رکھتے تھے - میں تو اس گرمی میں آپ کو دعوت دیتے ہوئے ڈرتا ہوں :

نازک ہے وہ محبوب خفا اور نہ ہو جائے

ہاں جب میں "پیغمبری" کا دعویٰ کروں گا تو آپ کو بیعت کے لیے بلاؤں گا - آج کل پیغمبری کا ادعا تو عام ہو چکا ہے ، خدائی کا دعویٰ کرنا چاہیے - کیا خوب کہا مولانا اکبر مرحوم نے :

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ انا لحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

محمد اقبال لاہور
۲۲ جوون ۲۲ع

تعلیقات

(۱) گرامی کی جس غزل کی اقبال نے تعریف کی ہے وہ دیوان گرامی کے صفحات ۷۰ و ۷۱ پر موجود ہے - دو شعر حسب ذیل ہیں :

براہِ وفا پا ز سر ساختیم خبر را ز خود بے خبر ساختیم
سیہ کاریٔ ماست اے پردہ دار کہ در پردہ با پردہ در ساختیم

(۲) اقبال نے نظیری کی غزل کے جواب میں جو مرصع غزل کہی تھی ، اس کے دو شعر یہ ہیں :

ز خاک خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلیٔ دگرے در خورِ تقاضا نیست
بہ ملک جم نہ دہم مصرع نظیری را
"کسی کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"

پوری غزل پیام مشرق کے صفحہ ۱۸۸ - ۱۹۰ پر موجود ہے -

(۷۵)

لاہور ، ۲۶ جون ۲۲ء

حضرت اقدس گرامی - السلام علیکم !

نوازش نامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - آپ کے الفاظ[۱] میرے لیے نہایت حوصلہ افزا ہیں - الحمد للہ کہ وہ شعر آپ کو پسند آیا - سبحان اللہ ! آپ کے اشعار لاجواب ہیں اور کیوں نہ ہوں :

بندہ آں نیست کہ از بندگی آزاد بود
بندہ آں است کہ در بندگی آزاد آمد

اس سے بہتر شعر[۲] اب اس زمین میں نہ نکل سکے گا - خاص کر آزاد کا قافیہ ختم ہو گیا - ابھی مہاراجہ کشن پرشاد[۳] بہادر کا خط آیا میں نے ان کی خدمت میں آپ کا یہ شعر لکھا ہے اور نیز یہ لکھا ہے کہ اسے ورد کرنا چاہیے - نظیری کی غزل پر دو ایک شعر اور ہو گئے تھے ، ملاحظہ فرمائیے ، مگر بہ نظر تنقید[۴] :

نظر بہ خویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصت تماشا نیست
اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

ایک غزل ان کی اور تھی - مستانہ می سازد ، دیوانہ می سازد - اس پر مقطع پہلے ذہن میں آ گیا[۵] :

بگو اے باغباں اقبال را رخت از چمن بندد
کہ ایں جادو بیاں ما را ز گل بیگانہ می سازد

زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا -

پرسوں ہشیار پور کے تحصیل دار صاحب ملے تھے - کہتے تھے کہ مولوی صاحب[۶] کو مرزا صاحب نے گرامی صاحب کا گرویدہ کر رکھا ہے - چوں کہ میں بھی شاید ہوشیار پور جاؤں اور اندیشہ ہے کہ آپ وہاں نہ

ہوں گے ، اس واسطے کوشش کر رہا ہوں کہ مرزا صاحب کی تبدیلی جالندھر سے ڈیرہ غازی خاں کی ہو جائے ، تاکہ آپ ان دنوں ہوشیار پور میں پہنچ سکیں ۔ گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجیے گا ۔

کل تھوڑی سی بارش لاہور میں ہوئی تھی مگر آج گرمی بدستور ہے ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) گرامی نے اقبال کے شعر :

برہنہ حرف نہ گفتن کمال گویائی است
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست

کی تعریف کرتے ہوئے شمس منزل ، محلہ عالی جالندھر سے اقبال کی یوں حوصلہ افزائی کی تھی :

''ملا نظیری نے آپ کو اپنا جانشین انتخاب کیا ہے ۔ گرامی ہفتاد سالہ ہو گیا ہے ، یہ دولت نہ ملی ۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے ، نظیری کی روح کے اشارہ سے لکھا ہے ۔ ''حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایما نیست'' گرامی خانہ بردوش ہے ۔ ہوشیار پور تشریف لائیے ، گرامی ہوشیار پور ہوگا :

آں وطن مصر و عراق و شام نیست
آں وطن شہریست کاں را نام نیست

(۲) یہ شعر جس غزل کا ہے وہ دیوانِ گرامی کے صفحہ ۸۵ پر دیکھی جا سکتی ہے ۔

(۳) یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد ، راجہ ٹودر مل کی اولاد سے تھے ، اصل وطن لاہور تھا ۔ یہاں سے ان کا خاندان پہلے دہلی اور پھر حیدر آباد پہنچا ۔ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ مدرسۂ عالیہ میں تعلیم پائی ۔ عربی ، فارسی اور انگریزی میں کافی مہارت حاصل کی ۔ نانا کے جانشین اور جاگیرات پیشکاری سے سرفراز ہوئے ۔ ۱۳۰۱ھ میں پیشکاری کے ساتھ معین المہام فوج بنائے گئے ۔ ۱۳۱۹ھ میں مدار المہامی تفویض ہوئی ۔ ۱۳۳۰ھ میں اس خدمت سے سبکدوش کر دیے گئے ۔ ۱۳۴۵ھ میں پھر

صدارت عظمیٰ کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوئے۔ شاعری کا خاص مذاق تھا ۔ داغ اور آصف کے شاگرد تھے ۔ آپ کا کلام صوفیانہ خیالات سے مملو ہے۔ کلام کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہوئے ۔ ان کی ایک نعت کو یہ شرف حاصل ہوا کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے پیچھے کتب خانہ شیخ الاسلام کی ایک دیوار پر آویزاں کی گئی ۔ جون ۱۹۴۰ع میں انتقال کیا ۔ اقبال سے نہایت گہرے مراسم تھے، اکثر خط و کتابت رہتی تھی ۔ ان کے نام اقبال کے خطوط کا ایک مجموعہ ''شاد اقبال'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور بھی بہت سے خطوط دستیاب ہوئے ہیں جو ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور اقبال اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوں گے ۔

(۴) بہ نظر تنقید جو شعر ملاحظہ کے لیے بھیجے گئے تھے ، ان میں سے دوسرے شعر کے متعلق گرامی نے رائے ظاہر کی کہ :

''اگرچہ'' ثقیل لفظ ہے ، ابتدا میں لانا بہت برا ۔ بالغ نظر ''اگرچہ'' کو محذوف ہی لاتے ہیں ، نظیری کے قلم سے ابتدا میں ''اگرچہ'' کا لفظ نکلنا سخت معیوب ہے ۔ اقبال اور نظیری خط وحدانی میں ہیں ۔ نظیری سے گرامی کی مراد یہاں اقبال ہے ۔''

مگر اس اعتراض کو اقبال نے چنداں وقعت نہ دی اور اسے یونہی رہنے دیا ۔ (دیکھو پیام مشرق ، صفحہ ۱۸۸) ۔

(۵) اس مقطع کے بعد اقبال نے پوری غزل کہی ، جو پیام مشرق کے صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر موجود ہے ۔ مطلع یہ ہے :

ہوائے فرودیں در گلستاں مے خانہ می سازد
سبو از غنچہ می ریزد ، ز گل پیمانہ می سازد

مقطع کے مصرع ثانی کو گرامی نے یوں بدلنے کا مشورہ دیا :

کہ آں درد آشنا ما را ز گل بیگانہ می سازد
یا
کہ آں خونیں نوا ما را ز گل بیگانہ می سازد

اور کہا کہ ''بہ نسبت خونیں نوا کے درد آشنا اچھا ہے ، غالباً آپ بھی پسند فرمائیں گے ۔'' شاید اسی مشورے سے فائدہ اٹھا کر اقبال نے مقطع میں

کچھ تبدیلیاں کیں ، اب اس کی صورت یوں ہے :

بگو اقبال را اے باغباں رخت از چمن بندد
کہ ایں جادو نوا ما را ز گل بیگانہ می سازد

(٦) مولوی صاحب کی نسبت تو معلوم نہیں ہو سکا کہ کون بزرگ تھے ، البتہ مرزا صاحب سے مراد مرزا عبد الرب تھے ، جو سشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد لاہور میں فوت ہوئے تھے- وہ نواب سراج الدین سائل دھلوی کے داماد تھے -

(٧٦)

لاہور ، ۴ اکتوبر ۲۲ع

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

کل آپ کو خط لکھنے بیٹھا پھر کسی اور کام میں مصروف ہو گیا ، جو بہت ضروری تھا - مگر دل کو دل سے راہ ہے - آج آپ کا پیغام ایک نوجوان لے کر آیا - وہ ابھی اُٹھ کر گیا ہے اور میں آپ کو خط لکھنے بیٹھا ہوں - میں شملہ سے آتا ہوا بیمار ہو گیا تھا - مگر اب خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے - سردی آ رہی ہے - میں نے مکان بھی تبدیل کر لیا ہے - مرزا جلال الدین صاحب کے قریب ہے - ایک کوٹھی[1] ایک سو ستر روپیہ ماہوار کرایہ پر لے لی ہے - اب آپ تشریف لائیں گے تو آپ کو زیادہ آسائش رہے گی - اب کے ضرور تشریف لائیے - کیا ہوشیار پور میں اکیلے بیٹھے ہو ! نہ آپ کا وہاں کوئی قدردان نہ آپ کے مطالب عالیہ کو سمجھنے والا - نظیری کی غزل پر ایک اور غزل لکھی تھی ، جس کا آخری شعر لکھتا ہوں - آپ لاہور تشریف لائیں گے تو ساری غزل عرض کروں گا[2] :

چنگ تیموری شکست آہنگ تیموری بجاست
سر بروں می آرد از ساز سمرقندے دگر

باقی خدا کا فضل و کرم ہے گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجیے گا - مصطفیٰ کمال پاشا کے فتوحات کا مادہ تاریخ یہ ہے[3] :

شاخ ابراہیم را نم مصطفیٰ سال فتحش ''اسم اعظم مصطفیٰ''
۱۳۴۱ھ

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) جس کوٹھی کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے ، وہ میکلوڈ روڈ والی کوٹھی ہے ، جہاں اقبال اس وقت تک مقیم رہے ، جب تک انہوں نے میو روڈ پر اپنی کوٹھی ''جاوید منزل'' تعمیر نہ کر لی - میو روڈ کا نام پاکستان بننے کے بعد اقبال روڈ رکھا گیا ہے۔

(۲) یہ غزل پیام مشرق کے صفحہ ۱۷۰ - ۱۷۱ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے - اس کا مطلع یہ ہے :

می تراشد فکر ما ہر دم خداوندے دگر
رست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

(۳) سمرنا کا خوشحال علاقہ مسلمانوں کا ایک لہلہاتا ہوا باغ تھا ، جسے یونانی مظالم نے ویران کر دیا تھا ـ اگست ۲۲ع میں انقرہ سے خبر آئی کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے یونانیوں کو شکست دی ہے اور سمرنا ، تھریس اور قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کر لیا ہے - یہ شکست دراصل انگریزوں کے تدبر کی شکست تھی - ہندوستان کے مسلمان ترکوں سے خاص ہمدردی رکھتے تھے - وہ لاکھوں روپے چندہ جمع کر کے انہیں بھیج چکے تھے - مسلمانوں کو اس فتح سے بے حد خوشی ہوئی - ہر جگہ جلسے ہوئے اور جشن منائے گئے۔ اقبال نے یہ مادۂ تاریخ لکھ کر گرامی کو بھیجا :

شاخ ابراہیم را نم مصطفیٰ سال فتحش ''اسم اعظم مصطفیٰ

اقبال کے ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۲ع کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ گرامی نے تاریخ فتح پر مصرعے ایزاد کرکے مادۂ تاریخ کو چار چاند لگا دیے :

شاخ ابراہیم را نم مصطفیٰ ۔ مہدی آخر زماں ہم مصطفیٰ
گوش کن اے بے خبر تاریخ فتح ، گفت اقبال ''اسم اعظم مصطفیٰ''
۱۳۴۱ھ

(۲۷)

لاہور، ۱۰ دسمبر ۲۲ع

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم!

آپ کا خط ابھی ملا ۔ میں آپ کو خط لکھنے کی فکر میں تھا مگر کئی روز سے نزلہ کھانسی نے تنگ کر رکھا ہے ۔ کل شام ہلکا سا بخار بھی ہو گیا تھا ۔ مگر خیر گزری ۔ اس وقت اچھا ہوں ، نزلہ بدستور ہے ۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ اقبال گرامی سے بیزار ہو جائے ۔ آپ سے اگر کچھ شکایت ہے تو یہی کہ آپ لاہور نہیں آتے ۔ آج صبح شیخ رحیم بخش صاحب[1] وکیل جالندھر نے بتایا کہ آپ ایک دفعہ لاہور آنے کو تیار تھے مگر یہ خبر سن کر بیگم صاحبہ کو غش ہو گیا ۔ جب حالت یہ ہو تو آپ کے آنے کی کوئی امید نہیں ہو سکتی اور نہ میں ایسا بے رحم ہوں کہ آپ سے لاہور آنے کی درخواست کروں ۔ وہ "چار یار" والی رباعی[2] نہایت خوب تھی ۔ نواب صاحب کو ابھی میں سنا نہ سکا ۔ علالت کی وجہ سے صحبت درویشانہ کا موقع نہیں ہوا ۔ آج کے خط میں جو رباعیاں آپ نے لکھی ہیں ، لاجواب ہیں ۔ مولانا ابو سعید ابوالخیر کی روح فردوس بریں میں ان کی داد دے رہی ہے ۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ جواہر گراں بہا آپ بے پروائی سے ضائع کر دیں گے ۔ ان کو کسی سفینے میں جمع رکھنا چاہیے اور آپ کی زندگی[3] میں کم از کم یہ رباعیات بھی چھپ جائیں تو غنیمت ہے ۔

میں تو کئی روز سے کچھ نہیں لکھ سکا ۔ قبض کا زمانہ ہے ۔ آپ یہاں ہوتے ہیں تو کبھی طبیعت شعر کی طرف آ جاتی ہے ۔

می کند دیوانہ با دیوانہ رقص

کل بخار کی حالت میں یہ شعر موزوں ہو گیا ۔ مگر زمین مشکل ہے شاید غزل نہ ہو سکے[4] ۔

از داغ فراق او در دل چمنے دارم اے لالہ صحرائی با تو سخنے دارم

آگے کچھ نہیں لکھ سکا ۔ ایک مصرع اور اس وقت آپ کو خط لکھتے لکھتے موزوں ہوا ہے :

"نے ہم نفسے دارم نے انجمنے دارم"

بس میری شاعری اب اسی قسم کی باقی ہے - فارسی مجموعہ انشاء اللہ عنقریب شائع ہوگا - اس کے لیے تقریظ لکھیے - ایک رباعی اور عرض کرتا ہوں[۵] :

میان آب و گل خلوت گزیدم — ز افلاطون و فارابی بریدم
نہ کردم از کسے دریوزۂ چشم — جہان را جز بچشم خود ندیدیم

مخلص محمد اقبال

بیگم گرامی صاحبہ کی خدمت میں آداب عرض ہو اور ریوڑی کا شکریہ -
محمد اقبال

تعلیقات

(۱) شیخ رحیم بخش صاحب وکیل جالندھر اقبال اور گرامی دونوں کے مشترک دوست اور ملنے والے تھے -

(۲) وہ چار یار والی رباعی حسب ذیل ہے :

ماہ و شب ماہ و آفتاب ست و سحر
اقبال و جلال و ذوالفقار و اصغر
یک جذبہ و یک ضمیر و یکدل یکجان
در چشم ستارہ چار یارند مگر

علامہ اقبال ، مرزا جلال الدین بیرسٹر ، نواب ذوالفقار علی خان اور شیخ اصغر علی کی دوستی اس زمانے میں مثالی سمجھی جاتی تھی - موخرالذکر قصور کی شیخ برادری کے نامور فرزند تھے - اپنی ذاتی قابلیت سے ترقی کر کے کمشنر کے جلیل القدر عہدے تک پہنچے تھے - یہ چاروں دوست نواب ذوالفقار علی خان کی کوٹھی زرفشاں میں تقریباً روزانہ جمع ہوتے تھے - کبھی کبھی مرزا جلال الدین بیرسٹر کے ہاں بھی محفلیں جمتی تھیں -

(۳) گرامی کی زندگی میں تو یہ رباعیاں نہ چھپ سکیں البتہ ان کی وفات کے بعد ایک مجموعے کی صورت میں شائع ہو گئیں -

(۴) غزل واقعی نہ ہو سکی ، کسی مجموعے میں نظر نہیں آئی -

(۵) اس رباعی کی داد دیتے ہوئے گرامی نے کہا :

''سبحان اللہ ! کیا دلفریب مضمون ہے ۔ کیا حکیمانہ استغنا ہے مگر گرامی کی رائے صحیح میں یوں صحیح ہے :

نہ بردم منت دریوزۂ چشم جہاں راجز بچشم خود ندیدم

ادب نا آشنا گرامی کا یہ تصرف بے جا ہے یا بجا ؟ صحیح ہے یا غلط ؟'' مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا اور پیام مشرق میں اپنے مصرع ''نہ کردم از کسی دریوزۂ چشم'' کو اسی طرح رہنے دیا ۔ (دیکھو پیام مشرق ، صفحہ ۶۴)

(۷۸)

لاہور، ۲۳ فروری ۲۳ع

ڈیر مولانا گرامی !

السلام علیکم ! معلوم نہیں آپ کہاں ہیں اور کس حالت میں ۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ مارچ کے آخر میں ہوگا ۔ تمام اراکین انجمن کے اصرار سے یہ خط لکھتا ہوں کہ آپ اس موقع پر ضرور تشریف لا کر لاہور کے لوگوں کو کچھ پڑھ کر سنائیں ۔ میں بھی انشاء اللہ ایک نظم پڑھوں گا جس کا نام ''طلوع اسلام[۱]'' ہوگا ۔ خدا کرے اس وقت تک ختم ہو جائے ۔

میر غلام بھیک نیرنگ[۲] بھی انبالہ سے آئیں گے ۔ آپ بھی ضرور بالضرور تشریف لائیں ۔ انجمن والوں نے اس خیال سے کہ آپ میری بات مان لیں گے ، مجھے اس کام کے لیے متعین کیا ہے ۔ اب میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ گھر میں میری طرف سے آداب کہ دیجیے ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) طلوع اسلام اقبال کی ایک غیر فانی نظم ہے جو اتحادیوں کے ان منصوبوں کے ملیا میٹ ہو جانے پر لکھی گئی تھی، جو انھوں نے ترکی

کو مٹانے کے لیے باندھے تھے ۔ ترکوں نے بنوک شمشیر اپنی ہستی تسلیم کرائی اور اتحادیوں کی چالوں کو خاک میں ملا دیا ۔ یہ نظم بانگ درا میں شامل ہے ۔

(۲) میر غلام بھیک نیرنگ اس دور کی ایک نمایاں شخصیت تھے ۔ وہ دوراہہ (ضلع انبالہ) کے رہنے والے تھے ۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی ۔ جب گورنمنٹ کالج میں پڑھتے تھے تو لاہور کی کوئی ادبی یا قومی تحریک ایسی نہ تھی ، جس میں وہ اپنی ہمہ گیر طبعیت کے ساتھ موجود نہ ہوں ۔ آپ بہت اچھے ادیب اور شاعر تھے ۔ لاہور کے قدیم مشاعروں میں اقبال کے ساتھ شریک ہوتے تھے ۔ کلام نیرنگ اور غبار افق دو کتابیں آپ کی شاعری کی یادگار ہیں ۔ مذہبی جذبے سے بھی سرشار تھے ۔ شدھی اور سنگھٹن کے دنوں میں قابل قدر تبلیغی خدمات انجام دیں ۔ تقسیم ہند کے بعد ہجرت کرکے لاہور چلے آئے اور یہیں ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ع کی رات کو فوت ہوئے ۔

(۷۹)

لاہور ، ۸ مارچ ۲۳ع

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

والا نامہ کل ملا ۔ رباعیات کے لیے بالخصوص شکر گذار ہوں ۔ ”ایں صید بسینہ زخم کاری دارد“ نے خاص طور پر لطف دیا[1] ۔ مگر معلوم نہیں آپ ان رباعیات کو جمع بھی کرتے ہیں یا یہ بیش بہا دولت بھی آپ کی تنخواہ کی طرح ادھر اُدھر خرچ ہو جاتی ہے ۔ نواب امین جنگ[2] پرائیویٹ سکرٹری سرکار نظام کا خط آیا تھا ۔ انھوں نے اپنی کتاب کا ایک نسخہ (جو انگریزی زبان میں ہے) ارسال کیا تھا ۔ اس کتاب کے آخر میں میرا بھی ذکر تھا ۔ مذہب اسلام کے حقائق و معارف کی توضیح اس کا مضمون ہے ۔

انجمن کے جلسے پر تشریف لانے کا وعدہ آپ نے کیا ۔ نہایت ممنون ہوں ۔ لیکن اگر آپ نے حسب عادت یہ وعدہ پورا نہ کیا تو ارکان انجمن کی نگاہ میں میری بہت کرکری ہوگی ۔ آپ خود تو آنے سے رہے ۔ مہربانی

کرکے اطلاع دیجیے کہ کب آدمی کو یہاں سے آپ کے لانے واسطے ہوشیار پور بھیجا جائے ، چند روز پہلے آ جائیے ۔ بلکہ اگر آپ تیار ہوں تو فوراً مطلع کیجیے کہ میں انجمن کی طرف سے ابھی آدمی بھجوا دوں ۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ ''پیام مشرق'' کاتب لکھ رہا ہے ، دو ماہ میں شاید چھپ جائے گا ۔ والسلام !

محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) جس رباعی نے خاص طور پر لطف دیا ، وہ حسب ذیل ہے :

می میرم و دیدہ اشکباری دارد
دل خون شد و جان نفس شماری دارد
اے چارہ شناش کار با مرہم نیست
ایں صید بسینہ زخم کاری دارد

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۲۱۲)

(۲) نواب سر احمد حسین خان امین جنگ پرائیویٹ سیکریٹری سرکار نظام نے حقائق و معارف اسلام پر جو کتاب انگریزی میں لکھی تھی ، اس کا نام ''نوٹس آن اسلام'' تھا ۔ یہ حیدر آباد دکن سے ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی تھی ۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۶ پر جہاں ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راہنماؤں کا ذکر ہے وہاں سر سید احمد ، مولانا شبلی ، مولانا حالی اور رائٹ آنریبل جسٹس امیر علی کے ساتھ اقبال کا نام بھی ہے ۔

Notes on Islam, Ahmad Hussain Khan, Sir, Amin Jang, Collected and Edited by Kh. Muhammad Hussain, Hydarabad, 1922.

(۸۰)

لاہور ، ۲۲ اگست ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندہ کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

رقعہ مل گیا ہے مگر یہ رقعہ حقیقت میں جواب کا مستحق نہیں ہے ۔ آپ کا خط میرے نام آئے گا تو جواب عرض کروں گا ۔ نئی کوٹھی ابھی نہیں خریدی ۔ سودا تو ہو گیا تھا مگر تمام امور زبانی طے ہو جانے کے بعد ، بایع جو ہندو تھا ، مکر گیا ۔ اب اور جگہ کی تلاش ہو رہی ہے ۔ چونکہ آپ نے مبارکباد کہہ دی ہے ، اس واسطے یقین ہے کہ کوئی اور کوٹھی حسب دلخواہ مل جائے گی ۔ بیوی کی صحت خدا کے فضل و کرم سے اچھی ہے ۔ پندرہ روز کے بعد بخار اتر گیا ۔ مگر کمزوری بے انتہا ہے اور یہ مرحلہ بیماری سے زیادہ خطرناک ہے ۔ احتیاط کامل کی جا رہی ہے ۔ اللہ فضل کرنے والا ہے ۔ ان کی بیماری کی وجہ سے میں شملہ نہیں جا سکا ۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلص محمد اقبال

(۸۱)

لاہور ، ۲۷ اگست ۳۳ء

جناب مولانا گرامی !

السلام علیکم ! والا نامہ ابھی ملا[1] ہے ۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے ۔ ذیابیطس کا ایک مجرب نسخہ میں نے خان بہادر اللہ بخش خاں مرحوم[2] سے سنا تھا ۔ جامن کی گٹھلی سائے میں خشک کیجیے ، پھر اسے پیس کر کپڑے میں چھان کر اور ذرا سا نمک ملا کر پانی کے ساتھ بقدر دو تین ماشہ صبح کھایا کیجیے ۔ وہ کہتے تھے کہ بیماری کی ابتدا ہو تو اس سے صحت ہو جاتی ہے ۔ سو اگر آپ کا ذیابیطس جوانی کی غلط کاریوں کا نتیجہ ہے ، تو شاید یہ نسخہ مفید نہ ہوگا ۔ لیکن اگر بڑھاپے کی غلط کاری کا نتیجہ ہے تو ضرور مفید ہوگا[3] ۔

اگر آپ حیدر آباد گئے تو وہاں کی ہوا شاید اس کے لیے اچھی نہیں ہے ، دہلی جا کر حکیم صاحب سے علاج کرائیے ۔ مگر وہ آج کل شاید سولن میں ہیں ۔ بہر حال مجھے یقین ہے کہ آپ دہلی نہ جائیں گے ۔ لاہور آئیے تو یہاں سے علاج کرائیے ۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب اچھے طبیب ہیں ، وہ آپ کا

علاج کریں گے۔

حیدر آباد سے مجھے دو تین تار آئے تھے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے آؤ۔ مگر میں بیوی کی علالت کی وجہ سے نہ جا سکا۔ آخر انھوں نے وہاں کے ایک اہل کار صاحب کو لاہور بھیج دیا، جو دو روز یہاں رہے۔ میں نے ان کو تمام ضروری امور کے متعلق مشورہ دے دیا تھا۔

آپ کا مصرع بہت عمدہ ہے، انشاء اللہ دوسری اشاعت میں ملحوظ رہے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ گھر میں میری طرف سے آداب کہہ دیجیے۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) جس خط کے پہنچنے کا ذکر اقبال نے کیا ہے، اس میں گرامی نے لکھا تھا:

"گرامی ضیابطوس (ذیابیطس) کے مرض میں مبتلا ہے۔ یہی مرض مرگ کا مقدمۃ الجیش ہے۔ دہلی جاؤں گا۔ حکیم مسیح الملک سے علاج کراؤں گا۔ مسیح الملک (حکیم اجمل خان دہلوی) سے علاج کرانا پریوی کونسل کی اپیل ہے۔ یا اِدھر یا اُدھر۔ رباعی

طوفان بلاست آشنائے اجمل
بوسد ہر موج دست و پائے اجمل
دیدی کہ خداست ناصرش در ہمہ حال
دریا گر دید نا خدائے اجمل

یہ رباعی لکھ کر بھیج دی ہے۔ اجمل پسند ہے، اقبال پسند بھی ہوگی۔ حکیم صاحب چاہتے ہیں کہ گرامی دہلی میں آوے اور ہم علاج کریں۔ گویا مسیح مردہ کو زندہ کرنا چاہتا ہے۔"

(۲) خان بہادر خواجہ اللہ بخش لاہور کی کشمیری برادری اور انجمن حمایت اسلام کے ممتاز رکن تھے۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۰ع کو لاہور میں پیدا ہوئے

اور ۱۹۱۹ع یا ۱۹۲۰ میں میسور جاتے ہوئے راستے میں نمونیا سے فوت ہوئے ۔ دس سال محکمۂ تعلیم میں اور بیس سال فارن اینڈ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کی ۔ اس سلسلے میں افغان بونڈری کمیشن کے ہمراہ افغانستان گئے اور مشہدمیں برٹش کونسلیٹ قائم ہونے پر ایران بھیجے گئے ۔ سردار ایوب خاں کے اتاشی تھے کہ پنشن لی اور چونیاں کے قریب کئی مربعہ اراضی حاصل کی ، جہاں آپ نے اپنے نام پر ایک گاؤں کوٹ اللہ بخش خاں آباد کیا ۔ آپ نے انگریزی میں دلچسپ سفر نامہ لکھا تھا جو ۱۹۱۴ع کی جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے بعض مصالح کی بنا پر چھپ نہ سکا ۔ آپ کے مفصل حالات مشاہیر کشمیر اور تاریخ اقوام کشمیر میں دیکھے جا سکتے ہیں ۔

(۳) اس کا جواب ملاحظہ ہو :

''گرامی نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ۔ دہلی آ گیا ہوں ۔ حکیم مسیح الملک کا علاج ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ فضل کرنے والے ہے ——— جوانی کی غلط کاری صحیح نہیں ۔ پیری کی غلط کاری ، پیری کا اثر صحیح ——— گرامی دہلی سے لاہور آئے گا ۔ حیدر آباد سے اگر میر مجلسی کا منصب جلیلہ یا حضور بندگان عالی کی سیکریٹری کی خدمت ملے ، ضرور منظور کر لیجیے گا ۔ گرامی کی پیش گوئی غلط نہیں ہو سکتی ۔ اسلام میں الہام غلط نہیں ہوتا ۔''

(۸۲)

لاہور ، ۱۱ اکتوبر ۲۳ع

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

آپ کا والا نامہ مل گیا تھا[1] ، خدا نہ کرے آپ کو نقرس ہو ۔ یہ بڑا کم بخت درد ہے ۔ اللہ تعالیٰ میرے ہر دوست کو بلکہ تمام دنیا کو اس دکھ سے محفوظ رکھے ۔ مصطفیٰ کمال پاشا کی تاریخ فتح پر مصرع ایزاد کرکے آپ نے مادہ تاریخ کو چار چاند لگا دیے ۔ جب ذرا صحت ہو جائے تو ضرور تشریف لائیے ۔ اب تو سردی کا موسم آ رہا ہے ، میں دو چار روز

تک نئے مکان میں منتقل ہو جاؤں گا ۔ نواب صاحب[2] بھی شملہ سے تشریف لے آئے ہیں ۔

اخبار خالصہ ایڈووکیٹ میں اور نیز آج کے پیسہ اخبار سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر سرکار نظام کے صدر اعظم سید علی امام کی جگہ ہو گئے ۔ کیا آپ اخبار پڑھا کرتے ہیں ؟ آپ کو معلوم ہے اسلامی دنیا کا رخ کدھر ہے اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے ؟ آپ کا قلب ضمیر کائنات کا جاننے والا ہے ۔ کچھ مکاشفہ ہو تو مجھے بھی مطلع کیجیے گا ۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

محمد اقبال ، لاہور

۱۱ اکتوبر ۲۳ء

تعلیقات

(۱) اس خط میں گرامی نے ہوشیار پور سے لکھا تھا :

”کوٹھی مبارک ہے ۔ بہت جلد حضرت مجدد عصر ہائی کورٹ کی ججی کی کرسی پر جلوہ افروز ہوں گے ۔ گرامی کی یہ پیشین گوئی ہے ۔ گرامی بوڑھا تھا ، لنگڑا بھی ہو گیا ۔ لذت شنیدن سے بے بہرہ پہلے ہی تھا ، پیر و بزار علت ، گرامی نقرس میں مبتلا ہو گیا ۔ چار قدم چلتا ہوں یا چلنا چاہتا ہوں ، نہیں چل سکتا ۔ اگر میں یہ کہوں کہ ڈاکٹر کی ہم پائی یا ہمپائی یا ہمقدمی کی عزت اس کو حاصل ہو گئی ۔ یہ غلط ۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کا ہمدرد ۔ ورنہ کہاں فلاسفر حکیم ، کہاں دقیانوسی ابلہ جالندھری ۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ نے ایسے وقت میں گرامی کو لاہور آنے کی دعوت دی ہے کہ وقت بھی اس کی مدد کرنے سے خوش نہیں —— کیا آپ کے پاس اس درد کا کچھ بقیہ تیل ہے ؟ مختلف تیل کی مالش کر رہا ہوں ۔

سبحان اللہ کیا تاریخ فتح لکھی ہے ۔ الہام ہے :

شاخ ابراہیم را نم مصطفیٰ   مہدی آخر زماں ہم مصطفیٰ

گوش کن اے بے خبر تاریخ فتح   گفت اقبال ”اسم اعظم مصطفیٰ“

چنگ تیموری شکست آہنگ تیموری بجاست
می رسد در گوشم از ساز سمرقندے دگر

(۲) نواب سر ذوالفقار علی خاں ۔

(۸۳)

لاہور ، ۱۸ اکتوبر ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی ۔ السلام علیکم !

والا نامہ ابھی ملا ، جس کے لیے شکر گزار ہوں ۔ اب کے گرمی کی تعطیلیں تمام آلام و مصائب میں گذریں ۔ مجھ کو بھی ڈنکو فیور ہو گیا ۔ بعد میں مسوڑا پھول جانے سے بھی سخت تکلیف رہی ، جو صرف کل کم ہوئی ہے ۔ بارے آپ نے اس نئے بخار کا مزا چکھ لیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ جس جس کو یہ بخار آیا ہے اس کی عمر میں بقدر سی سال کے اضافہ کیا گیا ہے ۔ سو آپ مطمئن رہیے ۔ آپ استخواں شکنی کے امتحان میں کامیاب ہو گئے ۔ کسی پرانے بزرگ کا شعر ہے :

قحبہ چون پیر شود پیشہ کند دلالی

سو فرق اس قدر ہے کہ بعض پیر بڑے بڑے لوگوں کی دلالی کرتے ہیں بعض چھوٹے لوگوں کی ۔ بہر حال یہ مشغلہ آپ کے لیے موزوں ہے ۔ اور شاعری بھی تو ایک قسم کی خدا اور بندوں کے درمیان دلالگی ہے ۔ اوپر سے الہام ہوا بندوں تک پہنچا دیا گیا ۔ جس کو اس پیشہ کی شرافت میں شبہ ہو ، وہ کافر ہے ۔ آپ یوں تو لاہور آتے ہی نہیں ، اس واسطے یہ ترکیب سوچی ہے کہ اسی بڑھاپے میں نکاح کروں ۔ ممکن ہے ہوس دلالگی آپ کو یہاں کھینچ لائے ۔ اگر آپ آئیں تو آپ کی برکت سے کوٹھی کا سودا بھی یکسو ہو جائے ۔ خدا بچائے دنیا کی جائداد سے ۔ کس قدر سر دردی اس کے خریدنے میں ہے ۔ تارک دنیا لوگ سچے تھے ۔ دکن تو اب آپ جا چکے ۔ اگر ''عرفت ربی بفسخ العزائم'' صحیح ہے تو آج دنیا بھر میں آپ سے بڑھ کر کوئی عارف کامل موجود نہیں ۔ ہاں ایک بات خوب وقت پر یاد آئی ہے ۔ پیام مشرق میں چند اشعار میں نے بوئے گل[۱] پر لکھے

تھے، جو آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے ۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ جنت کی ایک حور دنیا کا نظارہ کرنے کے لیے پھول کی صورت میں نمودار ہوئی اور آخرکار پژمردہ ہوگئی ۔ جس کو لوگ نکہت گل کہتے ہیں، وہ اس حور کی آہ ہے جس کو اس نے اس دنیا میں اپنی یادگار چھوڑا ہے ۔ آخری شعر یہ تھا :

زندانئے کہ بند ز پایش کشادہ اند　　آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند

مولوی اسلم جیراج پوری[۲] استاد جامعہ ملیہ علی گڑھ کا یہ اعتراض ہے کہ "گذاشت است" ذوق سلیم کو کھٹکتا ہے ۔ مجھ کو بھی ان کے ایراد میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور معلوم ہوتی ہے لیکن گرامی کا فتویٰ قطعی ہوگا ۔ آپ اپنی رائے صحیح سے مطلع فرمائیں ۔ اس شعر پر تنقیدی نظر ڈالیے اور نتیجہ سے آگاہ کیجیے ۔ مولوی سلیمان ندوی[۳] اور عبدالماجد صاحب[۴] سے بھی استصواب کیا ہے ۔ بہرحال آپ کی رائے سب پر مقدم ہے ۔ اس شعر کا مطلع ہونا ضروری ہے کہ یہ بند کا آخری شعر ہے ۔ یوں بھی ہو سکتا ہے :

زان نازنین کہ بند ز پایش کشادہ اند
آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا، گھر میں آداب کہیے ۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) "بوے گل" پیام مشرق کے صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ پر شائع ہو چکی ہے ۔ اس کا آخری شعر اسی صورت میں ہے، جس طرح اقبال نے اس خط کے آخر میں لکھا ہے ۔ یعنی :

زان نازنین کہ بند ز پایش کشادہ اند　　آہے است یادگار کہ بو نام دادہ اند

گویا پہلی صورت نہیں رہی اور گرامی نے اس میں جو ترمیم تجویز کی تھی وہ بھی اقبال نے قبول نہیں کی کیوں کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا تھا جو اقبال ادا کرنا چاہتے تھے ۔

(۲) مولوی محمد اسلم جیراج پوری ہماری بزم علم و ثقافت کے دور پیشیں کی یادگار تھے ۔ ۷ ربیع الاول ۱۲۹۹ھ کو موضع جیراج پور ضلع اعظم گڑھ

میں پیدا ہوئے ۔ درسِ نظامیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر پیسہ اخبار لاہور میں مترجم مقرر ہوئے ۔ دو سال بعد وہاں سے پہلے علی گڑھ کالجیٹ سکول میں پھر مسلم یونیورسٹی میں چلے گئے ۔ ۱۹۲۱ع کی تحریک ترکِ موالات کے زمانہ میں آپ نے علی گڑھ کالج چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں شرکت اختیار کی اور تا دمِ مرگ اسی سے وابستہ رہے ۔ اواخر جنوری ۱۹۵۶ع میں جامعہ نگر ہی کی خاک میں آسودہ ہوئے ۔ مولانا باقاعدہ اور وسیع المطالعہ عالم ، قناعت پسند ، گوشہ نشین ، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ تھے ، آپ کی تالیفات میں تاریخِ الامت کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ۔ چند ادبی اور تنقیدی مضامین اور سوانحی تالیفات مثلاً حیات جامی اور حیات حافظ بھی ان کی یادگاریں ہیں ۔ قرآن مجید سے شغف کا ثبوت ان کی کتب تاریخ القرآن اور تعلیمات قرآن سے ملتا ہے ۔ اقبال کی مثنوی 'اسرار خودی' اور 'جاوید نامہ' پر بھی انھوں نے سیر حاصل تبصرے کیے ہیں ۔

(۳) سید سلیمان ندوی نومبر ۱۸۸۴ع میں پٹنہ (بہار) کے گاؤں دیسنہ میں پیدا ہوئے ۔ ان کے علمی اور ادبی ذوق کی نشو و نما دارالعلوم ندوۃ العلما میں ہوئی جہاں انھیں مولانا فاروق چریا کوٹی اور مولانا شبلی نعمانی جیسے فاضل استاد میسر آئے ۔ ۱۹۰۷ع میں ندوہ کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو مولانا شبلی نے ان کو الندوہ کا نائب مدیر مقرر کر دیا ۔ جولائی ۱۹۱۲ع میں مولانا ابو الکلام آزاد نے کلکتہ سے اپنا مشہور ہفتہ وار اخبار الہلال جاری کیا تو سید صاحب کو اس کے عملے میں شامل کر لیا ۔ مولانا شبلی کی وفات کے بعد ان کی معرکہ آرا تصنیف سیرت النبی کی تکمیل کی اور اس کے بعد کئی کتابیں لکھیں ۔ ۱۹۲۰ع میں مولانا محمد علی کی سرکردگی میں جو وفد خلافت یورپ بھیجا گیا اس کے ایک رکن سید صاحب بھی تھے ۔ نادر شاہ کے زمانے میں اقبال اور سر راس مسعود کے ہمراہ تعلیمی مشورہ کے لیے افغانستان بھی تشریف لے گئے تھے ۔ نومبر ۱۹۵۳ع میں کراچی میں وفات پائی ۔

(۴) مولوی عبد الماجد دریا بادی مدیر سچ ، صدق جدید و مصنف کتب متفرقہ ۔

(۸۴)

لاہور ، ۲۱ اکتوبر ۲۳ء

ڈیر مولانا گرامی - السلام علیکم !

والا نامہ ابھی ملا - آپ لاہور آنے والے نہیں محض شاعری ہے - آپ کی ترمیم[۱] سے زبان کے اعتبار سے شعر بہت ستھرا ہو گیا ہے مگر افسوس ہے کہ اس سے وہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا جو میں ادا کرنا چاہتا ہوں - میرا مطلب یہ ہے کہ وہ نازنین حور خود تو رخصت ہو گئی مگر دنیا میں اپنی آہ چھوڑ گئی ہے ، جس کو لوگ خوشبو کہتے ہیں - آپ کے شعر سے مترشح ہوتا ہے - ''وقت بند کشادن آہے سرداد'' لہٰذا معانی کے اعتبار سے میں اپنے ہی مطلع کو ترجیح دیتا ہوں ، جس کو آپ نے پسند فرمایا ہے لیکن ''سردادن آہ'' کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا - ہاں آپ نے یہ کیا لکھ دیا کہ ''ممکن ہے گرامی اقبال کی کوٹھی پر ہی فروکش ہو'' - کیا آپ کے کسی اور جگہ ٹھہرنے کا بھی امکان ہے ؟ رباعیات نے بڑا لطف دیا - میں نے وہ پرزہ کاغذ جیب میں رکھ لیا ہے - نواب صاحب اور شیخ اصغر علی ابھی آنے والے ہیں اُن کو سناؤں گا - کل یہاں پر ویسرائے بہادر تشریف لاتے ہیں ، اسٹیشن اور وہاں سے آنے کے رستے کی سجاوٹ ہو رہی ہے -

سائل صاحب[۲] کو تو آپ نے خوب سنائی - شاعروں سے ڈرنا چاہیے - بھائی یہ لوگ بڑے بے ڈھب ہوتے ہیں - حیدر آباد نہ جانا کوئی فال بد نہیں - کل مہاراجہ بہادر[۳] کا خط آیا تھا ، سنا ہے وزیر اعظم وہ ہوں گے - وہاں کے متعلق عجیب و غریب حالات سنے ہیں جن کو خط میں لکھنا ٹھیک نہیں ، آپ آ گئے تو زبانی عرض کروں گا - اس ریاست کے دن برے معلوم ہوتے ہیں - امید کہ مزاج بخیر ہوگا - والسلام !

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) یہ ترمیم اسی نظم ''بوے گل'' کے آخری شعر کے متعلق تھی جس کا ذکر ۱۸ اکتوبر ۲۳ء کے خط میں تفصیل سے آ چکا ہے مگر یہ

ترمیم اقبال نے قبول نہیں کی اور اپنے ہی مطلع کو ترجیح دی، جسے گرامی نے بھی پسند کیا۔

(۲) نواب سراج الدین سائل دہلوی داغ کے شاگرد اور داماد تھے۔ داغ کے انتقال کے بعد اپنے کلام کے متعلق گرامی سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے گرامی سے ان کے بارے میں پوچھا تو گرامی نے کہا: ''خامی میں پختہ ہو گیا ہے بچہ''۔ اقبال نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۳) مہاراجہ سرکشن پرشاد مدار المہام حیدر آباد۔

(۸۵)

لاہور، ۱۹ اکتوبر ۲۴ء

مخدومی جناب مولانا گرامی!

السلام علیکم! ابھی مرزا صاحب[۱] کا خط لکھنؤ سے آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مولانا گرامی سے میرا تعارف کرا دیجیے۔ یہ عریضہ اُن کی معرفت کے لیے لکھتا ہوں، وہ آپ کی خدمت میں لکھیں گے، اُن کو ضرور جواب دیجیے گا۔ آپ کا خط آئے مدت ہو گئی۔ پہلے موسم سرما میں آپ لاہور بھی کبھی آیا کرتے تھے مگر اب تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جغرافیے میں لاہور کا وجود ہی نہیں ہے۔ اکتوبر ختم ہونے کو ہے، نومبر میں خوب موسم ہوگا، چند روز کے لیے تشریف لائیے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ یاران ہم دم کی صحبت غنیمت ہے۔ کل ایک شعر خیال میں آیا، عرض کرتا ہوں:

عقل ہم عشق است و از ذوق نگہ بیگانہ نیست
لیکن ایں نا پختہ را آں جرأتِ رندانہ نیست

اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) مرزا محمد ہادی نام اور عزیز تخلص تھا ۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ع) کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے ، اپنے زمانے کے اہل فضل و کمال میں تھے ۔ خاندان کا علمی مذاق کئی پشتوں سے ثابت ہے ۔ چناں چہ عزیز نے بھی اس خاندانی سنت کی تکمیل کی ۔ علم و فضل کے ساتھ شاعری کا جوہر بھی رکھتے تھے ۔ آپ کے کلام کے دو مجموعے گل کدہ اور صحیفہ لکھنؤ سے شائع ہو چکے ہیں ۔ شاگردوں میں جوش ملیح آبادی اور نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی بہت مشہور ہیں ۔ ۱۳۵۴ھ (۱۹۳۵ع) میں بہ مقام لکھنؤ انتقال کیا ۔ اقبال ان کی شاعری کے معترف تھے ۔

(۸٦)

۲۵ اکتوبر ۲۴ع

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

آپ کا والا نامہ لاہور سے ہوتا ہوا لدھیانے میں ملا ۔

جو مصرع آپ نے تجویز فرمایا ہے اس کے متعلق پھر عرض کروں گا ۔ فی الحال یہ رنج دہ خبر آپ کو دینا ہے کہ میری لدھیانے والی بیوی ۲۱ اکتوبر کو یہاں لدھیانے میں انتقال کر گئی ہے ان کو نمونیا ہو گیا تھا اور انسانی علم طب کی کوئی تدبیر ان کی زندگی نہ بچا سکی ۔ انا للہ و انا علیہ راجعون ۔ مرحومہ گذشتہ دس بارہ سال میری زندگی میں شریک رہیں اور اس مدت میں انھوں نے جو میری خدمت گذاری کی ، کم کسی بیوی نے اپنے شوہر کی کی ہوگی ۔ خدا تعالیٰ ان کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے ۔ میں ۱۹ اکتوبر سے لدھیانہ میں ہوں ۔ آج شام لاہور واپس جاؤں گا ۔ آپ سے التماس ہے کہ کوئی عمدہ مادۂ تاریخ [1] نکالیے جس کو ان کے مزار پر کندہ کرایا جائے ۔ میں خود بھی فکر کروں گا ۔ چونکہ آپ بزرگ ہیں اس واسطے تبرکاً آپ سے مادۂ تاریخ وفات کی درخواست کرتا ہوں ۔ ۱۳۴۳ھ ہے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔ والسلام !

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اقبال نے گرامی سے مادۂ تاریخ کی جو فرمایش کی تھی ، وہ گرامی نے پوری کی یا نہیں ؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ، البتہ اقبال نے خود جو تاریخ کہی تھی وہ مرحومہ کی قبر پر کتبے کی صورت میں یوں درج تھی :

وا دریغا ز مرگ ہم سفرے   دل من در فراق او ہمہ درد
ہاتف از غیب داد تسکینم   سخن پاک مصطفیٰ آورد
بہر سال رحیل او فرمود   بشہادت رسید و منزل کرد
۱۳۴۳ھ

انتقال زچگی کی حالت میں ہوا تھا - اسی لیے علامہ نے دوسرے شعر کے مصرع ثانی اور مادہ تاریخ میں اس مشہور حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے :

''المبطون شہید''

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ علامہ اقبال مرحومہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کسی ایسے بزرگ کی تلاش میں تھے ، جن کا تعلق قادری سلسلے سے ہو مگر اس میں ناکامی ہوئی تو خود نماز جنازہ پڑھائی -

(۸۷)

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

والا نامہ آج صبح ملا ، الحمدللہ کہ خیریت ہے - آپ کے مساعی کا سپاس گذار ہوں - معلوم ہوتا ہے ، ملک برکت علی صاحب نے دست کشی کر لی ہے - اس واسطے مولوی عبدالحی بلامقابلہ[1] ہو گئے - خیر یار زندہ صحبت باقی -

فاران دگرست کوہ سینا دگرست الخ - اس رباعی[2] کے الفاظ عشق و مستی سے لبریز ہیں اور آخری کا مصرع :

''ساحل دگرست و عین دریا دگرست''

بالخصوص پورا بے خانہ ہے - میں ایک مدت سے محروم ہوں - بہت دن ہو گئے میں نے گذشتہ گرما کے موسم میں چند اشعار لکھے تھے[۳] :

ترا ناداں امید غم گساری ہا ز افرنگ است
دل شاہیں نسوزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است
خودی را پردہ می گوئی؟ بگو ! من با تو ایں گویم
مزن ایں پردہ را چاکے کہ داماں نگہ تنگ است

محمد اقبال

تعلیقات

(۱) ملک برکت علی ایڈووکیٹ لاہور اور میاں عبدالحی ایڈووکیٹ لدھیانہ امپیریل کونسل کی رکنیت کے لیے شہری حلقے سے امیدوار تھے - ملک صاحب نے میاں صاحب کے حق میں دست برداری دے دی - اس واسطے میاں عبدالحی بلامقابلہ منتخب ہو گئے - یہ انتخابات غالباً ۱۹۲۵ع میں ہوئے تھے ، اس لیے یہ خط انھی دنوں کا ہے - اس کے بعد میاں عبدالحی سر سکندر حیات خاں اور ملک خضر حیات خاں کی وزارت میں وزیر تعلیم رہے - ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ع کو ان کا انتقال ہوا -

(۲) جس رباعی کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے :

فاراں دگرست کوہ سینا دگرست
موسیٰ دگر و مثیل موسیٰ دگرست
در موسیٰ و مصطفیٰ چہ رمزیست غریب
حاصل دگر است عین دریا دگر ست

(رباعیات گرامی ، صفحہ ۱۵)

(۳) جس غزل کے دو شعر اقبال نے گرامی کے ملاحظہ کے لیے خط میں لکھے ہیں ، وہ زبور عجم میں چھپ چکے ہیں - دیکھو صفحہ ۱۸۲ - ۱۸۳ -

(۸۸)

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

خط مع ریوڑی موصول ہوا ، شکریہ قبول فرمائیے - نواب سراج الدین خاں صاحب سائل کے لیے میں کوشش کر رہا ہوں ، ان سے اس کے متعلق میں

نے استفسار بھی کیا ہے۔ ان کی بیگم صاحبہ کا خط بھی آیا تھا۔ میں کوشش کروں گا کہ مرزا عبدالرب لاہور تبدیل ہو جائیں۔ اس طرح آپ کو لاہور آنے میں سہولت رہے گی۔

باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال لاہور

۱۶ جنوری ۲۶ء

ہاں رباعیاں نہایت شیریں ہیں اور بار یک۔ آپ کے ہر حرف میں ایک جہان معنی آباد ہوتا ہے۔

یہ نود سالہ جوتشی کون ہیں ؟ محمد اقبال

(۸۹)

۱۳ جنوری ۲۷ء

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

آپ کا دستی خط ملا ، الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ لاہور ضرور تشریف لائیے۔ ڈاکٹر محمد حسین یہاں ہیں ، اُن سے مشورہ آپ کی علالت کے متعلق کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ گلشن راز جدید بھی سناؤں گا۔ محمود شبستری [۱] نے جن سوالات کا جواب گلشن راز میں دیا ہے ، انھیں سوالات پر میں نے زمانۂ حال کے مشاہدات و تجربات کے لحاظ سے نظر ڈالی ہے۔ اُمید کہ آپ اس سے محظوظ ہوں گے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) محمود شبستری دورۂ ایلخانی کا مشہور صوفی شاعر ہے۔ ایک صحبت میں کسی نے ان سے کچھ سوالات کیے جن کا جواب انھوں نے مثنوی گلشن راز میں دیا۔ گلشن راز تصوف کی اہم ترین کتابوں میں

شمار ہوتی ہے ۔ اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں مگر سب سے مشہور لاہیجی کی شرح ہے ، جو ایران اور ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپ چکی ہے ۔ اقبال نے زبور عجم کے ایک حصے میں زمانۂ حال کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں گلشن راز ہی کے سوالات کے جوابات دیے ہیں اور اس حصے کا نام گلشن راز جدید رکھا ہے ۔

(۹۰)

لاہور ، ۳۱ جنوری ۲۷ء

ڈیر مولانا گرامی ، السلام علیکم !

کئی دن ہوئے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا ۔ نہ آپ خود تشریف لائے نہ آپ کا خط پہنچا ۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب سے آپ کی علالت کا ذکر میں نے کیا ۔ وہ آپ کے علاج کے لیے تیار ہیں ۔ ضرورت ہوئی تو کسی اور ڈاکٹر سے بھی مشورہ کیا جائے گا ، آپ ضرور تشریف لائیے ۔ بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں ۔ ایک صاحب لال دین قیصر نام ، جو پنجابی کے شاعر اور آپ کے ہم قوم ہیں اور جو اس وقت یہاں میرے پاس بیٹھے ہیں ، ہر روز پوچھتے ہیں کہ آپ کب تشریف لائیں گے ۔ علاوہ اس کے شیخ اصغر علی صاحب بھی گذشتہ رات پوچھتے تھے کہ آپ کو یہاں لاہور آئے ہوئے بہت مدت گذر گئی ہے ، لہٰذا اُمید ہے کہ اپنے علاج کی خاطر اور نیز مشتاقان زیارت کے خیال سے ضرور لاہور آئیں گے ۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ، دیرینہ ہم خیالوں کی صحبت میں جو دم گذر جائے غنیمت ہے ۔ اس کے علاوہ یہ عرض ہے کہ میری کتاب "زبور عجم" ختم ہو گئی ہے ۔ ایک دو روز تک کاتب کے ہاتھ میں جائے گی اور پندرہ دن کے اندر اندر شائع ہو جائے گی ۔ اس کے چار حصے ہیں ، پہلے حصے میں انسان کا راز و نیاز خدا کے ساتھ ، دوسرے حصے میں آدم کے خیالات آدم کے متعلق ۔ طرز دونوں کی غزلیات کے موافق یعنی الگ الگ غزل نما ٹکڑے ہیں ۔ تیسرے حصے میں مثنوی گلشن راز (محمود شبستری) کے سوالوں کے جواب ہیں ۔ اس کا نام میں نے مثنوی گلشن راز جدید تجویز کیا ہے ۔ چوتھے حصے میں ایک مثنوی ہے ، جس کا نام میں نے بندگی نامہ تجویز کیا ہے ۔

مثنوی کا مضمون یہ ہے کہ غلامی کا اثر فنون لطیفہ مثلاً موسیقی و مصوری وغیرہ پر کیا ہوتا ہے ۔ کل مجموعے کا نام زبور عجم ہے ۔ آپ ہر حصے کا کوئی موزوں و مناسب نام تجویز کریں تو عین عنایت ہو ۔ میں نے مختصراً ہر حصے کا مضمون لکھ دیا ہے جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مقصود کیا ہے ۔ خط کا جواب جلد آئے ۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا ۔ یہ مطلع کیسا ہے :

تو نہ دانی کہ نگاہے سر راہے چہ کند
در حضور تو دعا گفتہ برہ آمدہ ایم

والسلام ‏ مخلص محمد اقبال

تعلیقات

(۱) ملک لال دین قیصر لاہور کی ککے زئی برادری سے تعلق رکھتے اور پنجابی کے مشہور شاعر تھے ، وہ ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۵۶ء میں انتقال کر گئے ۔ شروع میں عشقیہ قصے لکھتے تھے ۔ ۱۹۱۹ء میں سیاسی رنگ چڑھا ۔ اپنی سیاسی نظموں کی بنا پر نو بار جیل کی ہوا کھائی ۔ ۱۹۲۰ء میں روزانہ اخبار امام جاری کیا ، ۱۹۲۱ء میں کتابوں کی دکان کھولی پھر ٹھیکیداری شروع کی اور آخر تک خوشحال زندگی بسر کی ۔ اقبال کے عقیدت مندوں میں تھے ۔

مولانا گرامی کے ذخیرے کا یہ آخری خط ہے ۔ اس کے بعد کا کوئی خط نہیں مل سکا ۔ علامہ اقبال نے لکھا تو ضرور ہوگا مگر وہ مولانا گرامی کی علالت کے دنوں میں ادھر اُدھر ہو گیا ہوگا ۔ ۲۷ مئی ۱۹۲۷ء کو مولانا اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ، خط و کتابت کا یہ سلسلہ بند ہو گیا اور علامہ اقبال یہ کہہ کر رہ گئے :

بر مزارش پست ترکن پردہ ہای ساز را
تا نہ گردد خواب او آشفتہ از شور نوای

اشاریہ

ابراہیم ، خلیفہ ۱۵ ، ۱۶
ابوبکرؓ ۵۵ ، ۵۶
ابو سعید ابوالخیر ۶۵ ، ۱۸۳ ، ۲۲۳
اثر ، سید امداد امام ۱۸۹
اثر ، نواب جعفر علی خان ۲۳۷
آجکل (ماہنامہ) ۱۹، ۲۰، ۲۷
اجمیر ۲۳ ، ۳۳
احمد دین وکیل ، مولوی ۱۲۳
ارمغان پاک ۶۵ ، ۶۶
آزاد ، ابوالکلام ۲۳۴
آزاد ، محمد حسین ۲۴
اسد ملتانی ۵۴
اسرار خودی ۴۰ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۸۲ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ، ۱۰۴ ، ۱۰۶ ، ۱۶۴ ، ۱۷۰ ، ۱۷۳، ۲۰۱
اسرار و رموز ۴۰، ۱۰۶ ، ۱۱۱ ، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۳ ، ۱۲۷، ۱۲۸ ، ۱۳۱ ، ۱۵۰
اسلم جیراج پوری ۷۲ ، ۷۶ ، ۲۳۳
اشتیاق احمد چشتی ۵۹
اصغر علی ، شیخ ۱۸۹ ، ۲۲۴ ، ۲۳۵ ، ۲۴۱
افلاطون ۷۳ ، ۱۷۳ ، ۲۲۴
اقبال محمد ۱۷۷ ، ۱۷۸
اقبال نامہ ۱۲ ، ۵۴ ، ۶۷ ، ۲۰۷
اقبالیات کا تنقیدی جائزہ ۳۶
اکبر (بادشاہ) ۴ ، ۳۶
اکبر الہ آبادی ۸۷ ، ۹۳ ، ۱۰۱، ۱۵۵ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۲۱۷
الحمرا (ماہنامہ) ۱۹ ، ۲۱، ۲۷، ۳۹
الہ بخش ، خان بہادر ۲۲ ، ۲۲۹
الٰہی بخش ، مولوی ۱۶۱
امام بخش صہبائی ۱۷
امامی ۴۹
امراؤ سنگھ ، سردار ۱۷ ، ۱۷۱ ، ۱۹۲ - ۱۹۴ ، ۱۹۷
امیر علی ، جسٹس ۲۲۷
امیر مینائی ۱۵۰
امین الحسینی ، سید ۱۶۶
امین جنگ ، نواب ۲۲۶، ۲۲۷
انجمن حمایت اسلام لاہور ۳، ۳۳،

۳۷ ، ۳۹ ، ۱۰۹ ، ۱۱۶ ،
۲۰۱ ، ۲۲۵ ، ۲۲۹
انوار اقبال ۱۲
اورینٹل کالج لاہور ۱۶
ایران ۱۰۱
ایوب خاں، سردار ۱۸۱ ، ۲۳۰
بابو رحمت اللہ ۱۳۷ ، ۱۳۸
بانگ درا ۱۰۸ ، ۱۲۰ ، ۲۰۴ ،
۲۲۶
بحر ، امداد علی ۲۶
براؤن ، پروفسر ۱۶۷ ، ۱۶۹
برق ، مرزا فتح اللہ ۲۶
برکت علی ، ملک ۲۳۸ ، ۲۳۹
بزم اقبال لاہور ۱۲
بسمل ، مولوی فتح دین ۱۱۶
بشیر احمد ، میاں ۷۸ ، ۱۷۹
بشیر حسین ، ڈاکٹر ۱۵۹
بشیر حیدر ، سید ۱۱۸ ، ۱۲۲
بمبا ، شہزادی دلیپ سنگھ ۱۷۰ ،
۱۷۱ ، ۱۹۷
بمبئی کرانیکل (روز نامہ انگریزی)
۱۶۵
بندگی نامہ (مثنوی) ۲۴۱
بوستان ۱۵
پاکستان ریویو (ماہنامہ) ۶۷
پنجاب پنچ (ہفتہوار) ۱۱۶
پیام مشرق ۶۹ ، ۷۵ ، ۷۶ ،
۷۸ ، ۱۰۰ ، ۱۰۳ ، ۱۰۹ ،
۱۲۶ ، ۱۵۳ ، ۱۶۳ ، ۱۷۰ ،
۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۴ ، ۱۸۸ ،
۱۹۱ ، ۱۹۶ ، ۱۹۹ ، ۲۰۰ ،
۲۰۳ ، ۲۱۸ ، ۲۲۰ ، ۲۲۲ ،
۲۲۵ ، ۲۲۷ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳
پیسہ اخبار (ہفتہوار) ۲۲ ، ۲۳۱ ،
۲۳۴
تاج محمد ۱۳۴
تذکرہ جلوۂ خضر ۲۷
تذکرہ سخنوران چشمدیدہ ۱۷ ،
۲۰
ترک ، اقبال بیگم (زوجہ گرامی)
۳۰ ، ۸۲ ، ۹۶ ، ۱۱۹ ،
۱۳۱ ، ۱۴۰ ، ۱۶۶ ، ۲۲۴
ترک علی شاہ قلندر ۱۶ ، ۱۷
ترکی نور محلی ۱۸ ، ۲۱
تزک محبوبیہ ۱۵ ، ۲۷
تلامذۂ غالب (مالک رام) ۲۷
تمکین کاظمی ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۷
جامی ۲۹ ، ۳۶ ، ۱۳۲ ، ۱۹۸ ،
۲۰۳
جامعہ ملیہ اسلامیہ ۷۶ ، ۲۰۱ ،
۲۳۳ ، ۲۳۴
جان محمد جو نیجو ۱۶۲
جاوید اقبال ۴۰
جاوید منزل ۲۲۲
جلال اسیر ۴۳
جلال دین ، مرزا ۱۸۰ ، ۱۸۱ ،
۱۸۵ ، ۱۹۳ ، ۲۱۸ ، ۲۲۱ ،
۲۲۳ ، ۲۲۴
جنید ۱۶۵
جہانگیر ۱۴۶ ، ۱۶۸

جوش ملیح آبادی ۲۳۷

چشتی ، حضرت معین الدین ۲۳ ، ۵۷

حافظ شیرازی ۹۷ ، ۹۹ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۷۹

حالی ۲۲۷

حبیب الرحمان شروانی ۳۳ ، ۳۴ ، ۴۲

حبیب کنتوری ۱۵۰

حسن امام ، سید ۱۸۹ ، ۱۹۶

حسن عابد جعفری ۵۱

حسین ، امام ۱۱۳ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۳۱

حفیظ جالندھری ۵۱ ، ۵۲

حفیظ ہوشیار پوری ۲ ، ۴۳ ، ۴۹ ، ۵۱

حکیم اجمل خاں ۱۵۶ ، ۲۰۰ ، ۲۲۹

حلیمہؓ ۱۵۲

حیدری ، سر اکبر ۶۷ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۹ ، ۱۰۲ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۷ - ۱۳۹

خانخاناں ۱۴ ، ۴۸ ، ۱۹۵

خسرو دہلوی ۳۰ ، ۱۵۳

خضر حیات خاں ، ملک ۱۹۳ ، ۲۳۹

خضر راہ (نظم) ۷۷ ، ۲۰۶ ، ۲۰۹ ، ۲۱۲ ، ۲۱۵

خواجہ وصی الدین ۱۰۶

داغ ۲۰ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۹ ، ۵۳ ، ۱۳۶ ، ۱۵۰ ، ۲۲۰

دین محمد ، منشی ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶

دیوان گرامی ۵۶ ، ۹۵ ، ۱۰۲ ، ۱۱۶ ، ۱۳۶ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۶۱ ، ۱۷۱ ، ۱۷۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۶ ، ۱۸۹ ، ۱۹۱ ، ۲۱۷ ، ۲۱۹

ڈاکٹر انصاری ۱۵۶

ذبیح اللہ صفا ۶۱

ذوالفقار علی خاں ، نواب ۱۰۶ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۳۶ ، ۱۵۲ ، ۱۸۵ ، ۱۸۸ ، ۱۹۲ ، ۱۹۷ ، ۱۹۹ ، ۲۰۴ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۳۱ ، ۲۳۲

راحل ، مولوی عبدالرشید ۴۹ ، ۵۰

راس مسعود ، سر ۲۳۴

رباعیات گرامی ۴۰ ، ۵۶ ، ۶۰ ، ۶۴ ، ۱۷۶ ، ۲۲۷ ، ۲۳۹

رحیم بخش ، شیخ ۲۲۳ ، ۲۲۴

رسا رام پوری ۵۱

رشک ، میر علی اوسط ۱۷

رقعات عالمگیری ۵۳

رموز بے خودی ۳۹ ، ۴۰ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۸۳ ، ۱۱۲ ، ۱۲۲ ، ۱۵۰ ، ۱۸۴

رنجیت سنگھ ، راجہ ۱۶ ، ۱۹۷

رومی ۳۶ ، ۵۶ ، ۱۷۴

ریاض الدین ، میاں ۲۰۱ ، ۲۰۲
ریٹیگن ، جسٹس ۱۳۹
زبور عجم ۲۳۹ ، ۲۴۱ ، ۲۴۲
زمانہ (ماہنامہ) ۱۰۳
زمیندار (روزنامہ) ۶۱ ، ۱۷۸
سالک ، عبدالمجید ۳۱ ، ۳۵ ،
۵۱
سالک ، علم الدین ۲
سائل ، نواب سراج الدین ۴۰ ،
۱۴۵ ، ۲۲۱ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶ ،
۲۳۹
سب رس (ماہنامہ) ۱۷
سحر ، شیخ امان علی ۲۶
سخندان فارس ۲۴
سخنوران دکن ۱۷ ، ۳۰
سرخوش ۷۰
سردار محمد ، شیخ ۱۲ ، ۲۷۰ ،
۴۴ ، ۶۰
سرگزشت سالک ۳۱ ، ۳۵
سکندر بخش ، شیخ ۱۵
سکندر حیات خان ۲۳۹
سکندر نامہ ۱۵ ، ۱۸۰
سنائی ، حکیم ۱۴۳
سعدی شیرازی ۱۶۷
سعید نفیسی ۱۶۸
سلیمان ندوی ، سید ۷۲ ، ۷۶ ،
۲۰۷ ، ۲۳۳ ، ۲۳۴
سید احمد خان ، سر ۲۲۷
سید احمد دہلوی ۲۴
سید حسن بلگرامی ۲۴
سید حسین بلگرامی ، عمادالملک ۲۴
شاد اقبال ۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۳۴ ،
۱۳۶ ، ۲۲۰
شادی لال ، سر ۴۳
شام ۱۹۴ ، ۱۹۷
شاہ مخفی ۱۷
شاہ نعمت اللہ ولی ۱۶۶ ، ۱۶۸ ،
۱۶۹
شاہ نور جمال ۴۴
شبلی ۱۶۵ ، ۲۰۵
شبلی نعمانی ۲۴ ، ۲۲۷ ، ۲۳۴
شرر ، عبدالحلیم ۲۴ ، ۵۰
شریف مکہ ۱۷۷
شمع (ماہنامہ) ۵۱
شمع اور شاعر (نظم) ۲۰۶ ، ۲۱۲
شعر العجم فی الہند ۵۵
شعرائے پنجاب ۱۴ ، ۵۱
شوچرن داس لالہ ۱۴۰ ، ۱۴۱
شوکت علی ، مولانا ۱۶۵ ، ۱۶۶
شہاب (ماہنامہ) ۶۷ ، ۹۱
شیخ محمد اکرام ۶۵ ، ۶۶
شیرازہ (ہفتہ وار) ۴۱
صائب ۲۹ ، ۳۰ ، ۶۲
صفدر علی شاہ ، سید ۱۳۹ ، ۱۹۴ ،
۲۰۲ ، ۲۰۴ ، ۲۰۶
صفیر بلگرامی ۲۶
ضرب کلیم ۱۹۸
طالب آملی ۵۰ ، ۶۲ ، ۱۶۶ ،
۱۶۸
طاہر دین ، منشی ۱۱۳

طلوع اسلام (نظم) ۲۲۵
ظفر علی خاں ۲۴ ، ۵۰ ، ۱۳۳ ، ۱۳۶
ظہوری ۲۴ ، ۶۲ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵
ظہیر فاریابی ۳۰
عابدی ، سید تسکین ۱۷ ، ۳۰
عبدالحق ، مولوی ۱۲۲
عبدالحی ، مولوی ۲۳۸ ، ۲۳۹
عبدالرب ، مرزا ۲۲۱ ، ۲۳۰
عبدالرشید ، خواجہ ۱۶۸
عبدالعزیز ، میاں ۱۵۹ ، ۱۶۰
عبدالقادر آفندی ۱۸۱
عبدالقادر ، سید ۲۰۲
عبدالقادر ، شیخ ۴۲ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۴۳
عبدالماجد دریا بادی ۷۶ ، ۲۳۳ ، ۲۳۴
عبدالمجید پروین رقم ۵۶
عبدالمجید ، میاں ۶۷ ، ۲۱۶
عبداللہ چغتائی ۲۳۸
عبداللہ منہاس ۵۸
عثمانیہ یونیورسٹی ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۲۲۹
عرفی ۳۷ ، ۶۲ ، ۱۵۳ ، ۱۵۸ ، ۱۶۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۲۰۶ ، ۲۰۸
عزیز لکھنوی ، خواجہ ۶ ، ۱۰۰ ، ۱۰۵
عزیز ، میرزا محمد بادی ۲۳۶ ، ۲۳۷
عزیز ملک ۱۸ ، ۵۲
عصمت ، بسم اللہ بیگم ۱۸
عطاء اللہ ، شیخ ۵۴ ، ۶۷ ، ۹۱
عطیہ فیضی ۱۲
عظامی ، مولوی عزیزالدین ۳۲ ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۵۶ ، ۶۱ ، ۱۱۰
علی رضؓ ۵۵ ، ۱۲۵ ، ۱۴۷
علی امام ، سید ۱۰۳ ، ۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۲۳۱
علی بخش ۷ ، ۸ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۱۰۶ ، ۱۲۴ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۵۷ ، ۱۶۶ ، ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۷ ، ۲۰۳
علی محمد ، حضرت میاں ۵۵ ، ۶۱
عمر رضؓ ۵۵ ، ۵۶
عمر بخش ، شیخ ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۴۲ ، ۱۵۸
عمر حیات خاں ، ملک ۱۹۲ ، ۱۹۳
غالب ۲۶ ، ۴۹
غلام رسول مہر ۱ ، ۳ ، ۲۰۷
غلام صمدانی خاں گوہر ۱۵
غلام قادر شاہ قادری ۱۵
غلام محی الدین ، ماسٹر ۹۹ ، ۱۰۰
غنی کشمیری ۶۲ ، ۱۲۲
غنیمت کنجاہی ۳۶ ، ۵۶ ، ۶۲

غوث الاعظم ۱۵
غوث علی شاہ قلندر ۱۶
فاخر ، مولانا ۱۶۴ ، ۱۶۵
فارابی ۲۲۴
فاروق چریا کوٹی ، مولانا ۲۳۴
فاطمہ زہراؓ ۱۲۳ ، ۱۲۵-۱۲۸ ، ۱۳۱
فردوسی طوسی ۱۶
فریدالدین گنج شکر ۳۴
فقیر نجم الدین ۱۶۰ ، ۱۶۱
فلسطین ۱۹۴ ، ۱۹۶ - ۱۹۸
قاسم مشہدی ۲۴
قائداعظم ۱۲
قدر ، غلام حسین بلگرامی ۲۵
قدسی ۶۲
قزلباش ، نواب فتح علی خاں ۲۲
کشن پرشاد ، مہاراجہ ۱۲ ، ۱۷ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۱۰۲ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۱ ، ۱۲۲ ، ۱۲۴ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۹ ، ۱۹۵ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۳۱ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶
کلیم ، ابو طالب ۶۲
کمال ، عبدالعزیز ۳۶
کیمبرج یونیورسٹی ۱۶۴ ، ۱۶۹
کیول کرشن ، پنڈت ۳۴ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲
گفتار اقبال ۱۰۴
گلزار صدیقی ۱۹
گلستان ۱۵
گلشن راز ۲۳۰ ، ۲۳۱
گلشن راز جدید ۲۳۰ ، ۲۳۱
گنج بخش ، داتا ۲۲ ، ۱۳۲
گوئٹے ۳۹ ، ۱۰۳
لاڈلی بیگم (دختر داغ) ۱۳۶
لاہور (ہفتہ وار) ۳۷ ، ۸۱
محبوب عالم ، مولوی ۲۳
محمدؐ ۴۴ ، ۵۵ ، ۵۸ ، ۱۲۵ ، ۱۲۹ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۸۳ ، ۲۲۲ ، ۲۳۱ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹
محمد اقبال ، شیخ ۱۴۸ ، ۱۵۰ ، ۱۷۵
محمد جہانگیر ، ڈاکٹر ۱۶
محمد حسین ، خلیفہ ۲۲ ، ۲۴ ، ۲۵
محمد حسین ، ڈاکٹر ۱۵۹ ، ۲۲۸ ، ۲۳۰ ، ۲۳۱
محمد علی جوہر ۱۶۴ ، ۱۶۶ ، ۲۳۴
محمد موسیٰ ، حکیم ۲ ، ۵۵
محمود شبستری ۲۳۰ - ۲۳۱
مخبر دکن (روز نامہ) ۱۱۳ ، ۱۱۷
مخزن (ماہنامہ) ۳ ، ۱۴ ، ۱۹ ، ۳۵ ، ۴۸ ، ۵۲ ، ۹۲ ، ۹۵ ، ۱۰۷ ، ۱۹۰
مخفی ۱۵۸
مرزا غلام احمد (قادیانی) ۱۹۲

مرزا سلطان احمد ۱۹۱
مریم ۱۲۵
مسعود سعد سلیمان ۴۸
مصطفیٰ کمال پاشا ۲۲۱، ۲۲۲،
۲۳۰
معارف (ماہنامہ) ۲۰۷
مکمل، مفتی رکن الدین ۱۷
ملک لال دین قیصر ۲۰۲، ۲۴۱،
۲۴۲
ممتاز حسن ۱
مہدی بیانی ۱۶۸
میاں میر ۱۷۶
میر حسن، مولوی سید ۶۸، ۷۲،
۱۶۲، ۱۶۳
میونسپل گزٹ (ہفتہ وار) ۱۱۳،
۱۱۵، ۱۱۶
نادر شاہ ۱۶، ۲۳۴
ناصر علی سرہندی ۶۲
ناطق مکرانی، گل محمد خاں ۱۶ -
ناظر، خوشی محمد ۳۴، ۲۰۴،
۲۰۵
نذیر، مرزا برلاس ۶۱
نسیم رضوانی ۵۱
نصیرالدین چراغ دہلوی ۱۵۳،
۱۵۴
نصیرالدین، شیخ ۱۸، ۱۴۲،
۱۶۶، ۱۶۷
نظام دکن ۲۴، ۲۵، ۲۶،
۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۴۸،
۵۳، ۶۸، ۹۶، ۱۰۲،
۱۰۳، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۵،
۱۱۷، ۱۳۴، ۲۲۶
نظامی گنجوی ۵۰، ۵۴، ۱۸۰
نظیری نیشاپوری ۱۴، ۱۹،
۳۷، ۴۶، ۶۲، ۶۶، ۱۵۸،
۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۹، ۱۹۴،
۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۷ - ۲۲۱
نقوش (شخصیات نمبر) ۱۸، ۵۲
نکلسن، پروفیسر ۱۷۰
نور جہاں ۱۴۶
نور محمد (والد اقبال) ۱۳۸، ۴۲،
۱۵۷
نیازالدین خاں ۱۲، ۳۶، ۳۷،
۷۷، ۷۹ - ۸۰، ۸۵،
۱۲۲، ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۳۷،
۱۴۲، ۱۴۸، ۱۵۶ - ۱۵۸،
۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۷،
۲۱۵، ۲۱۶
نیرنگ، میر غلام بھیک ۲۴،
۲۲۵، ۲۲۶
نیوایرا (انگریزی ماہنامہ) ۱۷۸
واثق براتی ۱۶
وحدت الوجود ۷۹
وکیل (ہفتہ وار) ۲۳
ویکو ۱۰۳
ہری چند اختر ۴۵
ہلال (ماہنامہ) ۱۶
ہمایوں (ماہنامہ) ۷۸، ۱۷۹
ہیگل ۱۷۸
یاران کہن ۳۱، ۳۵

اضافہ طبع دوم

(اقبال کے چند اور خطوط جو حمید اللہ شاہ ہاشمی لیکچرار گورنمنٹ کالج فیصل آباد کی عنایت سے حاصل ہوئے)۔

بنام مولانا گرامی

ڈیر مولانا گرامی!

(۹۱)

السلام علیکم۔ مجھے ابھی پنڈت کیول[1] کرشن صاحب بیرسٹر جالندھر کا خط آیا ہے، جس میں لکھتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے عدالت میں پیش ہوئے تھے۔ مقدمہ اب ۹ جنوری ۱۹۱۸ء کو پیش ہوگا، مگر وہ لکھتے ہیں کہ پیشی کے وقت دونوں فریق غیر حاضر تھے۔

بہرحال آپ ان کی خدمت میں جائیں اور مقدمہ کے حالات سے انھیں آگاہ کریں اور جو کچھ وہ مشورہ دیں اس کے مطابق عمل درآمد کریں۔ مسماۃ فجاں[2] پر تعمیل سمن نہیں ہوئی۔ اس کا پتہ بہت جلد داخل کرنا چاہیے ـــــ اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۸ دسمبر ۱۹۱۷ء

۱۔ پنڈت کیول کرشن بیرسٹری کے لیے ولایت جانے سے پہلے گورنمنٹ کالج لاہور میں علامہ اقبال کے شاگرد تھے۔

۲۔ مسماۃ فجاں فضل بی بی، زوجہ شیخ نصیر الدین مولانا گرامی کی بہن تھیں۔ مولانا نے ان پر جدی مکان سے بے دخلی کا دعویٰ کر رکھا تھا، جس کا فیصلہ آخر راضی نامہ پر ہوا۔

مولانا گرامی کی وفات (۲۷ مئی ۱۹۲۷ء) کے بعد ان کے جانشیں مولوی عزیز الدین عظامی اور مرشد حضرت میاں علی محمد سجادہ نشیں بسی لو (ہوشیار پور) نے دیوان گرامی اور رباعیات گرامی دو مجموعے مرتب کیے - بیگم گرامی نے ان کی طباعت و اشاعت کے لیے علامہ اقبال سے مدد چاہی - مندرجہ ذیل خطوط اسی سلسلے میں لکھے گئے -

(۹۲)

بنام بیگم گرامی

مخدومہ من !

السلام علیکم - والا نامہ ابھی ملا ہے - الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں - یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ مولانا مرحوم کا کلام تیار ہو گیا ہے - افسوس ہے کہ مجھے دیباچہ لکھنے کی متطلق فرصت نہیں ، البتہ میں چوہدری محمد حسین صاحب کے سپرد یہ کام کروں کا ادر ان کو اس کام کے متعلق ضروری ہدایات دے دوں گا - وہ میرے مشورے سے لکھتے جائیں گے - اس کے علاوہ مجھے پورا کلام بھی سنا دیں گے - ترتیب کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ پہلے ان کی رباعیات اچھے اہتمام سے شائع کی جائیں ، بعد میں غزلیات ، بعد میں مثنوی و قطعات وغیرہ - قصائد اگر کوئی ہوں تو وہ سب سے پیچھے - کیونکہ اس زمانے میں قصائد کا مذاق نہیں رہا - رباعیات کی اشاعت پر زیادہ خرچ بھی نہ ہوگا اور پڑھنے والی پبلک کی نبض شناسی بھی ہو جائے گی - والسلام

مخلص محمد اقبال

۱۴ ستمبر ۱۹۲۷ء

میں آج شام ڈیرہ دون جا رہا ہوں - وہاں سے سیدھا شملے جانے کا قصد ہے -

محمد اقبال

(۹۳)

جناب بیگم گرامی صاحبہ !

السلام علیکم - میری رائے میں تین ہزار تھوڑی رقم ہے - کم از کم پانچ ہزار ہونی چاہیے - پانچ سال مدت اس تاریخ سے شروع ہو ، جب معاہدہ لکھا جائے نہ کہ کتاب کے طبع ہونے کی تاریخ سے - اس کے علاوہ آپ اس بات کا بھی اطمینان کر لیں کہ پانچ ہزار سے زائد کاپی نہ چھپیں گی - معاہدہ باقاعدہ تحریر ہو جائے - والسلام

محمد اقبال لاہور
۲۰ اپریل ۱۹۳۰ء

(۹۴)

لاہور ، ۲۱ اپریل ۳۰ء

محترمہ جناب بیگم گرامی صاحبہ !

بجواب آپ کے خط کے عرض ہے کہ آپ مولانا مرحوم کے کلام کی اشاعت و طباعت کا کام خود نہیں کر سکتے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے لیے یہ مشکل بھی ہے ، تو بہتر ہے ، حبیب اللہ صاحب سے معاہدہ کر لیجیے - آپ کے مالی فائدہ کی جو صورت ہو وہ اختیار کر لیجیے خط سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مولانا گرامی مرحوم کا کلام معاہدہ کی رو سے جزواً جزواً شائع ہوگا یا تمام کلام ایک ہی دفعہ اور پانچ سال کی مدت میں کتنے ایڈیشن شائع ہوں گے - آیا ایک ایک ہزار کے پانچ ایڈیشن ہوں گے یا کم و بیش - اس کے علاوہ کتاب کی قیمت کیا ہوگی ، حجم کیا ہوگا ؟ اس کے علاوہ آپ کو مسودہ دینے سے پیشتر یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ جو روپیہ آپ کو ملے گا - وہ فوراً نقد ادا کیا جائے گا ، یا باقساط ادا کیا جائے گا اور اقساط کتنی مدت کے بعد ادا ہوں گی ؟

والسلام

محمد اقبال

(۹۵)

لاہور ، ۱۸ مئی ۳۰ء

محترمہ جناب بیگم صاحبہ !

السلام علیکم - بہت بہتر ہے جو آپ کا ارادہ ہو - کاغذ خریدنا ، کسی اچھے کاتب کے زیر نگرانی کام کرانا ، پھر کتاب کا پریس میں جانا اور پروف وغیرہ دیکھنا ، یہ کام آسان نہیں اور مجھ کو اس کام سے قطعاً واقفیت نہیں - بہتر ہے کہ آپ یہ کام حفیظ جالندھری صاحب کے سپرد کر دیں - میں بھی ان کی مدد کروں گا یعنی دیباچہ لکھوا کے دینے میں - کاغذ کی خرید ، کتابت ، چھپوائی اور پروف دیکھنے کا کام اس کے سپرد ہو - بلکہ کتاب کے چھپ جانے پر اشتہار دینا اور اس کی اشاعت کرنا بھی ان کے سپرد ہونا چاہیے - مجھے واقفیت نہیں - اس کے علاوہ فرصت بھی نہیں - خود اپنی کتابوں کے لیے بھی یہ اہتمام نہیں کر سکتا -

محمد اقبال

(۹٦)

جناب بیگم صاحبہ !

آپ کا خط مل گیا ہے - آپ کے پہلے خط میں جو میرے خط کے جواب میں تھا - کوئی ایسی بات نہ تھی جس کا جواب لکھا جائے - اس واسطے میں نے خط نہ لکھا - آپ نے لکھا تھا کہ بعد از محرم آپ کسی آدمی کو مع مسودہ کلام مولانا مرحوم لاہور بھیجو گی - مسودہ آنے کا تو میں اسے کاتب سے ملا دوں گا اور کتابت کے متعلق اس کا اطمینان کرا دوں گا - والسلام

محمد اقبال

گرامی منزل - ہوشیار پور

۳۰ جون ۱۹۳۰ء

مکرم و محترم بھائی صاحب - السلام علیکم

میرا خیال ہے کہ دیوان کے لیے پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے -

اخبارات و رسائل کے لیے ایک اعلان تجویز کیا ہے ، جس کا مسودہ آپ کے ملاحظے کے لیے ارسال خدمت ہے ۔ بوالہسی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں ۔

خاکسارہ
اقبال
(اقبال بیگم)

(۹۷)

(علامہ ڈاکٹر اقبال نے اسی خط پر حسب ذیل جواب لکھا) ۔
آپ کا مسودہ درست ہے ۔ جہاں میرا ذکر ہے ، اس عبارت کی جگہ مندرجہ ذیل عبارت لکھنی چاہیے ، جو واقعات کی رو سے صحیح ہے ۔

''دیوان کی طباعت و کتابت وغیرہ کے متعلق ڈاکٹر اقبال صاحب سے مشورہ کیا گیا ہے ۔ کتابت مشہور خوش نویس منشی عبدالمجید پروین رقم کریں گے ۔ کاغذات اور طباعت ۔ ۔ ۔ الخ ۔''

میں نے لفظ ''ترتیب'' کاٹ دیا ہے کیونکر مجھے ترتیب کتاب کا کوئی علم نہیں ۔ یہ اشتہار طباعت ختم ہونے سے ایک دو ماہ پہلے اخبارات میں دینا چاہیے ۔

محمد اقبال لاہور
یکم جولائی ۱۹۳۰ء

باقی جو امور ہوں اس کے متعلق اگر ضرورت ہو تو آپ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ سے خط و کتابت کیا کریں میں نے ان کو اس بارے میں کہہ دیا ہے ۔ وہ قابل اعتبار آدمی ہیں اور واقف کار ۔ محمد اقبال

(۹۸)

جناب بیگم صاحبہ
السلام علیکم ۔ میری رائے میں رباعیات پر عنوان دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔

محمد اقبال
۱۰ اگست ۳۰ء لاہور

(۹۹)

جناب بیگم گرامی صاحبہ!

آپ کا خط ابھی ملا ہے، پڑھ کر مجھے کوئی رنج نہیں ہوا۔ عورتوں کو کسی معاملے کے متعلق مشورہ دینا آسان کام نہیں۔ کیونکہ ان کو معاملات کی سمجھ نہیں، اس کے علاوہ وہ فطرتاً بدظن ہوتی ہیں اور خواہ کتنی ہی سچی بات کیوں نہ کہی جائے ان کو اس پر اعتبار کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ آپ کے عزیز سے یا آپ سے میں نے کبھی وعدہ نہیں کیا کہ کتاب کی طباعت، کتابت وغیرہ کا کام میں اپنے ذمے لوں گا۔ میں اس کام کی قطعاً واقفیت نہیں رکھتا اور جو صاحب از راہ عنایت میرے لیے یہ کام کر دیا کرتے تھے۔ وہ اس زحمت کو گوارا کرنے سے قاصر ہیں ہاں اُنھوں نے دیباچہ میری زیر نگرانی لکھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ سو یہ کام ہو جائے گا۔ اس خط میں پھر مفصل لکھتا ہوں کہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے۔

۱۔ دیباچہ میں اپنی زیر نگرانی لکھوا دوں گا، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

۲۔ رباعیات وغیرہ اگر میرے مشورہ کے مطابق منتخب شائع ہوتیں تو میں انتخاب بھی کر دیتا۔ مگر چونکہ آپ سارا کلام چھپوانا چاہتی ہیں، اس واسطے اس کام کی اب ضرورت نہیں۔ اسی بات کا آپ کے عزیز سے وعدہ کیا تھا۔ جس سے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔

۳۔ کاغذ خریدنا اور اس کے متعلق آپ سے روپیہ منگوانا اور آپ کو حساب دینا، یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ میں نے حفیظ صاحب کا نام لکھا تھا مگر معلوم ہوتا ہے آپ کو ان پر اعتماد نہیں۔ اگر وہ آپ کو پسند نہیں تو کسی اور صاحب مثلاً سالک صاحب مدیر "انقلاب" کو اس کام کے لیے مقرر کیا جائے، مگر اس کام کے لیے ابھی جلدی نہیں۔ پہلے کتاب کی کتابت ہونی چاہیے اور اس میں تین چار ماہ بلکہ زیادہ مدت لگ جائے گی۔

1153

۴- کاتب اور پریس کا انتخاب ، جہاں سے میں چھپواتا ہوں ، میرے خیال میں وہ پریس اچھا ہے ۔ عبدالمجید کاتب بھی میرے نزدیک لاہور میں سب سے بہتر ہے ۔ انھی سے آپ کام لے سکتی ہیں ۔ مگر کاتب اور پریس سے اجرت کا طے کرنا اور اس کی ادائیگی کی ذمہ داری لینا یہ کام اس آدمی کے سپرد ہو جس کا ذکر میں نے نمبر ۲ میں کیا ہے ۔

۵- پروف دیکھنا اور اس سے پہلے کاتب سے لے کر کاپی دیکھنا ۔ اس کے متعلق آپ خود ہی لکھتی ہیں کہ تم کو زحمت نہ دی جائے گی ۔ جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں ۔ یہ کام مجھے آتا بھی نہیں ۔ میں اپنی کتابوں کے پروف خود نہیں دیکھتا ۔ جو صاحب دیکھتے ہیں اُن سے کہا تھا کہ مدد کریں مگر ان کے حالات اس قسم کے ہیں کہ وہ مشکل سے میرے زیر نگرانی دیباچہ لکھنے پر راضی ہوئے ۔

مختصر یہ کہ پروف و کاپی دیکھنے کے علاوہ ان سارے معاملات کا جو پہلو روپیہ کی ادائیگی اور خرید و فروخت وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے میں قاصر ہوں اور یہ بات بھی زیادہ تر آپ کی ہی ہمدردی کی وجہ سے کہتا ہوں ۔ کیونکہ روپیہ پیسہ کے معاملے میں بالکل نابلد ہوں اور جس طرح آپ کو اس معاملے میں اعتماد کرنے میں تامل ہوتا ہے اسی طرح مجھ کو بھی ہے ۔ چونکہ سالک اور حفیظ دونوں لاہور میں ہیں اور یہیں رہتے ہیں ، اس واسطے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب مذکورہ معاملات کے لیے موزوں ہوگا ۔ یہ کام کسی لاہور سے باہر سے آنے والے آدمی سے نہ ہو سکے گا ۔ آپ اس کام کو شاید معمولی تصور کرتی ہیں ۔ یہ بڑی سردردی کا کام ہے میں اس سے آج تک عہدہ برآ نہیں ہو سکا ۔ اور اگر چودہری محمد حسین ممد و معاون نہ ہوتے تو میری ایک کتاب بھی شائع نہ ہوتی ۔ اب تو مدت سے میں نے ان کو بھی تکلیف نہیں دی ۔ کیونکہ کسی نئی کتاب کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۔ ایک دفعہ کتاب چھپ کر نکل جائے تو پھر آسانی ہو جاتی ہے ۔ یہی صاحب میری زیر نگرانی دیباچہ لکھیں گے ۔ کیونکہ وہ صبح سے شام تک دفتر میں رہتے

ہیں ۔ اس واسطے پروف دیکھنے کی زحمت ان کو دینا مناسب بھی نہیں اور وہ اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے — مختصر یہ کہ آپ کسی آدمی کو مسودہ دے کر لاہور بھیجیں ، جو کاتب کے ساتھ معاملہ اجرت وغیرہ طے کرکے اسے مسودہ دے جائے اور اگر کاتب اپنی اجرت کا کچھ حصہ پیشگی مانگے تو پیشگی دی جائے ۔ اس کے علاوہ لاہور میں ایک آدمی مقرر کر جائے جو کاتب سے کام جلد کرائے اور کاپی ساتھ ساتھ دیکھتا جائے تاکہ بعد میں اسے پروف دیکھنے میں آسانی ہو اور غلطیاں کم ہوں جب یہ کام ختم ہو جائے تو کاپیاں پریس میں دے ، کاغذ خریدے اور پریس سے جلد کتاب چھپوائے اور جب کتاب کی طباعت قریب الاختتام ہو تو مجھے اطلاع دے تاکہ میں دیباچہ لکھواؤں ۔ والسلام

محمد اقبال

○ ○ ○